جنوری ۱۹۴۶ء
جلد۳ — نمبر۳

نونہال

چندہ سالانہ تین روپے
قیمت فی پرچہ چار آنے

ناریل سے شکلیں

یہ خوبصورت شکلیں انڈمان کے لوگوں نے سیاحوں کو خوش کرنیکے لئے ناریل سے تیار کی تھیں

مسکراتا ناریل: ناریل سے تیار کئے ہوئے اس مسکراتے چہرے کی نمائش کرتے وقت اس خوبصورت لڑکی کی تصویر کھینچ لی گئی ؛

جنوبی ہندوستان اور مشرقی جزائر الہند میں ناریل افراط سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ بہت سی صنعتوں کے لئے خام مواد کا کام دیتا ہے اور اس سے بہت سی کارآمد چیزیں بنائی جاتی ہیں۔ اس صفحے پر ہم ناریلوں اور ان سے بنی ہوئی چند چیزوں کی تصویریں شائع کر رہے ہیں ؛

مدراس کے یہ ناریل سب کے سب ایک خوشے میں لگے ہوئے تھے۔ کیا ... سکتے ...

فہرست

۱۔ تصویریں ——— ۱

۲۔ آؤ دنیا نئی بنائیں ——— ۲

۳۔ ڈون کی ہوٹی ——— ۳

۴۔ فراگ مین ——— ۶

۵۔ کدو میاں ——— ۷

۶۔ کل کی باتیں ——— ۸

۷۔ قدرت کی کٹھ پتلیاں (با تصویر) ۹

۸۔ شمال مغربی سرحدی صوبہ (تصویریں) ۱۱

۹۔ فارمین (با تصویر) ——— ۱۴

۱۰۔ کیا آپ جانتے ہیں؟ ——— ۱۵

۱۱۔ اینڈرو کلیز اور شیر ——— ۱۶

۱۲۔ بھانجوں اور بھانجیوں کے نام ——— ۱۸

۱۳۔ بچوں کے قلم سے ——— ۱۹

۱۴۔ رمپل بونا ——— ۲۱

۱۵۔ نوڈے لیگ ——— ۲۲

۱۶۔ فوارہ بنایئے ——— ۲۳

جنوری میں مجلس اقوام متحدہ کی میٹنگ ہوگی جس میں ایٹم کی قوت کے سوال پر سوچ بچار کیا جائیگا۔ جیسا کہ تمہیں معلوم ہے۔ ایٹم کی قوت پہلی مرتبہ بموں کی صورت میں جاپان کے خلاف استعمال کی گئی۔ لیکن اسکا یہ استعمال تباہی کے لئے تھا۔ یہ قوت انسان کے فائدے کے لئے بھی استعمال کی جاسکتی ہے اور در اصل ایسا ہونا بھی چاہئے۔ یہ مجلس اس بات پر غور کریگی کہ اس مقصد کے حاصل کرنے کی بہترین صورت کیا ہے۔

اگرچہ لڑائی ختم ہوچکی ہے اور جرمنی اور اس کے ساتھی بالکل تباہ ہوچکے ہیں پھر بھی دنیا میں پہلے جیسی ہی بے چینی پھیلی ہوئی ہے۔ چین میں دو پارٹیوں کے درمیان لڑائی ہورہی ہے۔ ایک طرف جنرل چیانگ کائی شک کی پارٹی ہے اور دوسری طرف کمیونسٹوں کی۔ جاوا میں بھی حالت ٹھیک نہیں۔ انڈونیشیا جو ڈچ نو آبادی ہے۔ آزاد ہونا چاہتی ہے۔ ملک میں ہرطرف بدامنی اور شورش پھیلی ہوئی ہے۔ ڈچ حکومت اور انڈونیشیا کے درمیان مصالحت کرانے کی سب کوششیں بیکار ہوچکی ہیں۔ اب برطانیہ نے فیصلہ کیا ہے کہ حالات پر قابو پانے کے لئے اور فوجیں انڈونیشیا میں اتاری جائیں۔

شمالی ایران میں بغاوت پھیلی ہوئی ہے خبر آئی ہے کہ باغیوں نے بہت سے سرکاری افسروں کو قتل کرڈالا۔ ایرانی حکومت ابھی تک بغاوت دبانے میں کامیاب نہیں ہوسکی۔

برطانیہ کے غیرملکی معاملات کے سکریٹری مسٹر بیون نے فلسطین کے عربوں اور یہودیوں کے جھگڑے کے بارے میں اپنی پالیسی کا اعلان کیا۔

انھوں نے کہا کہ فلسطین کا انتظام ایک جماعت کے سپرد کیا جائیگا۔ لیکن انھوں نے یہ نہیں بتایا کہ اس جماعت میں کون کونسی قوموں کے نمائندے شامل ہوں گے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ عربوں سے اس سلسلے میں مشورہ کیا جائیگا۔ مسٹر بیون کی رائے ہے کہ اگر ٹھنڈے دل سے معاملات پر غور کیا جائے تو ضرور کوئی ایسی صورت نکل آئیگی جو یہودیوں اور عربوں دونوں کے لئے مناسب ہو۔

میرے خیال میں مسٹر بیون کا کہنا بالکل درست ہے جب تک کہ ہم سب لوگ معقولیت اور نرمی کو سامنے نہیں رکھیں گے دنیا میں کبھی امن قائم نہیں ہوسکتا۔ ہم سب کو اپنے معاملات میں انصاف اور ایمانداری کا خیال رکھنا چاہئے۔ وہی زبان پر لانا چاہئے جو دل میں ہو اور وہی دل میں ہونا چاہئے جو زبان پر ہو۔ اگر ہر شخص کے دل میں خود غرضی اور دھوکہ بازی ہو تو سب جلسے جماعتیں اور کونسلیں بیکار رہیں۔ خیال اور عمل مختلف ہونا ہی بہت سی خرابیوں کی جڑ ہے۔ دُنیا میں امن اور سکون پیدا کرنے کے لئے ضرورت ہے کہ سچائی اور صاف گوئی سے کام لیا جائے ✤

بڑے مصنفوں کی کہانیاں

ڈون کی ہوٹی

ڈون کی ہوٹی سپین کے ایک بہت بڑے مصنف سروانٹیز کی لکھی ہوئی ایک دلچسپ کہانی ہے۔ آپ بھی ہیرو کے مضحکہ خیز کارناموں کا لطف اٹھایئے۔

(۳)

ڈچز

شیروں سے لڑنے کے بعد ڈون کی ہوٹی اور سانچو پانزا کو اور بہت سے خوشگوار اور ناخوشگوار واقعات کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ جنگل سے واپس آرہے تھے کہ انھوں نے دور سے ایک حسین خاتون کو دیکھا جو سبز رنگ کا شہسواری کا لباس پہنے سفید گھوڑے پر سوار خادموں کے ساتھ جارہی تھی۔ ڈون کی ہوٹی یہ نظارہ دیکھ کر بہت مرعوب ہوئے۔ اور انھوں نے سانچو پانزا کو ہدایتیں دے کر ڈچز کو ایک پیغام بھجوایا۔ انھوں نے سانچو سے کہا کہ خاتون سے کہنا "شیروں کا نائٹ آپکی خدمت کے لئے حاضر ہے۔ وہ آپکے ہر حکم کی تعمیل کریگا۔"

یہ خاتون ایک ڈچز (بیگم) تھی۔ اس نے ڈون کی ہوٹی کے عجیب و غریب کارناموں کی بابت پڑھ رکھا تھا۔ ڈچز نے اپنے شوہر سے مشورہ کرنیکے بعد محض دل لگی کی خاطر اس مسخرے پن میں شرکت کرنیکا فیصلہ کرلیا۔

ڈون کی ہوٹی کو اس بات کا پورا یقین دلانے کے لئے کہ وہ لوگ ابھی تک نائیٹیٹ کے قانون اور قاعدوں پر چلتے ہیں، اس نے نہایت ملائم اور دلکش الفاظ میں اپنے اسکوائر کے ہاتھ ڈون کی ہوٹی کو اپنے قلعہ میں آکر ٹھیرنے کی دعوت کہلا بھیجی۔

ڈون کی ہوٹی کا بہت پرجوش استقبال کیا گیا اور نہایت دھوم سے ان کا جلوس قلعہ تک پہنچا۔ نوکروں کو پہلے ہی بتادیا گیا تھا کہ نائٹ کے ساتھ کیسا رویہ اختیار کیا جائے۔ جب ڈون کی ہوٹی قلعہ میں داخل ہوئے تو دو حسین لڑکیوں نے سرخ رنگ کا نہایت اعلےٰ چغہ ان کے کندھوں پر ڈال دیا اور عطر ملا۔

ڈون کی ہوٹی یہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے کہ سب کام ویسے ہی ہو رہے ہیں جیسا کہ وہ شولری کی کتابوں میں پڑھتے آئے تھے۔ اب انھیں پورا یقین ہوگیا کہ وہ سچ مچ کے نائٹ ہیں۔

سانچو پانزا گورنر بنتے ہیں

ڈیوک اور ڈچز نے نائٹ اور ان کے اسکوائر کی بہت آؤبھگت اور خاطر تواضع کی۔ نوکروں نے باتوں میں سانچو پانزا کو ذرا چھیڑا لیکن انھوں نے کچھ پرواہ نہ کی۔ کیونکہ انھیں قلعہ میں تمام آرام اور آسائشیں میسر تھیں۔ ڈچز اسے بہت پسند کرتی تھی اور اسے جب یہ معلوم ہوا کہ نائٹ نے سانچو کو کسی جزیرہ کا گورنر بنانے کا وعدہ کیا ہے تو اس نے ڈیوک سے کہہ کر سانچو کو جزیرہ باراٹیریا کا گورنر بنوا دیا۔

اپنے مالک سے مشورہ لینے کے بعد سانچو اپنے اہالی موالی کے ساتھ اپنی حکومت کی طرف چل کھڑا ہوا۔ بہت شان و شوکت سے انھیں کرسئ عدالت پر بٹھایا گیا اور انھوں نے مقدمات کے فیصلے شروع کئے۔

دو بوڑھے آدمی سامنے آئے ایک کے پاس لاٹھی کی بجائے ایک کھوکھلا ڈنڈا تھا اور دوسرے کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔ بغیر لاٹھی والے بوڑھے نے کہا کہ میں نے اس شخص کو کچھ دن ہوئے دس سونے کے کراؤن قرض دئے تھے تاکہ اس کا کام نکل جائے۔ میں نے فوراً ہی اپنی رقم واپس نہ مانگی۔ دو تین مرتبہ تقاضہ کرنے کے باوجود اس نے میری رقم واپس نہیں کی۔ اسکی

نیت میں فتور معلوم ہوتا ہے۔ دوسرے نے کہا کہ میں نے تم سے دس کراؤن کبھی قرض لئے ہی نہیں۔ اگر لئے تھے تو میں واپس کر چکا ہوں۔ دونوں کا کوئی گواہ نہ تھا۔ پہلے شخص نے کہا "حضور گورنر اگر یہ حلف اٹھالے کہ اس نے رقم واپس کردی ہے تو میں روپیہ نہیں مانگونگا"۔ سانچو نے اپنا عصا اٹھایا۔ دوسرے بوڑھے نے اسکا دوسرا سرا پکڑ کر قسم کھائی کہ میں نے روپے تو لئے تھے لیکن واپس کرچکا ہوں۔ دوسرے بوڑھے نے اسکا یقین کرلیا اور دونوں سلام کرکے جانے لگے۔ لیکن سانچو نے انھیں روکا اور بوڑھے سے کہا کہ یہ ڈنڈا تم مجھے دے دو۔ بوڑھے نے دے دیا۔ سانچو نے ڈنڈا دوسرے بوڑھے کو دے کر کہا کہ اب تمہارا قرضہ ادا ہوگیا۔ بوڑھے کو بہت تعجب ہوا کہ لکڑی دس کراؤن کی کیسے ہوسکتی ہے۔

سانچو نے کہا کہ اسکے دو ٹکڑے کرو۔ اسکے اندر سے دس کراؤن نکلے۔

ہر شخص نے گورنر کی عقلمندی کی داد دی اور اسکو سلیمان ثانی کہنے لگے۔

سانچو نے اپنے جزیرے پر بہت قابلیت سے حکومت کی اور بہت سے اچھے قانون بنائے جو آجتک رائج ہیں۔

لیکن سات دن کے بعد وہ اس تمام شان و شوکت سے اکتا گیا۔ اسکا دل معمولی کھانے اور اپنے جیسے معمولی آدمیوں کے لئے ترسنے لگا۔ اس رات اسے نوکروں نے جگاکر بتایا کہ دشمن شہر کے دروازے پر ہے۔ شہر کو بچانے کے لئے سانچو کو اٹھ کر ہتھیاروں سے مسلح ہونا پڑا۔ نقاروں اور سنکھوں کی آوازیں آنے لگیں۔

بیچارے سانچو نے یہ سوچ کر کہ یہ کام ڈون کی ہوٹی کا ہے وہاں سے بھاگنے کی کوشش کی۔ لیکن اسے بھاری زرہ بکتر پہننے پر مجبور کیا گیا۔ اور جب سانچو دشمن کی طرف چلا تو ٹھوکر کھاکر گر پڑا۔ نوکروں نے اسطرح شور مچایا کہ لوگ سمجھیں دشمن بھاگ گیا۔ لیکن سانچو کا دل بھر چکا تھا صبح اٹھ کر اس نے گدھے کی زین کسی اور اپنے مالک نائٹ کے پاس جا پہنچا۔

سانچو جزیرے والوں کو اتنا عزیز ہوگیا تھا کہ وہ اسکے جانے پر رو دئے۔

سفید چاند کا نائٹ

ڈون کی ہوٹی اپنے گھوڑے پر معمول کے مطابق لیس ہوئے جارہے تھے کہ انھیں سامنے سے ایک نائٹ آتا دکھائی دیا۔ یہ نائٹ سر سے پاؤں تک ہتھیاروں سے مسلح تھا اور اسکی ڈھال پر ایک بڑا سا چاند بنا ہوا تھا۔ یہ نائٹ ڈون کی ہوٹی کے پاس آیا اور کہا اے مشہور نائٹ میں سفید چاند کا نائٹ ہوں۔ اور شاید آپ نے میرے کارناموں کے بارے میں سنا بھی ہو۔ میں تم سے لڑنے آیا ہوں تاکہ تم سے اس بات کا اقرار کرواؤں کہ میری محبوبہ تمہاری ڈلسینیا سے زیادہ خوبصورت ہے۔

ڈون کی ہوٹی حیران ہوئے لیکن فوراً تاؤ آگیا اور انھوں نے مقابلہ کی دعوت منظور کرلی۔ لڑائی کا انجام سفید چاند کے نائٹ کی فتح پر ختم ہوا۔ کیونکہ وہ زیادہ پھرتیلا تھا۔ ڈون کی ہوٹی حملہ ہونے سے پہلے ہی ٹھوکر کھاکر گھوڑے سمیت زمین پر گر پڑے۔ سفید چاند کے نائٹ نے ڈون کی ہوٹی کی خود کو اپنے نیزے سے چھوا۔ ڈون کی ہوٹی نے کہا:-
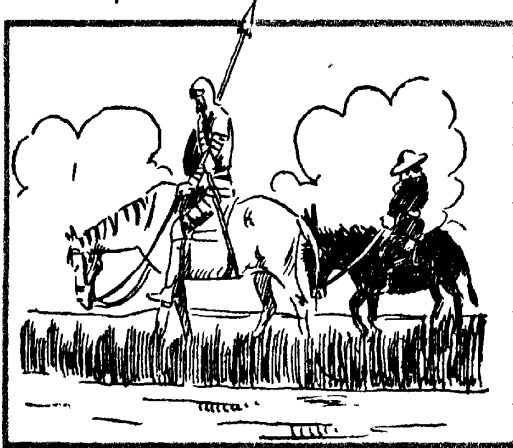
"مجھے مارڈالو۔ شکست کی بے عزتی کے باوجود میں یہی کہونگا کہ لیڈی ڈلسینیا سب سے زیادہ حسین عورت ہے۔"

سفید چاند کے نائٹ نے کہا "میں تمہیں مارنا نہیں چاہتا اور نہ لیڈی ڈلسینیا کے حسن کے متعلق کچھ بحث کرنا چاہتا ہوں۔ تم گھر جاؤ اور ایک سال کے لئے نائٹ بننے سے توبہ کرو۔"

ڈون کی ہوٹی نے جواب دیا کیونکہ اس سزا سے لیڈی ڈلسینیا پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ اسلئے میں سچے نائٹ کی طرح آپکا حکم پورا کرونگا۔"

ڈون کی ہوٹی گھر آتے ہیں

ڈون کی ہوٹی کے گھر واپس آنے کی داستان سنانے سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ سفید چاند کا نائٹ کون تھا۔ وہ سمیسن کراسکو تھا جو مانچا میں رہتا تھا۔ وہ ڈون کی ہوٹی کے گہرے دوستوں میں سے تھا۔ سمیسن اور دوسرے لوگوں کو ڈون کی ہوٹی کے پاگل پن اور اسکی صحت بگڑتی دیکھ کر بہت رحم آیا۔ انھوں نے ڈون کی ہوٹی کو گھر میں بٹھلانے کے لئے یہ نئی ترکیب نکالی تھی۔

ڈون کی ہوٹی فوراً گھر واپس نہیں لوٹے کیونکہ ان کی صحت بہت خراب تھی۔ لیکن جیسے ہی وہ اچھے ہوئے وہ بارسیلونا سے سانچو کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ کئی دن کے سفر کے بعد (صحت کی خرابی کی وجہ سے گھوڑے کی سواری مشکل تھی) وہ اپنے گاؤں پہنچے۔

انکے آنے کی خبر پہلے ہی مشہور ہو چکی تھی۔ گاؤں کے باہر ان کے دوست پادری اور سمیسن ملے۔ وہ دعا میں مشغول تھے۔ انھوں نے بہت خوشی سے انکا استقبال کیا۔ ڈون کی ہوٹی گھوڑے سے اتر کر ان سے بغلگیر ہوئے۔

ڈون کی ہوٹی نے اپنے دوستوں کو بتایا کہ وہ کیوں سال بھر کے لئے واپس آ گئے۔ اور چونکہ وہ اب بہادری کے کام نہیں کر سکتے تھے اسلئے وہ گڈریے بن کر بھیڑوں کی دیکھ بھال کریں گے اور لیڈی ڈلسینا کی تعریف میں گانا گا کر اور اس کا نام درختوں پر کھود کر دن گزاریں گے۔ انکے دوستوں نے اس تجویز کی تعریف کی کیونکہ کھلی ہوا میں رہنا ڈون کی ہوٹی کی صحت کے لئے اچھا تھا۔ لیکن یہ تصور کر کے انھیں ہنسی آئی کہ ایک بوڑھا نائٹ جنگلوں میں عاشقانہ گیت گاتا پھریگا۔

ان کی بھتیجی اور ملازمہ نے گھر میں ان کا استقبال کیا۔ دوسرے دن جب ملازمہ ان کے کمرے میں گئی تو اس نے دیکھا کہ ڈون کی ہوٹی بہت بیمار ہیں۔ کئی دن تک ان کی حالت میں کچھ تبدیلی نہ ہوئی۔ ان کے دوست اور بھتیجی پریشان ہوئے۔ جس دن سے اس کا مالک بیمار ہوا سانچو نے اس کی پٹی نہ چھوڑی۔

انھوں نے ڈاکٹر کو بلایا۔ ڈاکٹر نے اچھی طرح معائنہ کرنے کے بعد مایوسی سے سر ہلایا۔

سب لوگ رونے پیٹنے لگے۔ کیونکہ باوجود پاگل پن کے ڈون کی ہوٹی بہت نیک دل آدمی تھا۔ نائٹ نے سب کو اپنے پاس سے ہٹ جانے کو کہا۔ کیونکہ وہ سونا چاہتا تھا۔ سب لوگ چلے گئے اور وہ چھ گھنٹے تک سویا۔ جب وہ اٹھا تو کہا "اے خدا تیری رحمتوں کا شکریہ جو گنہگار اور بے گناہ سب کے لئے برابر ہیں"۔

بھتیجی نے اسے باتیں کرتے سنا تو اندر آئی۔ اسے دیکھ کر ڈون کی ہوٹی بولے "مجھ پر خدا نے رحم کیا اور میرے دماغ کو روشنی بخشدی ہے۔ نائٹ بننے کے سب خیال اب میرے ذہن سے صاف ہو چکے ہیں۔ یہ سب میری حماقت تھی۔ افسوس ہے بہت دیر میں میری آنکھیں کھلیں۔ میں اب مرنے والا ہوں۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ لوگ مجھے مرنے کے بعد دیوانہ کہیں۔ اسلئے جا کر میرے سب دوستوں کو بلالاؤ تاکہ میں آخری بار ان سے عقل کی باتیں کر سکوں اور وصیت کر جاؤں"۔

بھتیجی، سانچو، اور ملازمہ نے رونا شروع کر دیا۔ کیونکہ ڈون کی ہوٹی جیسا نیک اور رحمدل انسان ہونا مشکل تھا۔

تین دن وہ اور زندہ رہا۔ اور تیسرے دن اس دنیا سے سفر کر گیا۔ یہ ہوا اس عجیب و غریب انسان ڈون کی ہوٹی آف مانچا کا انجام۔ وہ بہت شریف۔ نیک اور عقلمند انسان تھا۔ جو لوگ اس پر ہنستے تھے وہ بھی اسے پسند کرتے تھے۔ وہ اپنی فیاض دلی کی وجہ سے نہ صرف گھر والوں کو بلکہ سب جاننے والوں کو عزیز تھا۔

ختم شد

فراگ مین
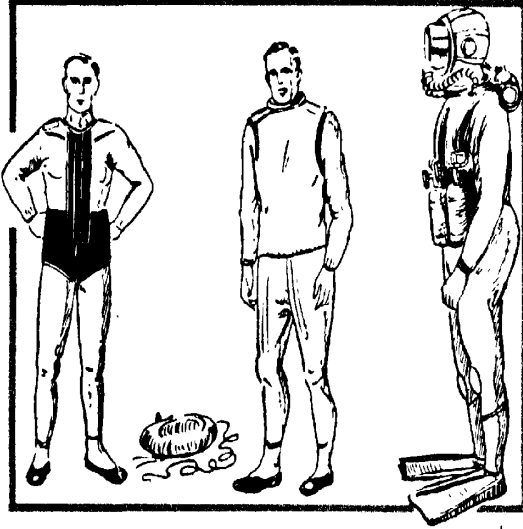
جب آدمیوں کو یہ محسوس ہوا کہ ہمیں جانوروں اور پرندوں کی نقل کرنے سے لڑائی میں مدد ملے گی تو وہ انہی کی نقل کرنے لگے۔ ہم نے کیڑوں سے چھپنا، چڑیوں سے چھاتا بازو فوجیں اتارنا، ہوائی جہاز بنانا اور چلانا سیکھا اور مینڈکوں کے جھلی دار پاؤں دیکھ کر فراگ مینوں کے ربڑ کے پر لگائے۔

یہ تو کہنا مشکل ہے کہ مینڈک اور چڑیاں آدمیوں کو اپنی نقل کرتے دیکھنا پسند کرتی ہیں یا نہیں مگر اتنا ضرور ہے کہ انھیں یہ بات ناپسند بھی نہیں ہے۔ میرے خیال سے انھیں اس پر بڑا فخر ہوگا کہ انسان جسے اپنی عقل پر اس قدر گھمنڈ ہے، اسے ہم سے بھی کچھ نہ کچھ سیکھنا ہی پڑتا ہے۔ انھیں کبھی کبھی ہم پر ہنسی آتی ہوگی۔

تمہیں یاد ہوگا کہ لڑائی کے شروع میں اتحادی فوجوں کو یورپ سے واپس آنا پڑا تھا مگر انگلستان میں اتحادی حاکم دوبارہ یورپ جاکر جرمنی کو ہرانے کی برابر تدبیریں سوچتے رہے۔ لیکن جرمنوں نے "اٹلانٹک دیوار" بنالی تھی تاکہ فوجیں یورپ میں نہ اتر سکیں۔ انھوں نے خشکی پر طرح طرح کے قلعے بنائے یہی نہیں بلکہ سمندر میں بھی بچاؤ کا انتظام کیا تھا مثلاً سرنگیں بچھادیں اور فولاد کی ایسی بڑی بڑی دیواریں کھڑی کردیں کہ اگر کوئی کشتی فوج اتارنے کی کوشش کرے تو ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے۔ اتحادیوں کی کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ نازیوں کی "اٹلانٹک دیوار" کو کیسے توڑا اور فرانس میں اترا جائے۔ مگر برطانیہ کے بحری افسروں نے ہمت نہیں ہاری بلکہ برابر تدبیریں سوچتے رہے۔ اور تجربے کرنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ "فراگ مین" تیار کئے گئے۔ اور انھیں ایسے سازو سامان سے لیس کیا گیا کہ سمندر میں دشمن نے بچاؤ کا جو انتظام کر رکھا تھا سب بیکار ثابت ہوا۔

لینڈنگ کریفٹ آبسٹرکشن یونٹس (فوجیں اتارنے والی رکاوٹیں ہٹانے والے دستے) کا نام فراگ مین (مینڈک جیسے آدمی) رکھا گیا۔ اسلئے کہ وہ پیروں میں ربڑ کے پنکھ استعمال کرتے تھے۔

اب میں تمہیں فراگ مین کا پہناوا بتاتی ہوں۔ یہ ربڑ کا بغیر جوڑ اور سلائی کا سوٹ ہے جو جسم پر چپٹا رہتا ہے۔ یہ آگے بڑھنے کے لئے اوپر سے ذرا سا کھلا ہوا ہوتا ہے۔ اسکے نیچے جراب کی طرح بنا ہوا ایک اور سوٹ پہنا جاتا ہے۔ ساتھ ہی پانی میں دھماکوں سے بچنے کے لئے ایک انچ موٹی جاکٹ بھی ہوتی ہے۔ اسکے بعد مینڈک کے پاؤں کی جھلی جیسے ربڑ کے پنکھ پاؤں پر چڑھالئے جاتے ہیں۔ آخر میں وہ آلہ لگایا جاتا ہے جو پانی کے اندر سانس لینے میں مدد دیتا ہے۔ سر اور چہرہ پر خود پہنا جاتا ہے جس کے سامنے شیشہ لگا ہوتا ہے تاکہ دکھائی دیتا رہے۔

فراگ مینوں کے جتھوں کو ربڑ کی چھوٹی

(باقی صفحہ ۲۳ پر)

کدّو میاں اور سرکس

۳
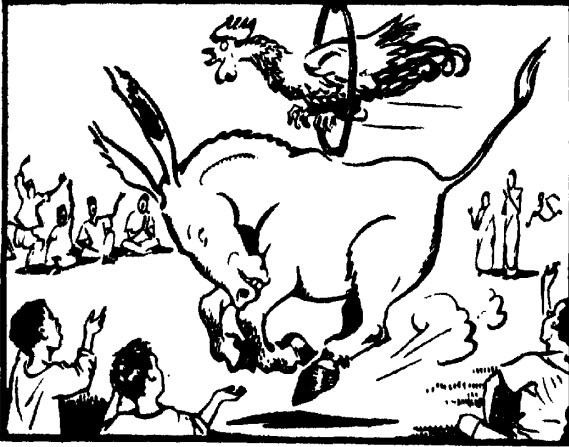
کدّو میاں اور ان کے دوست شانٹے کلیر مرغے سرکس دیکھنے گئے اور انھوں نے بیٹھے کیا کہ خود تماشہ دکھا کر اپنے دوستوں کو بھی خوش کیا جائے ان کے چند کرتبوں کی بہت تعریف ہوئی۔ شانٹے کلیر اس عورت کی نقل کی جو ایک طرار ٹٹو پر کبھی اچک کر بیٹھ جاتی تھی اور کبھی کود پڑتی تھی اور کبھی ٹٹو کی ننگی پیٹھ پر سوار ہو آگ کے گھیرے پھلانگ جاتی تھی۔

دراصل وہ طرار ٹٹو کدّو میاں ہی تھے ؂

کدّو میاں ایک بہت دلچسپ ننھے گدھے ہیں۔ انکے سلیٹی رنگ کے بال ہیں۔ بڑی آنکھیں ہیں اور لمبے لمبے حسین کان ہیں۔ ان کی آواز بھی بہت گرج دار ہے۔ کدّو میاں بہت رحم دل ہیں لیکن اُن میں ایک کمزوری ہے۔ وہ سوچتے بعد میں ہیں اور کام پہلے کرتے ہیں۔ اور تمھیں معلوم ہی ہے یہ طریقہ الٹا ہے ؂

تماشہ کامیاب رہا۔ کدّو اور ان کے دوست پھولے نہ سماتے تھے۔ یکایک کدّو میاں کی نظر میدان میں دو بانسوں سے بندھی ہوئی دھوبی کی الگنی پر پڑی۔ الگنی پر برف جیسی سفید چادریں سوکھ رہی تھیں۔ کدّو کا دل چاہا کہ تنی ہوئی رسّی پر ناچنے والے کی نقل کی جائے۔ ان کا خیال تھا کہ اس حرکت پر اور بھی زیادہ داد ملے گی ؂

لیکن افسوس! ہمارے کدّو میاں ذرا بھاری بھرکم واقع ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ انھیں سرکس کے نٹوں جیسی تعلیم بھی تو نہیں ملی۔ نتیجہ یہ کہ کدّو میاں کی خوب پٹائی ہوئی اور دن بھر کا فاقہ دیا گیا۔

شانٹے کلیر بھی بند کردئے ہیں، اور بہت افسردہ بیٹھے ہیں۔

ــــــ ؂ ــــــ

کل کی باتیں

وہ کیا چیز ہے جو ہمارے انجن، موٹریں ہوائی جہاز، ریڈیو اور ٹیلیفون چلاتی ہے۔ ذرا سوچ کر دیکھو تمہیں معلوم ہوجائے گا۔ یہ سب چیزیں طاقت سے چلتی ہیں۔ طاقت حاصل کرنے کے تین ذرائع ہیں، کوئلہ، تیل اور پانی۔

کچھ عرصہ پہلے لوگ طاقت حاصل کرنے کے لئے ان چیزوں کا استعمال نہ جانتے تھے۔ وہ صرف اپنے ہاتھوں یا پالتو جانوروں کی طاقت استعمال کرسکتے تھے۔ پھر اٹھارویں صدی میں انھوں نے بھاپ کا پتہ لگایا اور بھاپ سے چلنے والے انجن اور جہاز بنائے۔ ایک سو سال بعد معلوم ہوا کہ تیل بھاپ سے زیادہ بہتر اور سستا ہے۔ ہوائی جہاز اور موٹریں ایجاد ہوئیں۔ اب تیل اور بھاپ کا مقابلہ ہونے لگا۔ لیکن انسان اب بھی مطمئن نہ تھا۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ دنیا میں ان دونوں چیزوں کی ایک محدود مقدار ہے۔ اسلئے اسے کسی ایسی چیز کی تلاش ہوئی جس سے غیر محدود قوت حاصل کی جاسکے۔ اور اسکے دماغ میں پانی سے قوت پیدا کرنے کا خیال پیدا ہوا۔

جنہوں نے آبشار دیکھا ہے وہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ پانی جب حرکت میں ہوتا ہے تو اس میں کتنا زور ہوتا ہے۔ اگر پانی زیادہ فاصلے سے گرایا جائے تو زور اور بھی زیادہ ہوجاتا ہے۔ اسی زور سے پاور سٹیشنوں میں برقی قوت پیدا کرلی جاتی ہے۔ اسکا طریقہ نہایت سیدھا سادا ہے۔ گرتے ہوئے پانی کے زور سے رہٹ کی شکل جیسے پہیے چکر کھاتے رہتے ہیں۔ ان پہیوں کا تعلق برقی رو پیدا کرنے والی مشین سے ہوتا ہے۔ اس مشین سے جو بجلی پیدا ہوتی ہے وہ میلوں لمبے تاروں کے ذریعے ادھر ادھر بھیجی جاتی ہے۔

پانی سے بجلی حاصل کرنے کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں پہلی یہ کہ پانی برابر ملتا رہے۔ اور دوسری یہ کہ پانی زور سے گرے۔ یہ دونوں باتیں پہاڑی علاقوں میں آسانی سے مہیا ہوسکتی ہیں۔ اسی وجہ سے بجلی گھر اکثر پہاڑی علاقوں میں بنائے جاتے ہیں۔

پنجاب میں جوگندر نگر کے قریب ایک ایسا ہی بجلی گھر ہے۔ یہاں دریائے اوھل کے برفانی پانی سے بجلی پیدا کی جاتی ہے۔ پانی پہلے تین میل لمبی سرنگ میں سے گذارا جاتا ہے۔ پھر لوہے کے نلوں کے ذریعے اسے ۲۰۰۰ فٹ کی بلندی سے نیچے پھینکا جاتا ہے۔ یہ بجلی گھر پنجاب کے ۱۹ شہروں کو بجلی مہیا کرتا ہے۔ جس میں لاہور اور امرتسر بھی شامل ہیں۔ بارش سے بھی بجلی پیدا کی جاسکتی ہے۔ برسات کے دنوں میں بمبئی کے قریب مغربی گھاٹ پر ۱۰۰ سے ۲۰۰ انچ تک بارش ہوتی ہے۔ بارش کا پانی بڑے بڑے حوضوں میں جمع کرلیا جاتا ہے اور اس سے پہاڑیوں کے دامن میں جو بجلی گھر ہے اسے چلایا جاتا ہے یہ ہندوستان کا سب سے بڑا بجلی گھر ہے۔ بعض جگہ دریاؤں میں بند باندھ کر بجلی پیدا کی جاتی ہے ایسی صورت میں بجلی حاصل کرنے کے بعد پانی آبپاشی کے کام میں استعمال کیا جاتا ہے۔

ہمالیہ کی برف سے ڈھکی ہوئی چوٹیوں اور بڑے بڑے دریاؤں سے امریکہ کے بعد دوسرے نمبر پر بجلی پیدا کی جاسکتی ہے۔ لیکن ان ذرائع کو کام میں لانے کے لحاظ سے ہندوستان یورپ اور امریکہ سے پیچھے ہے۔ ہندوستان میں پانی سے ۴ کروڑ ہارس پاور پیدا ہوسکتی ہے۔ لیکن دراصل ہمارے ہاں صرف ۵ لاکھ ہارس پاور پیدا کی جاتی ہے۔ ہمیں اور ملکوں سے پیچھے نہیں رہنا چاہئے۔ حکومت اپنے ان ذرائع کا پورا فائدہ اٹھانے کے لئے اسکیمیں تیار کررہی ہے۔

ان اسکیموں پر عمل شروع ہونیکے بعد ہر شخص بجلی استعمال کرسکیگا۔ شہروں میں لوگ بجلی کے ذریعے کھانا پکا سکیں گے اور بہت سے کام بھی بجلی کی مدد سے ہوسکیں گے۔ ریل گاڑیاں بجلی سے چلیں گی۔ گاؤں کی حالت بھی اتنی بدل جائیگی کہ پہچاننا مشکل ہوگا۔ کسانوں کے گھر روشن کرنے کے لئے بدبودار مٹی کے تیل کی ضرورت نہ رہیگی اور نہ ہی کھیتوں میں پانی دینے کیلئے آہستہ چلنے والے رہٹوں کی محتاجی ہوگی۔ ریڈیو کے ذریعے کسانوں کو دن بھر کی مشقت کے بعد سینما تفریح کا سامان بہم پہنچائیگا۔ مختصر یہ کہ کل کا ہندوستان

قدرت کی کٹھ پتلیاں

آسٹریلیا کے آرکڈ

(ای۔ کے متھرا)

برسات کے موسم میں بعض پیڑوں کی ٹہنیوں کے اوپر کائی جم کر خوبصورت پھول اُگ آتے ہیں جسکو آرکڈ کہتے ہیں۔ اس طرح کے آرکڈ آسٹریلیا اور ہندوستان کے علاوہ دوسرے ملکوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ ان آرکڈوں کی صورت بڑی انوکھی ہوتی ہے۔ ان میں سے بعض کا رنگ تو بہت گہرا ہوتا ہے اور بعض کا بہت ہی ہلکا۔

آسٹریلیا کے یہ آرکڈ نقل اتارنے میں ساری دنیا میں مشہور ہیں کبھی تو یہ اڑتی ہوئی بطخوں، بھونروں، چڑیوں، تتلیوں، مکڑیوں، مچھروں اور چھپکلیوں کی سی صورت بنالیتے ہیں اور کبھی لوہے کی ٹوپیوں اور چھُروں وغیرہ کی سی۔ ان میں سے اکثر کی صورت اور رنگ اتنا بھلا ہوتا ہے کہ تمہارے ذہن میں فوراً "والٹ ڈسنے" کی چلتی پھرتی تصویریں آسکتی ہیں۔

مغربی آسٹریلیا کے بہت سے حصّوں میں گوند کے پیڑوں کے نیچے یہ آرکڈ نارنجی رنگ کے ہوتے ہیں اور انکی شکل چیتے جیسی ہوتی ہے۔ اگر تم فلمی کہانی کا دھیان باندھے رہو تو اس آرکڈ کو کہانی کا بدمعاش سمجھ سکتے ہو اور اسکا ساتھی بدمعاش مکڑی کی صورت والا آرکڈ ہے جو اپنی لمبی لمبی اور کئی جوڑوں والی ٹانگوں کو خوبصورت پتیوں کے جالے میں چھپا دیتا ہے۔ جس بیچاری کو یہ ستانا چاہتے ہیں وہ ایک خوبصورت جوان لڑکی ہے جو دعا مانگ رہی ہے۔ یہ لڑکی وہ چھوٹی سی آرکڈ ہے جو سفید رنگ کی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے سفید لبادہ اوڑھے ہوئے ہے اور بدمعاشوں کی منت سماجت کر رہی ہے۔ ان ظالموں سے ڈر کر کانپ بھی رہی ہے۔

لیکن پرانے زمانہ کے خوددار بہادروں کی طرح کے جوانمرد بھی لڑکی کو بچانے کے واسطے تیار ہیں۔ اڑتی ہوئی بطخ کی صورت کا آرکڈ ایک موٹا تازہ ہنس مکھ اور مذاقیہ شخص ہے جس کو اور کوئی کام ہی نہیں سوائے اسکے کہ مصیبت میں پھنسی ہوئی حسینہ کو بچائے۔ یہ بہادر لوہے کی ٹوپی والے آرکڈ اور چھرے والے آرکڈ کو پہن کر مکڑا اور چیتے کی سی صورت والے بدمعاشوں سے لڑنے کے لئے آگے بڑھتا ہے۔ اگرچہ یہ دو دشمن اس اکیلے کے بس کے نہیں تو لو اسکا ایک دوست بھی اسکی مدد کے لئے وہیں موجود ہے۔ یہ ایک ہرے رنگ کی چڑیا آرکڈ ہے جسکی چونچ بہت لمبی ہے اور صورت بڑی پیاری۔ لڑائی کے میدان میں اسکا اُڑکر جانا تو بس قیامت ہے۔ لو ہمارا تو سانس رکا جا رہا ہے۔ اس خیال سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ وقت پر مدد کو نہ پہونچ سکے اور بیچاری لڑکی نہ بچ سکے۔ اسی کے ساتھ ساتھ ہماری یہ حالت اسکی بے انتہا خوبصورتی اور اسکے کھلے ہوئے رنگ کی وجہ سے بھی ہو رہی ہے۔

مچھر کی صورت کا آرکڈ ادھر یا ادھر ہوائی حملہ کر سکتا ہے اور گدھے کی صورت کا آرکڈ جسکے کان لمبے اور نرم ہیں اور چہرہ لمبوترا ہے۔ دونوں لڑاکاؤں کو رحم بھری نظروں سے دیکھ رہا ہے اور چاہتا ہے کہ جو حق پر ہو وہی جیتے۔

آسٹریلیا کے یہ آرکڈ زیادہ بڑے نہیں ہوتے۔ مثلاً اڑتی ہوئی بطخ کی صورت کا آرکڈ عام طور پر دُم سے لیکر چونچ کے سرے تک صرف آدھے انچ کا ہوتا ہے۔ زرد یا شربتی رنگ کی نئی نکلے ہوئے آرکڈ پر ہرے یا لال رنگ کی چتیاں ہوتی ہیں۔ یہ اتنے خوبصورت ہوتے ہیں کہ جو بھی انکو غور سے دیکھتا ہو وہی حیرت میں آ جاتا ہے۔

لوہے کی ٹوپی اور ڈھال کی صورت کے آرکڈ چٹانوں پر اگنا پسند کرتے ہیں۔

اب میں سمجھتا ہوں کہ تم سب کا یہ جی چاہنے لگا ہوگا کہ خود اپنی آنکھوں سے ان خوبصورت آرکڈوں کو دیکھنے کے لئے آسٹریلیا چل دو۔ کیوں نہ ہو یہ آرکڈ کیا ہیں چھوٹے چھوٹے ایکٹر اور ایکٹریس ہیں۔ آسٹریلیا نہ جا سکو تو کم سے کم خود ہندوستان میں اُگنے والے آرکڈوں کو تو غور سے دیکھا کرو۔ اگرچہ ہمارے ملک کے آرکڈ ایسے مذاقیہ شکل میں نہیں پائے جاتے ہیں۔ لیکن پھر بھی وہ نہایت ہی دلچسپ اور خوبصورت ہوتے ہیں۔

[رسالہ "نیچر" کے ایک مضمون سے ماخوذ کیا گیا جس کو اسٹیون ہینری اور گیون کیسی نے لکھا۔]

آسٹریلیا کے آرکڈ

اس آرکڈ کو دعا مانگنے والی لڑکی کہتے ہیں ؏

اس کو چیتا آرکڈ کہتے ہیں ؏

یہ مکڑی آرکڈ کے نام سے مشہور ہے ؏
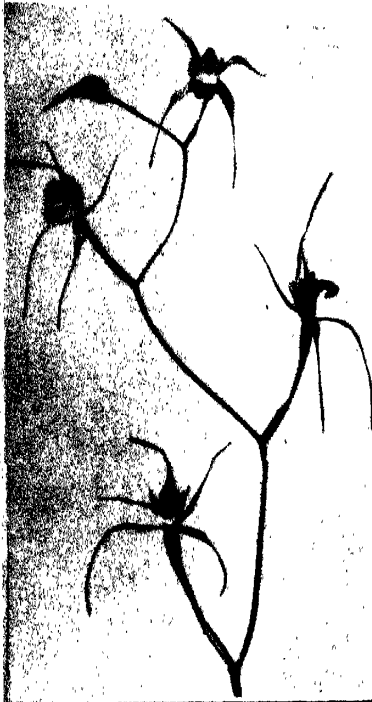
یہ آرکڈ اُڑتی ہوئی بطخوں کی نقل ہیں ؏

صوبہ سرحد

پشاور کے اس خوشنما برتنوں کے بازار سے جو ضرور ہوتے جائیے
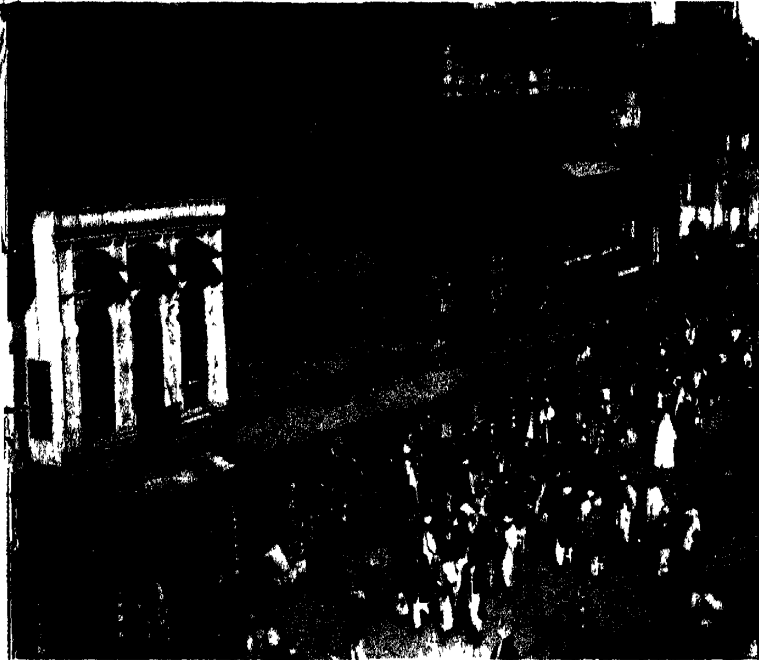
وبہ سرحد جو ہندوستان کے شمال مغرب میں واقع
ہے ہندوستان کو افغانستان سے ملاتا ہے۔
ر مشہور درۂ خیبر ان دونوں ممالک میں باہمی
تعلقات قائم رکھنے میں مدد دیتا ہے۔ صوبہ
رحد پہاڑی اور اجاڑ ملک ہے جس کی وجہ
وہاں کے باشندے کاشتکاری نہیں
رسکتے۔ وہ خانہ بدوش اور جنگجو ہوتے ہیں۔
س کی وجہ سے ان کے گھروں میں مورچے
نے ہوتے ہیں۔ وہاں کا موسم گرمیوں میں گرم
ور سردیوں میں بہت سرد ہوتا ہے۔

پشاور دارالخلافہ ہے۔ اس کے
زار خوبصورت ایرانی قالین۔ افغانی فر
شاوری چپل اور وسطی ایشیا کی قیمتی اشیاء
سے آراستہ پیراستہ ہیں۔

اس صوبہ میں مسلمانوں کی اکثریت ہے اور
پشتو ان کی زبان ہے ۔

یہ پٹھانوں کا جرگہ کس قدر خاموشی سے تقریر سن رہا ہے

"اے کاروان نظر آیا"
ونٹوں کا قافلہ سامان لئے پتھریلی
ڈیوں پر راستہ طے کر رہا ہے۔

پشاور کی ایک تنگ گلی جس میں پٹھان اور غیر پٹھان ایک جگہ پائے جاتے ہیں۔ چوک کی مسجد نظر آ رہی ہے

درۂ خیبر کا ایک منظر جو بیس میل لمبا ہے اور انگریزی قلعوں کے زیر سایہ ہے

یہ چھوٹا سا قلعہ نما گاؤں صوبہ سرحد کے گاؤں کا ایک نمونہ ہے۔ دیواریں مٹی کی ہیں اور قرب و جوار میں پہاڑ ہیں
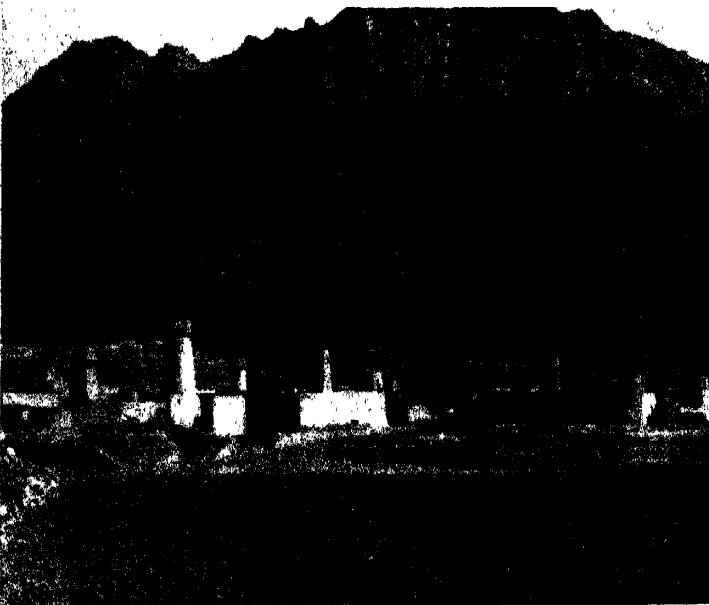
بندوق کا استعمال ایک پٹھان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ چھڑی پکڑنے سے تو یقیناً آسان ہے۔

فائرمین

آگ لگنے کی اطلاع ملتے ہی فائرمین خطرے کی گھنٹی بجاتا ہے۔ گھنٹی کی آواز سنتے ہی
——— سارے فائرمین کام کے لئے تیار ہو جاتے ہیں ———

چند منٹ کے اندر ہی اندر وہ انجن پر سوار ہو کر روانہ ہو جاتے ہیں:

[illegible]

فائرمین آگ کو چاروں طرف سے پانی کے فواروں سے دبائے رکھتے ہیں:

[illegible] یا بیہوش ہو گئے ہوں انکو سیڑھی کے
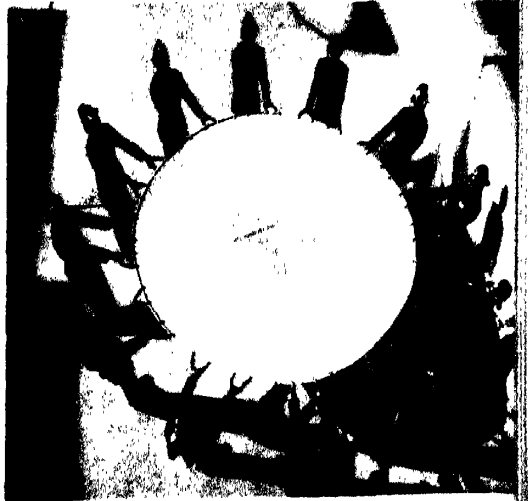
ہماری خدمت کرنیوالے

فائرمین

آگ بہت کارآمد چیز ہے۔ یہ کھانا پکانے کے کام آتی ہے۔ گرمی پہونچاتی ہے اور کارخانوں اور ریلوں کے لئے بھاپ بناتی ہے۔ یہ انسان کے بہترین خادموں میں سے ہے اور بیشمار فائدے پہونچاتی ہے۔ لیکن اگر اس سے ٹھیک طرح کام نہ لیا جائے تو یہ خادم بہت ہی تباہ کن اور خوفناک دشمن ہوجاتا ہے۔

ہمارے گھروں میں ایسی چیزوں کی کمی نہیں جن میں آسانی سے آگ لگ سکتی ہے۔ ذراسی لاپرواہی سے گھر آگ کے شعلوں میں گھر سکتا ہے۔ اور شعلے ایک دفعہ بلند ہوجائیں تو ان پر قابو پانا بہت مشکل ہوجاتا ہے۔

آگ سے بچنے کے لئے ہر ممکن احتیاط برتنے کے باوجود کبھی کبھی حادثے پیش آہی جاتے ہیں۔ اکثر سننے میں آتا ہے کہ خطرناک آگ کی وجہ سے جان و مال کا نقصان ہوا۔ لہٰذا ہر بڑے شہر میں آگ سے لڑنے کے لئے ایک گروہ کا رکھنا بہت ضروری ہے۔ اس گروہ کو فائر بریگیڈ کہتے ہیں۔

فائر بریگیڈ کے سپاہیوں کے لئے غیر معمولی ہمت اور چستی ضروری ہے۔ ہر روز وہ دوسروں کو بچانے کے لئے اپنی جان کو خطرے میں ڈالتے ہیں۔ وہ صحیح معنوں میں ہیرو ہیں۔ اسی لئے فائر بریگیڈ کے آدمیوں کا چناؤ بہت سمجھ بوجھ کے کیا جاتا ہے۔ ہر فائرمین کو مضبوط، تندرست، تربیت یافتہ بدن کا مالک ہونا چاہئے۔ اس میں غیر معمولی جسمانی طاقت ہونی چاہئے اور اسے اچھلنے کودنے اور لٹکنے کے مشکل کرتب میں ماہر ہونا چاہئے۔ ان لوگوں کو جس قسم کے خطرے سے دوچار ہونا پڑتا ہے اس کے لئے لازمی ہے کہ ان کے اعصاب بہت مضبوط ہوں۔ اسی لئے فائرمینوں کے آخری انتخاب سے پہلے ان کے اعصاب کا بخوبی معائنہ کیا جاتا ہے۔

انتخاب کے بعد فائرمین عملی ٹریننگ حاصل کرتے ہیں۔ ان کو مل جل کر کام کرنا سکھایا جاتا ہے۔ یہ ضروری ہے کہ پوری ٹیم ہم آہنگی اور میل جول کے ساتھ کام کرے۔ فائرمین کو بہت سی ٹیکنیکل باتیں بھی سیکھنی پڑتی ہیں۔ مختلف قسم کی آگوں کو مختلف طریقوں سے قابو میں کیا جاتا ہے۔ اسی طرح مختلف طرح کی عمارتیں مختلف انداز میں سنبھالی جاتی ہیں۔

اب ہم مختصر طور پر تمہیں بتائیں گے کہ فائر بریگیڈ کس طرح کام کرتا ہے۔ جو فائرمین ڈیوٹی پر ہوتے ہیں وہ ہمیشہ چوکس رہتے ہیں۔ انکی وردی اور موٹریں وغیرہ اس طرح تیار رہتی ہیں کہ وہ آگ بجھانے کے لئے ذرہ بھر دیر کئے بغیر جاسکتے ہیں۔ آگ کے سٹیشن پر آگ لگنے کی اطلاع ملتے ہی ایک شخص ایک بٹن دباتا ہے جس سے خطرے کی گھنٹی بجنے لگتی ہے۔ گھنٹی کی آواز سنتے ہی سارے فائرمین انجن کی طرف لپکتے ہیں۔ ڈرائیور وہ جگہ دریافت کرتا ہے جہاں آگ لگی ہے اور آن کی آن میں وہ ہوا ہوجاتے ہیں۔ موٹر پر بھی ہر وقت خطرے کی گھنٹی بجتی رہتی ہے۔ تاکہ سڑک کی دوسری سواریاں فائر انجن کے لئے راستہ خالی کردیں اور اسے اپنی شاندار مہم پر جانے دیں۔ اچھے اچھے سٹیشنوں پر کئی کئی انجن ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض پر پانی کی ٹنکیاں ہوتی ہیں۔ بعضوں کو کہیں آس پاس سے پانی حاصل کرنا پڑتا ہے۔ ان میں لمبے لمبے ربڑ کے پائپ لگے ہوتے ہیں بعض موٹروں میں بڑی اونچی اونچی سیڑھیاں لگی ہوتی ہیں۔ منزل مقصود پر پہونچتے ہی، ایک سیکنڈ ضائع کئے بغیر فائرمین کام شروع کردیتے ہیں۔ کچھ پائپ کھولتے ہیں اور اسے پانی سے فٹ کرکے آگ بجھانا شروع کردیتے ہیں۔ بعض لوگ آدمیوں کی جان بچانے کا کام کرتے ہیں۔ ان لوگوں کا کام آسان نہیں ہوتا۔ وہ دوسروں کی جان بچانے کے لئے شعلوں سے گھری ہوئی عمارتوں میں جاتے ہیں اور اس کام میں کبھی کبھی اپنی جان قربان کردیتے ہیں۔ انھیں خطرناک بلندیوں پر چڑھنا پڑتا ہے۔ اکثر انھیں صرف ایک رسّی کی مدد سے اور کبھی کبھی بغیر کسی مدد کے اترنا پڑتا ہے۔ فائرمین جب تک آگ پر پورا قابو نہیں پالیتے اور خطرے میں گھرے ہوئے تمام لوگوں کی جان نہیں بچالیتے، اسوقت تک اپنی شاندار جنگ جاری رکھتے ہیں جب وہ کسی مہم سے لوٹتے ہیں تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انھیں اپنے یا اپنے ساتھیوں کے زخموں کی دیکھ بھال کرنی پڑتی ہے۔ کبھی کبھی کوئی سورما اپنی جان تک قربان کردیتا ہے۔

فائرمین کی تنخواہ زیادہ نہیں ہوتی۔ لیکن انھیں اپنے کام میں جو لطف اور آسودگی ملتی ہے وہ انکا بہترین انعام ہے۔ وہ اپنی زندگی کو خطرے میں ڈالکر ہماری حفاظت کرتے ہیں۔ چنانچہ ہمارا فرض ہے کہ ہم انکی عزت کریں اور انسانیت کے ایک زبردست دشمن سے جنگ کرنے کیلئے انکی بہادرانہ کوششوں میں انکا ہاتھ بٹائیں ●
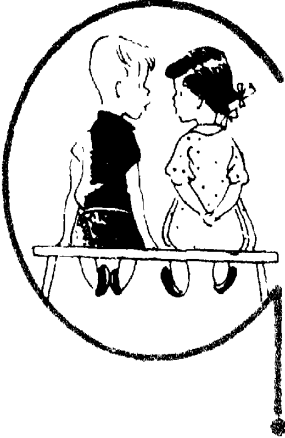
چلتی گاڑی سے اُترنے کے بعد دوڑنا کیوں ضروری ہے؟

تم جانتے ہو کہ جب کوئی آدمی چلتی گاڑی سے اترتا ہے تو اسے ناک کے بل گرنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ گاڑی سے اترتے وقت انسان کا جسم ہلتا ہوتا ہے۔ لیکن جب پیر پلیٹ فارم پر ٹک جاتے ہیں تو ان کی حرکت رک جاتی ہے۔ چونکہ بقیہ جسم ہلتا رہتا ہے اور پیر رک جاتے ہیں۔ اس لئے اگر وہ اترتے ہی فوراً دوڑنا نہ شروع کرے تو وہ منہ کے بل گرے گا۔ دوڑنے سے بقیہ جسم کے ساتھ پیر بھی آگے بڑھتے رہتے ہیں۔

بعض مرد نقاب پہنتے ہیں؟

افریقہ کے صحرائے اعظم کے وسط میں توارگ قبیلے کے مرد نقاب پہنتے ہیں اور ان کی عورتیں بے نقاب رہتی ہیں۔ یہ لوگ سخت جان اور نڈر سپاہی ہوتے ہیں۔ ان کی نقاب رنگین کپڑے کی ایک ایک انچ چوڑی چھ پٹیوں کو سی کر تیار کی جاتی ہے اور اس طرح پہنی جاتی ہے کہ آنکھوں کے علاوہ چہرے کا کوئی حصہ نظر نہیں آتا۔

افلاطون کے پاس الارم گھڑی تھی؟

آج سے دو ہزار سال قبل مشہور یونانی فلسفی، افلاطون کے پاس ایک الارم گھڑی تھی جسے وہ اپنے شاگردوں کو بلانے کے لئے صبح چار بجے بجایا کرتا تھا۔ اس نے پانی کی ایک گھڑی میں ایک مڑی ہوئی نلکی لگا دی تھی جب پانی نلکی کے اوپری سرے کے برابر آتا تھا تو وہ اچانک اس میں ہو کر نیچے لگے ہوئے ایک دوسرے برتن میں چلا جاتا تھا۔ پانی کا یہ بہاؤ اس قدر تیز ہوتا تھا کہ نلکی کے اندر کی ہوا دب کر ایک دوسری نلکی سے نکلتے ہوئے ایک تیز سیٹی کی آواز پیدا کرتی تھی۔ اس الارم کو وقت سے چھ گھنٹے پہلے لگانا پڑتا تھا۔

سب سے لمبی دُم کس جانور کی ہوتی ہے؟

تیندوے کی نسل سے بلی کی طرح کا ایک جانور ہوتا ہے جسے "کلاؤڈڈ چیتا" کہتے ہیں۔ اس کی دُم اپنے جسم سے بھی لمبی اور تمام جانوروں کی دُم سے زیادہ لمبی اور خوبصورت ہوتی ہے۔ یہ جانور کسی کو نقصان نہیں پہونچاتا۔ اسکا گذارہ گوشت پر ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ عام طور پر آبادی کے قریب رہتا ہے لیکن کبھی ایسا نہیں سنا گیا کہ اس نے کسی بچے کو نقصان پہونچایا ہو۔

بعض پتنگے اپنی مادہ کی خوشبو کی طرف کھنچتے ہیں؟

تجربوں سے پتہ چلا ہے کہ پتنگوں میں ایک نسل ایسی ہے جو صرف خوشبو سے اپنی مادہ کا پتہ چلا لیتی ہے خواہ وہ میل بھر سے زیادہ فاصلے پر ہی کیوں نہ ہو جس جگہ یہ پتنگے رہتے تھے وہاں سے تقریباً ڈیڑھ میل کے فاصلے پر ان کی مادائیں لے جائی گئیں۔ جب تک انھیں بند مرتبان میں رکھا گیا اس وقت تک تو نہیں لیکن جیسے ہی مرتبان کھلنے سے انکی خوشبو باہر نکلی درجنوں پتنگے آن دھمکے۔ انسان اگرچہ پھولوں کی خوشبو سونگھ سکتا ہے لیکن پتنگوں کی اس خوشبو کو محسوس نہیں کر سکتا۔

اینڈروکلیز اور شیر

اینڈروکلیز ایک رومن غلام تھا۔ ایک مرتبہ اس نے اپنے مالک کو ناخوش کر دیا۔ سزا کے خوف اور جان بچانے کی خاطر اس نے بھاگ کر افریقہ کے جنگلوں میں پناہ لی۔ ایک دن وہ کھانے کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا تھا کہ اس نے کراہنے کی آواز سنی۔ اینڈروکلیز بہت نرم دل تھا۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھنا شروع کیا کہ شاید وہ کچھ مدد کرسکے۔ تلاش کرتے کرتے اسکی نظر ایک شیر پر پڑی جو جھاڑیوں کے پیچھے بیٹھا تھا۔ وہ ڈر کر پیچھے ہٹا۔ لیکن پھر اسنے دیکھا کہ شیر تکلیف میں ہے۔ اس کا پنجہ پک رہا تھا۔ پنجے میں کانٹا چبھ گیا تھا اور اب وہ سوج کر بے حد تکلیف دے رہا تھا۔ بیچارہ شیر اپنا بھاری سر ہلا ہلا کر درد سے کراہ رہا تھا۔ خوف کے مارے تھرتھراتا لیکن دل کڑا کر کے اینڈروکلیز شیر کے قریب گیا اور آہستگی سے اس کا پنجہ ہاتھ میں لے کر کانٹا نکال دیا۔ پھر زخم میں سے مواد نکال کر پٹی باندھ دی۔ شیر نے اطمینان کا ایک لمبا سانس لیا اور اینڈروکلیز کا ہاتھ چاٹنے لگا۔

جب غلام دوبارہ کھانے کی تلاش میں اٹھ کر چلنے لگا تو شیر بھی تین ٹانگوں سے لنگڑاتا ہوا اسکے پیچھے ہولیا۔ رات کو وہ ایک ہی جگہ سوئے۔ صبح کو اینڈروکلیز یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ شیر نے ایک چھوٹا سا خرگوش مار کر اسکے پاس لا رکھا ہے۔ تین مہینے تک اینڈروکلیز اور شیر ایک غار میں اکٹھے رہے۔ شیر دن بھر سویا کرتا اور رات کو شکار مار کر لاتا تھا۔ صبح اٹھ کر اینڈروکلیز اس گوشت کو اپنے کھانے کے لئے تیار کرلیتا تھا۔ ایک مرتبہ شام کے وقت شیر شکار کی تلاش میں نکلا۔ اسکی غیر موجودگی میں چند شکاری آئے اور اینڈروکلیز کو گرفتار کر کے روم واپس لے گئے۔ اور یہاں لاکر اسے قید خانے میں ڈال دیا۔

ایک دن اینڈروکلیز کو پتہ چلا کہ اسے روم کے بڑے تھیٹر میں شیر سے کشتی لڑنی ہوگی اور اس وحشیانہ کھیل کو دیکھنے کے لئے

شہنشاہ، درباری اور تماشائیوں کا ایک بڑا ہجوم جمع ہوگا۔ چند روز پہلے افریقہ سے ایک بہت بڑا شیر لایا گیا تھا اور لوگ کہہ رہے تھے تماشہ نہایت عمدہ ہوگا۔

اجڈ سپاہیوں نے اینڈروکلیز کو غار سے باہر نکالا اور دھکا دے کر اکھاڑے کے اندر کر دیا۔ اینڈروکلیز کو معلوم تھا کہ دوسرے دروازے سے ایک خونخوار بھوکا شیر اس پر آکر جھپٹے گا۔ وہ گھٹنے ٹیک کر زمین پر بیٹھ گیا اور دعا مانگی کہ جلد اس عذاب سے اسکا چھٹکارا ہو جائے۔ چمپئی رنگ کی ایال اور غصے سے ہلتی ہوئی دم کی ایک جھلک کے ساتھ اس نے ایک دل دہلانے والی چنگھاڑ سنی۔ شیر نے منہ پھاڑا۔ اور اینڈروکلیز نے سر بچانے کے لئے ہاتھ اونچے کئے لیکن یہ کیا؟؟ شیر دہاڑتے دہاڑتے بلی کی طرح خرخر کرنے لگا۔ وہ تو اینڈروکلیز کے ہاتھ چاٹ رہا ہے۔ یہ تو اس کا پرانا دوست ہے۔ شیر فاقے سے تھا لیکن اپنے محسن کو دیکھکر وہ سب کچھ بھول گیا۔

شہنشاہ نے حکم دیا کہ شیر کے اس عجیب وغریب رویّہ کی وجہ معلوم کی جائے۔ جب اس نے پورا قصہ سنا تو اینڈروکلیز اور شیر کو چھوڑ دیا۔ اینڈروکلیز اپنے مہربان دوست کو واپس جنگل میں لے گیا اور آزاد کر دیا۔

اعلان ———

بچوں کا بک کلب

اور

"آؤ تصویر بنائیں" کا انعامی مقابلہ

چودہ سال سے کم عمر کے تمام لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے

آج ہی ممبر ہو جاؤ

پیارے بچو!

تھیکرز تمہیں یہ خوشخبری سناتے ہیں کہ انھوں نے بچوں کے لئے "ایک بک کلب" قائم کیا ہے۔ اس ملک میں بچوں کی کتابیں چھاپنے والی کمپنیوں میں تھیکرز سب سے پہلی اور سب سے بڑی ہے۔ بچوں کے لئے ان کی چھاپی ہوئی خوبصورت تصویروں والی "ڈمپی سیریز" اور "ٹائنی ٹوٹس لائبریری" کی کتابیں لاکھوں کی تعداد میں بک چکی ہیں۔ اور اب تو یہ نام گھر گھر عام ہیں۔ تھیکرز نے یہ بک کلب اسلئے قائم کیا ہے کہ ان کی چھاپی ہوئی کتابیں زیادہ سے زیادہ بچوں کے پاس پہونچ سکیں اور اتنی سستی ہوں کہ بچے اپنے جیب خرچ سے انھیں خرید سکیں۔ ابھی یہ کتابیں انگریزی میں ہیں لیکن اس سلسلے کو ہندوستان کی بڑی بڑی زبانوں میں شروع کرنے کی تیاریاں جاری ہیں۔

اس کلب کی ممبری کے قاعدے یہ ہیں:

(۱) ہر لڑکا اور لڑکی چاہے وہ کسی ذات پات کا ہو اسکا ممبر ہو سکتا ہے بشرطیکہ اس کی عمر چودہ سال سے زیادہ نہ ہو۔

(۲) فیس داخلہ ایک روپیہ اور ماہانہ چندہ چار آنے ہے۔

(۳) ممبر ہونیکے لئے نیچے دیا ہوا فارم داخلہ کاٹ کر اپنے والد یا سرپرست سے بھرا لو۔ یہ فارم ایک روپیہ چار آنے کے ٹکٹوں کے ساتھ تھیکرز کے پاس بھیجدو بہت جلد تمہیں ممبری کا کارڈ مل جائیگا۔

(۴) اس رسالے اور "چلڈرنز بک کیٹلاگ" (آج ہی خط لکھ کر اسکی ایک کاپی منگا لو) میں وقتاً فوقتاً بچوں کی کتابوں کے سلسلوں کا اعلان ہوتا رہیگا۔ ہر وہ ممبر جو ان میں سے کسی سلسلے کی کم از کم چار کتابیں خریدے گا اسے اسی سلسلے کی پانچویں کتاب مفت دی جائیگی۔

(۵) اس کے علاوہ بچوں کے بک کلب کا ہر ممبر تھیکرز کے چلائے ہوئے مقابلوں میں بغیر فیس داخلہ کے شریک ہو سکے گا۔ ان مقابلوں میں جیتنے والوں کو انعام میں معقول رقمیں یا کتابیں بھیجی جائیں گی۔

اس دفعہ تھیکرز "آؤ تصویر بنائیں — مقابلہ نمبر ۱" کا اعلان کرتے ہیں۔ اس مقابلے کے لئے تھیکرز کے پاس ڈرائنگ کی خوبصورت کتابیں ہیں۔ اس سلسلے کی ہر کتاب میں پھولوں یا تتلیوں یا چڑیوں یا جانوروں کی تصویریں یا خوبصورت ڈیزائن ہیں۔ بچے پنسل یا واٹر کلر سے ان تصویروں میں قدرتی رنگ بھر سکتے ہیں۔ مقابلے میں دو گروپ ہوں گے۔ ایک دس سال کی عمر تک کے بچوں کا اور دوسرا دس سال سے لے کر چودہ سال تک کی عمر کے بچوں کا۔ استاد یا والدین کی تصدیق پر کہ یہ ڈرائنگ خود بچوں کی بنائی ہوئی ہے، پنسل یا واٹر کلر کی بہترین تصویروں پر انعام دیا جائے گا۔ انعامات یہ ہیں:

پہلے گروپ کے بچے، دس سال کی عمر تک کے

پہلا انعام — پچیس روپے۔ دوسرا انعام — پندرہ روپے۔ دو تسلی کے انعامات — دس دس روپے کے

دوسرے گروپ کے بچے، دس سال سے چودہ سال کی عمر تک کے

پہلا انعام — پچیس روپے۔ دوسرا انعام — پندرہ روپے۔ دو تسلی کے انعامات — دس دس روپے کے

انعامات میں روپے یا تمہاری پسند کے مطابق تھیکرز کی چھاپی ہوئی بچوں کی کتابیں دی جائیں گی۔

اس مقابلے میں شریک ہونے کا طریقہ

(۱) پہلے فیس داخلہ اور پہلے مہینے کی فیس ممبری کے لئے ایک روپیہ چار آنے کے ٹکٹ اور فارم داخلہ بھر کے بھیجکر بچوں کے بک کلب کے ممبر ہو جاؤ۔ اسکے بعد تمہیں ہر مہینے ممبری کی فیس چار آنے بھیجنی پڑیگی۔ یہ رقم چاہے ہر مہینے بھیجو چاہے چھ مہینے یا ایک سال کے لئے اکٹھا بھیج دو۔

(۲) ممبر ہونیکے بعد اگر تمہاری عمر دس سال سے کم ہے تو لٹس ڈرا (آؤ تصویر بنائیں) نمبر ۶ اور اگر تمہاری عمر دس اور چودہ کے درمیان ہے تو لٹس ڈرا (آؤ تصویر بنائیں) نمبر ۳ خرید و۔ ہر کتاب کی قیمت ایک روپیہ چودہ آنے ہے اور یہ ہر کتب فروش سے یا براہ راست تھیکرز سے مل سکتی ہے۔

(۳) کتاب کی تصویروں میں سے اپنی پسند کے مطابق کوئی دو چن لو۔ اور ان میں پنسل یا واٹر کلر سے رنگ بھرو۔ اپنے والد یا ہیڈ ماسٹر سے تصدیق کرا لو کہ یہ رنگ تمہیں نے بھرا ہے۔ تصویروں کے صفحوں کو احتیاط سے پھاڑ کر بذریعہ رجسٹری ہمارے پاس بھیجدو۔ ساتھ ہی اپنا پورا نام اور ممبری کا نمبر بھی لکھ دو۔ لفافے پر "بچوں کا بک کلب" لکھ دو۔

(۴) مقابلے کی تصویریں وصول ہونے کی آخری تاریخ ۲۸ فروری ۱۹۴۶ء ہے اور نتیجے اپریل ۱۹۴۶ء میں شائع کئے جائیں گے۔

(۵) انعامات دینے میں ہمارا فیصلہ قطعی ہوگا۔ اس سلسلے میں کسی خط و کتابت کی اجازت نہ ہوگی۔

(۶) اگر تمہیں انعام ملگیا تو تم اسے نقد یا بچوں کی کتابوں کی صورت میں منگا سکتے ہو۔

(۷) آئندہ اور بھی مقابلے ہوں گے۔

آج ہی ممبر ہو جاؤ

(یہاں سے کاٹو) ....

فارم ممبری

بچوں کا بک کلب

(روشنائی سے صاف صاف اور خوشخط لکھو)

میں کلب کا ممبر ہونا چاہتا ہوں اور کلب کے قاعدوں پر عمل کروں گا۔ فیس داخلہ اور فیس ممبری کے لئے مبلغ ——— ٹکٹوں کی صورت میں ارسال ہیں۔

(برائے مہربانی مجھے لٹس ڈرا نمبر ——— بھی بھیجدیجئے جس کے لئے مبلغ ایک روپیہ چودہ آنے ارسال ہیں ——— اگر ضرورت نہ ہو تو یہ لائن کاٹ دیجئے)

نام ——————— لڑکا یا لڑکی ——————— عمر ———————

ضِدّی ننھا

پہلے سے تم کو روکا تھا اور باجی نے بھی ٹوکا تھا
ننھے اس بھاری پتّھر سے مت توڑو اخروٹ
دیکھا لگ گئی ہاتھ پہ چوٹ

جیبوں میں اخروٹ چھپا کر چپکے چپکے باہر جا کر
بیٹھے تھے تم باغ کے اندر پیڑ کی لے کر اوٹ
دیکھا لگ گئی ہاتھ پہ چوٹ

زخمی ہے اب ہاتھ تمہارا بہہ نکلا ہے خون کا دھارا
خوب سزا پائی ہے تم نے رکھ کر دل میں کھوٹ
دیکھا لگ گئی ہاتھ پہ چوٹ

اب ناحق دیتے ہو دہائی خود جا کر لے آؤ دوائی
پہن لو اپنی اودی نیکر اور بسنتی کوٹ
دیکھا لگ گئی ہاتھ پہ چوٹ

رفیق احمد خاں

بھانجوں اور بھانجیوں کے نام

تمہارے خطوں کا شکریہ۔ مجھے واقعی یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ تم لوگوں کو سالنامہ اور اس کا سرورق پسند آیا۔ تم میں سے چند جو ابھی رسالے کے خریدار بنے ہیں خفیہ پیغام نہیں پڑھ سکتے۔ وہ اگر پیغام سمجھنا چاہتے ہوں تو ایک لفافہ پر ٹکٹ لگا کر اور اپنا پتہ صاف اور خوشخط لکھ کر مجھے بھیجدیں وہ بھانجے بھانجیاں جو رنگ بھرنے کے شوقین ہیں صفحہ ۱۷ کا اشتہار پڑھیں فقط

تمہاری خالہ
مسرت
ل ر د بلس 166 ا د ل

خفیہ پیغام

پن تراقہ میب ثرگ نا بذق وہ بہند
پنو بذی گئی جہص یہم قب تیغ بم گبیّ ؛

تصحیح

نومبر کے نونہال میں صفحہ ۳۵ پر آٹھویں سطر میں پانچ کی بجائے نو چھپ گیا ہے تصحیح فرمالیں۔

(ایڈیٹر)

بتاؤ تو میں کون ہوں؟

میں چار حرف سے مل کر بنی ہوں۔ بہت سے لوگ مجھے استعمال کرتے ہیں۔ اور عقلمند بنتے ہیں۔ اور سنبھال کر رکھتے ہیں۔

۱۔ میرا پہلا حرف اکبر میں ہے —— بابر میں نہیں۔

۲۔ میرا دوسرا حرف تیتر میں ہے —— بٹیر میں نہیں۔

۳۔ میرا تیسرا حرف ماں میں ہے —— لڑکی میں نہیں۔

۴۔ میرا چوتھا حرف نب میں ہے —— دوات میں نہیں۔

جواب:- "کتاب"

احمد حسین۔ علیگڈھ

پھلوں کے نام ڈھونڈو

بچو! نیچے لکھے ہوئے ہر فقرے میں کسی پھل کا نام چھپا ہوا ہے۔ تلاش کرو۔

(۱) میرے نانا روئی کا کارخانہ کھولنے کی فکر میں ہیں۔

(۲) ہم نے آج آم نہیں کھائے۔

(۳) اس نے سب سے اچھا کام کیلا ہے۔

(۴) ہم نے سب مال ٹاٹا کمپنی سے خریدا تھا۔

(۵) امرود لیپ دونوں بھائی بھائی ہیں۔

سیّد مشکور عظیم۔ انبیٹھہ

[illegible]

پہیلیاں

(۱)

ہری رکابی، کھانے سات —— لے لو لوگو ہاتوں ہات

(۲)

کالے پہاڑ پہ چادر سوکھے —— نہ پوچھو ہم تم سے روٹھے

(۳)

تیر چو بیس اور چار کمان —— بوجھ پہیلی۔ بن شیطان

(۴)

سارے تن پہ پیبے موتی اسر پہ کالے بال —— سر سے لیکر پاؤں تک ہی ایک سنہری شال

(۵)

سفید بوتل ہری ڈاٹ —— کھاؤں تجھکو کاٹ کاٹ

منیر الدین احمد طاہر قادیان

ایک دوکاندار چھت سے گر کر مر گیا لوگ رونے لگے۔ اتنے میں اس کا بھائی بھی آگیا اور بہت رو دیا۔ اور میت کو دیکھ کر کہنے لگا۔ خدا کا شکر ہے بازو نہیں ٹوٹا۔ ورنہ ساری عمر کے لئے بیکار ہو جاتا۔

باقر علیخاں۔ لدھیانہ

ایک گاؤں میں ایک بھٹیاری رہتی تھی، ایک دفعہ اس گاؤں کے لوگوں سے اس کا جھگڑا ہوگیا اور گاؤں کے لوگوں نے اسے دوسرے گاؤں جانے پر مجبور کر دیا جب بھٹیاری چلنے لگی تو اس نے اپنے مرغ کو بغل میں داب کر کہا:" لو کمبختو! میں تو مرغ کو لئے جاتی ہوں نہ مرغ اذان دے گا اور نہ تمہارے گاؤں میں صبح ہوگی۔

عفت تنویر

عجیب و غریب مچھلیاں

یوں تو سمندر میں لاکھوں قسم کے عجیب و غریب جانور پائے جاتے ہیں۔ لیکن انسان کو ان سب مچھلیوں کے متعلق واقفیت ہے۔ آج میں نونہالوں کو چند عجیب مچھلیوں کا حال سناتا ہوں۔

ناروے کے سمندروں میں جیلی نامی ایک مچھلی پائی جاتی ہے۔ اس کی کھال میں کانٹے کی شکل کا ایک نہایت تیز ہتھیار چھپا ہوتا ہے۔ جس میں زہر بھرا ہوتا ہے۔ اس ہتھیار سے وہ اپنے دشمن کو خطرناک زخم پہنچا سکتی ہے۔ اس مچھلی کے ہلاک کرنے کے لئے ماہی گیروں کو کئی جتن کرنے پڑتے ہیں۔ نیزے مار مار کر اسے زخمی کیا جاتا ہے۔ تب کہیں جا کر اس کی جان نکلتی ہے۔ ایسی مچھلیاں دو فٹ سے لے کر دس فٹ تک لمبی ہوتی ہیں۔ اور اپنے زہریلے ہتھیار کی مدد سے کئی چھوٹی موٹی چیزوں کا آسانی سے شکار کر لیتی ہیں۔ حملہ کرتے وقت یہ اپنے خطرناک کانٹوں کو جو ان کے جسم میں چھپے ہوتے ہیں۔ نہایت تیزی سے باہر نکال لیتی ہیں۔ چند ایک مچھلیوں کی دُم میں سخت زہریلی ہڈیوں کا ایک جال سا بنا ہوتا ہے۔ اگر وہ ان ہڈیوں سے کسی کو زخم پہنچائیں تو وہ زخم مشکل سے اچھا ہوتا ہے۔ بعض مچھلیوں کی دم میں بجلی بھری رہتی ہے۔ یہ مچھلیاں اپنے دشمن کو بجلی کے جھٹکے سے ہلاک کرتی ہیں۔ ایکوا ریم کے مشہور چڑیا گھر میں جہاں دنیا کی نہایت عجیب و غریب مچھلیاں پائی جاتی ہیں۔ بجلی کی دم والی مچھلیاں بھی موجود ہیں۔ یہ زیادہ سے زیادہ آٹھ فٹ تک لمبی ہوتی ہیں۔ اور اپنی دم سے ۴۰۰ وولٹ کے بجلی کے کرنٹ جتنا نقصان پہنچا سکتی ہیں۔ ان کی دم کے دونوں طرف بیٹریاں سی لگی ہوتی ہیں۔ جن سے حملہ کرتے وقت ایک قسم کی بجلی پیدا ہوتی ہے۔ جس کے جھٹکے سے اس کا دشمن بے بس ہو جاتا ہے۔ بعض ریتلی خلیجوں میں ایک ایسی مچھلی پائی جاتی ہے جو اپنے جسم سے ایک نوکدار تیز ہڈی نکال کر دوسرے جانوروں پر حملہ کرتی ہے۔ جس سے ان کی کھال پھٹ جاتی ہے۔ اور اس میں زہر داخل ہو جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے اٹلی کے لوگوں نے خنجروں پر زہر لگانے کی ترکیب دریافت کی تھی۔ لیکن مچھلیاں اٹلی کے لوگوں کی اس ایجاد سے لاکھوں برس پہلے اس تجربہ سے واقف تھیں۔ چنانچہ آج بھی ایکوا ریم چڑیا گھر میں پرانے زنگین زہر والے خنجر دیکھنے میں آتے ہیں۔ یہ سب کے سب مچھلیوں کے کانٹوں سے بنے ہیں۔

عبداللہ جان شاہوانی۔ بلوچستان

لطیفے

کسی ظریف نے کسی سے پوچھا کہ " آپکے بال سفید ہوگئے ہیں لیکن ڈاڑھی کالی ہے؟"

انھوں نے جواب دیا: " یہ مجھ سے بیس برس چھوٹی ہے۔

ایک شخص کسی لوہار کی دوکان پر پنجرا خریدنے گیا۔

دوکاندار پنجرا تلاش کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد خریدار نے کہا۔ " بھئی جلدی کرو۔ مجھے گاڑی پکڑنی ہے۔

دوکاندار: " افسوس میرے پاس اتنا بڑا پنجرا نہ ہوگا۔

ایم۔ اے۔ جوہر پٹھانکوٹ

ٹیبل بونا

کسی زمانہ میں ایک پن چکّی والا ایک نہر کے کنارے رہتا تھا۔ اسکی بیٹی ایسی خوبصورت تھی کہ سارے گاؤں میں اسکے برابر کوئی نہ ہوگی۔ وہ سُگھڑ، نیک اور گھر کے کام کاج میں بڑی ہوشیار تھی۔ پن چکّی والا اس بیٹی کے بل پر بڑا اترا تا تھا اور ہر وقت اسی کے گُن گاتا رہتا تھا۔ ایک دن وہاں کا بادشاہ گھوڑے پر سوار ادھر آنکلا اور پن چکّی والے سے گپ شپ کرنے کیواسطے رک گیا۔ پن چکّی والا فوراً اپنی بیٹی کی تعریف کرنے لگا اور بادشاہ کو اپنی باتوں کا یقین دلانے کے لئے بولا کہ وہ بھوسے کو کات کر سونا بنا سکتی ہے۔

بادشاہ ویسے تو کوئی برا آدمی نہ تھا لیکن اس میں ایک بڑا عیب تھا۔ وہ یہ کہ دولت کی اسکو بڑی ہوس تھی۔ سونے کا لفظ سنتے ہی خوشی کے مارے اسکی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اس نے کہا "کل تم اپنی بیٹی کو ہمارے محل میں لاؤ۔ پھر میں دیکھوں گا کہ تم کہاں تک سچ بولتے ہو"۔

پن چکّی والا بہت ڈرا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اسکا پول کھل جائے گا اور بادشاہ اسکو مروا ڈالے گا۔

وہ اپنی بیٹی کو محل لے گیا لیکن اسکو یہ نہیں بتایا کہ کیوں۔ بادشاہ لڑکی کو ایک بہت بڑے کمرے میں لے گیا جہاں بھوسا بھرا ہوا تھا۔ اس نے چرخے کی طرف اشارہ کرکے کہا "اب تو سالے دن اور ساری رات خوب محنت کر اور کل سورج نکلنے سے پہلے پہلے اس سارے بھوسے کا سونا بنا دے۔ ورنہ تیری خیر نہیں"۔

بادشاہ نے لڑکی کو وہاں چھوڑ کر باہر سے تالا لگا دیا۔ اسکی سمجھ میں خاک نہ آیا کہ آخر بات کیا ہے۔ وہ سوت اور اون کاتنا تو اچھی طرح جانتی تھی مگر یہ تو اس نے کبھی بھی نہیں سنا تھا کہ بھوسے کو کات کر سونا کیسے بناتے ہیں۔ وہ اس ڈر سے کہ بادشاہ بھوسے کا بھوسا ہی پائے گا تو کیا کہے گا رونے لگی۔ ایک دم ایک عجیب سی شکل کا آدمی جس کی پتلی پتلی چھوٹی چھوٹی ٹانگیں تھیں، ذرا سا بدن اور بہت بڑا سر تھا، کہیں سے وہاں آموجود ہوا اور لڑکی سے اسکی پریشانی کی وجہ پوچھنے لگا۔ جب لڑکی نے حال سُنایا تو اسنے کہا "اگر میں تیری جگہ اسے کات دوں تو تو مجھے کیا دیگی؟"

لڑکی نے کہا "اپنے گلے کا کنٹھا"۔ آدمی نے کنٹھا لیکر کاتنا شروع کردیا۔ وہ گاتا اور سیٹی بجاتا رہا لیکن کام بڑی پھرتی سے کرتا رہا یہاں تک کہ تڑکا ہونے سے پہلے ہی سارا بھوسا چمکدار سونا بن چکا تھا۔ پھر وہ آدمی غائب ہوگیا۔

جب بادشاہ وہاں آیا تو بہت خوش ہوا۔ لیکن تمہیں یاد ہوگا کہ وہ بڑا لالچی تھا۔ اسلیئے وہ پن چکّی والے کی لڑکی کو ایک اور بھی بڑے کمرے میں لے گیا۔ اس میں بھی بھوسا بھرا ہوا تھا اور اگلے دن صبح سے پہلے اسے بھی سونا بنانا تھا۔

بیچاری لڑکی کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کرے۔ سالے دن تکلیف وہ بھوسے کے ساتھ کمرے کے اندر بندری اور غریب یہی سوچتی رہی کہ بادشاہ آگیا تو کتنا ناراض ہوگا۔ لیکن شام کو وہ بونا پھر نمودار ہوا۔ اب کے لڑکی نے اپنی انگوٹھی دینے کا وعدہ کیا اور بونے نے پھر سالے بھوسے کا سونا بنادیا۔ بادشاہ اتنا سارا سونا دیکھ کر بڑا خوش ہوا لیکن اسکا جی اب بھی نہیں بھرا۔ وہ لڑکی کو ایک تیسرے کمرے میں لے گیا اور بولا "اگر اس تمام بھوسے کا تو نے سونا بنادیا تو میں تجھکو اپنی بیوی بناؤں گا"۔ لالچی بادشاہ نے سوچا "لڑکی ہے تو پن چکّی والے کی مگر مجھے ایسی بیوی اور کہاں مل سکتی ہے جو اتنا سونا مجھکو دے سکے"۔ کمرے کو تالا لگا کر وہ چل دیا۔ فوراً ہی بونا پھر آموجود ہوا۔ لڑکی نے سسکتے ہوئے کہا "اب تو میرے پاس کچھ بھی نہیں رہا جو تجھکو دے سکوں"۔ بونا بولا "اچھا میں بھوسا کاتے دیتا ہوں لیکن تو یہ وعدہ کر کہ ملکہ بننے کے بعد اپنا پہلونٹی کا بچہ تو مجھکو دے دیگی"۔ بیچاری لڑکی کو وعدہ کرنا پڑا اور کرہی کیا سکتی تھی؟ اسنے یہ بھی سوچا کہ لالچی بادشاہ اس سے بیاہ کرنے ہی کیوں لگا۔ لیکن بادشاہ نے واقعی اس سے بیاہ کرلیا۔ صبح کو جب اس نے وہ تمام سونا دیکھا تو وہ بہت ہی خوش ہوا۔ اس نے تمام امیروں اور ملازموں کو حکم دیا کہ وہ بڑی دھوم دھام کے ساتھ اس کی شادی کی تیاری کریں۔ کچھ دنوں کے بعد پن چکّی والے کی بیٹی ملکہ بن گئی۔

اگر تم یہ جاننا چاہتے ہو کہ پھر کیا ہوا تو یہ تمہیں پھر کبھی بتائیں گے۔

عزیز بھانجو! اور بھانجیو!

ہمارے پڑھنے والوں نے نوڈے لیگ میں بہت دلچسپی کا اظہار کیا۔ بہت سے بچے ممبر بن چکے ہیں۔ آؤ تمہارا بھی ان سے تعارف کراؤں۔ یہ ہیں:۔

(۱) سلیمان یوسف زبیری۔ علیگڈھ (۲) لال جیت رائے ڈیرہ دون۔ (۳) محمد صادق۔ سکھر (۴) میر مظہر علی۔ حیدرآباد دکن (۵) لچھمی نرائن بہاولپور (۶) خواجہ محمد شریف۔ پشاور (۷) سعادت علی خیالی۔ سیالکوٹ (۸) جی۔ این گوئل۔ فیروزپور (۹) وجے کمار سوندھی۔ گوجرانوالہ۔ (۱۰) محمد الیاس درہادن۔ جھنگ (۱۱) صفیہ اکبری جمشید پور (۱۲) حسن نشاط انصاری۔ ہزاری باغ۔ (۱۳) علی گوہر۔ بمبئی۔ (۱۴) نثار احمد کانپور (۱۵) اسماعیل محمد۔ بمبئی۔ (۱۶) ثناء اللہ کرمانی۔ لکھنؤ۔ (۱۷) محمد یونس احمر۔ کلکتہ۔ (۱۸) سید مبارک علی حسینی۔ بہاولپور (۱۹) شفیق احمد۔ دہلی۔ (۲۰) عبدالستار۔ لاہور۔ (۲۱) ڈورس ہنری۔ مرادآباد۔ (۲۲) خالد دوست محمد۔ گیا۔ (۲۳) شیخ غالب نورانی۔ ملتان۔ (۲۴) محمد ریاض الدین۔ شاہ آباد۔ (۲۵) ابرار احمد زبیری۔ بلندشہر۔ (۲۶) سید اسداللہ موسوی۔ حیدرآباد۔ (۲۷) صفیہ بیگم بالے صاحب۔ بمبئی۔ (۲۸) خالد امیر بخش۔ لاہور۔ (۲۹) فیاض احمد۔ رائے بریلی۔ (۳۰) شیخ عبدالخالق۔ کیمبل پور (۳۱) عتیق الحسن۔ کلکتہ (۳۲) ضیاء الحسن آروی۔ آرہ۔ (۳۳) چودہری عبدالقادر رحیم۔ (۳۴) عشرت جہاں بیگم۔ لکھنؤ۔ (۳۵) سورج۔ جھنگ۔ (۳۶) محمد انیس اللہ والا۔ دہلی۔

جلد ہی ان ممبروں کو ممبری کے کارڈ ملجائیں گے۔ اور تیار رہو نے پر لیگ کا بلّا بھی فقط

تمہاری خالہ

مسرت

فارم ممبری برائے "نوڈے لیگ"

خریداری نمبر ....

چندہ بھیجنے کی تاریخ .... چندہ ختم ہونے کی تاریخ ....

نام ....

تاریخ مہینہ اور سال پیدائش ....

سرپرست کا نام ________________________________

____

پورا پتہ ________________________________

____

دستخط ________________

تاریخ ________________

فوّارہ بنائیے

سب سے پہلے ایک شیشی لو۔ اسکا ۳/۴ حصّہ صاف پانی سے بھردو۔ پھر ایک کھوکھلا سرکنڈا یا گیہوں کا ڈنٹھل سوراخ کے ذریعہ کاگ میں سے شیشی میں اتار دو۔ اور شیشی کو ایک بھیگے ہوئے بلاٹنگ کے ٹکڑے پر رکھ دو۔

اسکے بعد ایک اور شیشے کا مرتبان لو اور اسکو آگ پر گرم کرکے شیشی پر اس طرح اوندھا دو کہ مرتبان کا منہ بلاٹنگ پر اچھی طرح جم جائے۔

چند منٹ بعد ڈنٹھل سے پانی فوارے کی طرح نکلنے لگے گا۔

راستہ بتائیے

یہ شخص جو موٹر میں بیٹھا ہوا ہے شہر جانا چاہتا ہے لیکن اسے راستہ نہیں معلوم کیا تم اسے راستہ بتا سکتے ہو؟۔
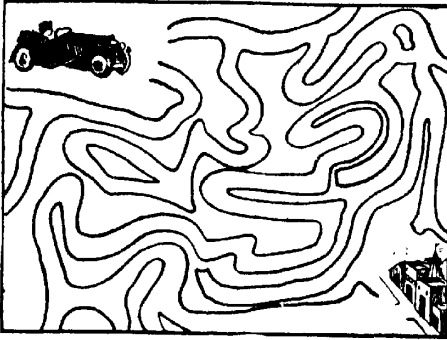
یہ کیا ہے؟

یہ عجیب وغریب جانور چھ جانوروں کے مختلف حصّوں کو ملا کر بنایا گیا ہے کیا آپ انکے نام بتا سکتے ہیں؟

فرانس میں ——— بقیہ صفحہ ۶
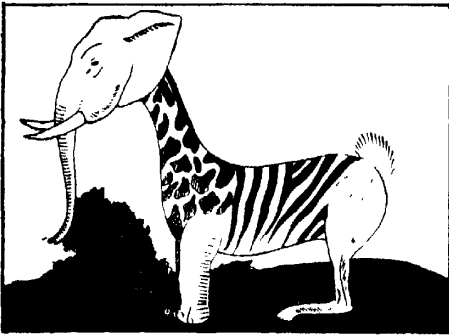
چھوٹی ڈونگیوں میں بھیجا جاتا ہے۔ جب یہ لوگ فولاد کی دیوار کے قریب پہنچتے ہیں تو سب کے سب پانی میں کود پڑتے ہیں اور جو گولا بارود اپنے ساتھ لے گئے تھے اسے دیوار کے آس پاس رکھ دیتے ہیں۔ جب دھماکا ہوتا ہے تو دس دس فٹ اونچی دیواریں ٹوٹ پھوٹ کر صرف اٹھارہ انچ اونچی رہجاتی ہیں۔ اسطرح چھپتے چھپاتے بیڑے کی حملہ کرنیوالی کشتیاں ساحل تک پہنچ جاتی ہیں۔

اسطرح نازیوں کی "اٹلانٹک دیوار" میں دراڑ اور "ڈی ڈے" کو نارمنڈی کے ساحل پر فوجیں اتاری جاسکیں۔ جرمن جو اپنی قلعہ بندیوں کو سمجھتے تھے کہ یہ ٹوٹ ہی نہیں سکتیں اس پر حیران رہ گئے۔

طابعہ:- مسرت جہاں بیگم تموری ایم۔ اے۔ پبلشر ادارہ مطبوعات متحدہ (اے) ۱۹۶ دہلی

نونہال

ی سنہ ۱۹۴۶ء
د ۳ — نمبر ۷

چندہ سالانہ تین روپے
قیمت فی پرچہ چار آنے

خطرناک لیکن خوبصورت

رجانوروں کی اسی نسل سے ہے جس سے شیر ببر اور بلی ہیں۔ اپنے دھاری دار جسم اور بڑی بڑی چمکتی ہوئی آنکھوں کی وجہ
یہ بڑا خوبصورت معلوم ہوتا ہے اس شیر کے راستے میں ایک تار لگا دیا گیا تھا جس پر پنجہ مار کر اس نے یہ تصویر خود کھینچی ہے

ہندوستان کے بعض جنگلوں میں اژدہے کثرت سے ملتے ہیں۔ ہندوستان کی روایتوں اور کہانیوں

ہندوستان کے دریاؤں اور جھیلوں میں طرح طرح کے گھڑیال پائے جاتے ہیں ان کی کھال

آؤ دُنیا نئی بنائیں!

برطانوی کیبنٹ کا مشن ۲۴ مارچ کے دن نئی دہلی پہنچا۔ اس میں کیبنٹ کے تین ممبر لارڈ پیتھک لارنس۔ سر سٹیفورڈ کرپس اور مسٹر اے۔ وی الگزینڈر شامل ہیں۔

پہلی اپریل سے یہ لوگ مشہور لیڈروں مثلاً مسٹر گاندھی۔ مسٹر جناح۔ ڈاکٹر امبیدکر اور ماسٹر تارا سنگھ سے بات چیت کرینگے۔ درمیانی عرصے میں وہ اخباروں کے نمائندوں اور وائسرائے کی ایگزیکٹیو کونسل کے ممبروں سے ملاقات کریں گے۔

انڈونیشیا میں ڈچ حکومت اور انڈونیشی لوگوں کے درمیان بات چیت شروع ہوگئی ہے، دو کمیٹیاں تفصیلی معاملات طے کرنے کے لئے بنائی گئی ہیں، لیکن اب بھی حالات اچھے نہیں۔

سر راما سوامی مدالیار نے جو ہندوستانی مشن لے کر غلّہ خریدنے کی غرض سے امریکہ گئے تھے کہا ہے کہ ہندوستان کی حالت ۱۹۴۳ء کے قحط بنگال سے دس گنا زیادہ خراب ہے۔ اگر واشنگٹن کا ملاجلا فوڈ بورڈ ہندوستان کی ضرورت کے مطابق اناج نہیں دیگا تو روس سے مدد کے لئے کہا جائیگا۔

ایران میں بھی حالت نازک ہے۔ روس اور ایران کا جھگڑا ادارۂ اقوام متحدہ کے سامنے پیش کر دیا گیا ہے۔ یہ ادارہ دنیا میں امن قائم رکھنے اور جھگڑوں کا فیصلہ کرنے کے لئے قائم ہوا ہے اسکا مفصل حال اگلے صفحوں پر دیکھو۔

فلسطین کا معاملہ بھی چھان بین کے لئے اینگلو امریکی کمیٹی کے سامنے پیش ہوا ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ سمجھوتے کی کوئی صورت نکل آئیگی۔

آجکل دنیا میں بہت فتنہ و فساد برپا ہے۔ تم لوگ ابھی بچے ہو اور اسے دور کرنے کے لئے کچھ زیادہ نہیں کر سکتے۔ ہر مہینے تمہیں بتایا جاتا ہے کہ تم کس طرح بے غرضی، مصالحت، سچائی، صاف گوئی اور ایمانداری کی عادتیں پیدا کرکے دنیا کو بہتر بنانے میں حصّے لے سکتے ہو۔

اگر تم اچھے شہری بننا چاہتے ہو تو تمہیں اور بھی کئی باتیں سیکھنی ہونگی۔ مثلاً ادب آداب۔ مثل مشہور ہے کہ انسان اپنے اطوار سے پہچانا جاتا ہے اور حقیقت ہے کہ اگر تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہیں مہذب سمجھیں تو تمہیں ویسی ہی عادتیں اپنے میں ڈالنی پڑیں گی۔ بزرگوں سے نرمی اور خوش اخلاقی کا برتاؤ کرو رفتہ رفتہ یہ تمہاری عادت بن جائیگی۔ شریف اور مہذّب انسان جب پہچانا جاتا ہے جب اسے اپنے سے کمزور اور کم رتبے والے لوگوں کیساتھ واسطہ پڑے۔ نوکروں پر مت چیخو چلاؤ ایسا کرنے سے تمہاری شان نہیں بڑھتی بلکہ تربیت کی خرابی کا پتہ چلتا ہے۔ بس یا تماشے میں اچھی جگہ بیٹھنے کے لئے لوگوں کو دھکے دیکر گھسنے کی کوشش کبھی نہ کرو۔ غریب اور مسکین لوگوں پر مہربانی کرو۔

بہت سی چھوٹی چھوٹی باتوں مثلاً چال ڈھال۔ بات چیت۔ کھانے کے انداز سے اچھے اطوار کا پتہ چلتا ہے۔ ہوسکتا ہے مختلف ملکوں اور طبقوں میں مختلف طریقوں کو اچھا سمجھا جائے لیکن غور سے دیکھنے پر معلوم ہوگا کہ سب رواجوں اور قاعدوں کی تہ میں ایک ہی بات پوشیدہ ہے یعنی اپنے سے زیادہ دوسروں کے آرام کا خیال رکھنا۔ یہ سنہری اصول یاد رکھو کہ دوسروں سے ویسا ہی برتاؤ کرو۔ جیسا تم اپنے لئے چاہتے ہو۔ پھر چاہے تم محلوں میں رہو یا جھونپڑے میں۔ تم صحیح معنوں میں شریف کہلاؤ گے ؏

بوڑھا برگد

میلکش نجمی

گاؤں کی آبادی سے دُور چھوٹے سے تالاب کے کنارے برگد کا ایک بہت بڑا اور پرانا درخت تھا۔ گاؤں کے سفید بالوں والے کہتے ہیں کہ ان کے باپ دادا اس درخت کو اسی طرح دیکھتے آئے ہیں۔ سینکڑوں بیماریاں آئیں، زلزلے آئے، قحط پڑے اور ہزاروں بستیاں اُجڑیں مگر یہ بوڑھا درخت اسی طرح اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ ہاں سنتے ہیں کہ صرف ایکبار بہت تیز آندھی آئی تھی جس سے ان بڑے میاں کے ایک کان کا پردہ پھٹ گیا تھا اور وہ اونچا سننے لگے تھے۔

یہ برگد میاں رات دن اسی طرح کھڑے کھڑے گذار دیا کرتے مگر ہاں کبھی کبھی اندھیری رات میں اونگھا ضرور کرتے تھے۔ لوگ کہتے ہیں کہ وہ افیون کھانے کے عادی ہو گئے تھے۔ ایک رات جبکہ چودھویں کا چاند اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ اپنی چمکدار ستاروں کی فوج کے ساتھ آسمان کے نیلے تخت پر جلوہ افروز تھا، برگد میاں بڑے غور سے ان ننھی ننھی مچھلیوں کو بیقراری سے دیکھ رہے تھے جو چاند کی روشنی میں تالاب کی سطح پر چمک رہی تھیں۔ مچھلیاں آج بہت پریشان اور فکر مند نظر آ رہی تھیں اور کیوں نہ ہوتیں ان کی بہت سی بہنیں اور سہیلیاں ان سے چھٹ چکی تھیں اور برابر چھوٹتی جا رہی تھیں۔ گاؤں کے شریر لڑکے دن کا کھانا کھا کر بستے کر گھر سے باہر نکلتے اور بجائے اسکول جانے کے تالاب میں آ کر ان غریب مچھلیوں کو پکڑا کرتے تھے۔ اُن کی شرارتوں نے نہ جانے کتنی غریب مچھلیوں کو بیوہ، کتنوں کو یتیم اور کتنوں کو بے اولاد بنا دیا تھا۔ گویا تالاب کی ساری مچھلیوں کا عذاب اسکول سے بھاگے ہوئے شریر بچوں پر پڑ رہا تھا لیکن وہ اپنی عادت سے مجبور ہر روز تالاب پر آتے اور مچھلیاں پکڑ کر لے جاتے۔

جب کسی پر بہت مصیبت آتی ہے تو وہ اس سے چھٹکارا پانے کی ترکیب سوچنے لگتا ہے۔ بالکل یہی حالت ان غریب مچھلیوں کی تھی اسلئے آج وہ سب چاند کی روشنی میں پانی کی سفید چادر پر جمع ہو گئی تھیں اور ایک دوسرے سے مشورہ کر رہی تھیں کہ انھیں کیا کرنا چاہئے۔ برگد میاں خاموش کھڑے سب کچھ دیکھ سُن رہے تھے۔ مچھلیاں ان سے بہت مانوس تھیں مگر کبھی کبھی ان کے زور زور سے سانسیں لینے کی آواز انھیں سہما ضرور دیتی تھی۔ غریب مچھلیاں آج اس بات کا فیصلہ کرنے پر تلی تھیں کہ انھیں شریر بچوں سے کس طرح چھٹکارا حاصل کرنا چاہئے۔ سب اپنی اپنی رائے دے رہی تھیں لیکن کوئی بھی کامیاب نہ ثابت ہو رہی تھی۔ ایک چھوٹی مچھلی جو بہت دیر سے کسی گہری سوچ میں تھی۔ کھنکار کر بولی:-

"میری پیاری بہنو! میری سمجھ میں ایک بہت اچھی بات آئی ہے" ——

وہ کچھ اور کہنا چاہتی تھی کہ مچھلیوں میں شور مچ گیا اور وہ بہت غور سے اس کا منہ تکنے لگیں۔ چھوٹی مچھلی نے سب کو خاموش رہنے کا حکم دیا اور کہنا شروع کیا ——

"ہم سب اس وقت تک اس مصیبت سے چھٹکارا نہیں پا سکتے جب تک اس گھر کو چھوڑ کر دوسری جگہ نہ چلے جائیں۔ ہماری سلامتی اسی میں ہے کہ ہم سب کسی سفر کے لئے تیار ہو جائیں اور اس جگہ کو خیرباد کہہ کر ندی کے راستہ کسی دریا میں چل کر اپنا ملک آباد کریں، وہاں رہنے کے لئے اچھی سے اچھی جگہ اور کھانے پینے کے لئے اچھے سے اچھا سامان ملے گا۔ وہ جگہ بڑی خوبصورت اور آرام دہ ہوگی اور نہ وہاں کسی بات کا ڈر ہوگا۔"

برگد میاں جو اب تک خامشی سے اس چھوٹی مچھلی کی بات سُن رہے تھے۔ ایک دم سے ہنس پڑے۔ ان کی بھونڈی ہنسی سے ڈر کر مچھلیاں بھاگ کر پانی کے اندر چلی گئیں۔ اب برگد میاں اور زور زور سے ہنس رہے تھے۔ دل ہی دل میں کہنے لگے یہ مچھلی بھی کتنی بیوقوف اور ناسمجھ ہے۔ اپنے ساتھیوں کو رائے دے رہی ہے کہ وہ کسی کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر اپنا وطن چھوڑ دیں۔ جان پر بازی لگا کر اپنے آپ کو مصیبت سے بچانے کے بجائے اپنے ساتھیوں کو بزدلی کا سبق دے رہی ہے۔ نکمی ..... کمزور ..... برگد میاں کی ہنسی بالکل ختم ہو چکی تھی۔ دھیرے دھیرے ساری

مچھلیاں پھر اوپر آ گئیں۔ چھوٹی مچھلی بڑے فخر کے ساتھ دوسری مچھلیوں کا مُنہ تک رہی تھی۔ اسے اپنی رائے کی تائید کا انتظار تھا، ایک دوسری مچھلی جو ابھی کچھ سوچ کر اوپر آئی تھی تڑپ کر بولی:- "بُزدل، نکمّی!! تم ہم لوگوں کو بیوطنی کا سبق دے رہی ہو۔ تم چاہتی ہو کہ ہم گھر سے بے گھر ہو جائیں۔ اس پیاری جگہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیں جہاں ہم پیدا ہوئے ہیں، اس گود کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خالی کر دیں جس میں ہم پیار و محبت کے جھولے جھول کر پروان چڑھے ہیں۔ اس مٹی کو دوسروں کے حوالے کر دیں جسے ہم نے آنکھوں سے لگایا ہے۔ اور جس کی ٹھنڈک میں سکھ اور آرام کی راتیں بسر کی ہیں۔ اپنی زمین اور اپنے گھر کو چھوڑنے سے بہتر ہے کہ ہم یہیں اپنی جان دیدیں۔ کنارے جاکر اپنی بزدلی کا ماتم کریں اور تڑپ تڑپ کر مر جائیں۔"

دوسری مچھلی کی اس تقریر سے ساری مچھلیوں میں خلفشار مچ گیا اور سب کی سب پہلی مچھلی کو لعنت ملامت کرنے لگیں ـــــــ شور و غل کم ہونے کے بعد ساری مچھلیاں سوچنے لگیں کہ اب کیا کیا جائے۔ بہت دیر تک سوچنے کے بعد ایک دوسری مچھلی نے اپنی رائے پیش کی۔ اس نے اپنی بہنوں سے کہا کہ ہم سب کو ملکر "جونکوں" کے پاس جانا چاہئے اور ان سے کہنا چاہئے کہ وہ سب مل کر دشمنوں کا خون چوسنا شروع کر دیں تاکہ وہ یہاں قدم رکھنے کی ہمّت نہ کر سکیں۔ لیکن دوسری مچھلیوں نے یہ رائے بھی ٹھکرا دی اور اس کے جواب میں کہنے لگیں کہ غیر دشمنوں کا خون چوس کر اپنا پیٹ بھر سکتے ہیں۔ ہماری زندگی کو خطرے سے نہیں بچا سکتے۔ ممکن ہے وہ اپنی اس مدد کا بدلہ ہم سے کسی اور طرح سے مانگیں اور اس وقت ہم اور مشکل میں گرفتار ہو جائیں۔ اچھا ہوگا کہ ہم خود اپنے بچنے کی کوئی ترکیب سوچیں۔ ایک بوڑھی مچھلی جو بہت دیر سے غور و فکر کے سمندر میں ڈوبی ہوئی تھی ایک دم سے چونکی۔ آگے بڑھی اور راز دارانہ انداز میں بولی:- "میری عزیزو! واقعی آج ہم سب پر بہت بُرا وقت آن پڑا ہے۔ ہماری آزادی ہم سے چھین لی گئی ہے۔ ہماری سچی خوشی اور سچی مسرت لوٹ لی گئی ہے۔ لیکن پھر بھی ہمیں نا امید نہ ہونا چاہئے۔ اسکے بجائے کہ ہم دوسروں کی مدد لیتے پھریں ہمیں خود اپنی طاقت کام میں لانی چاہئے۔ ہم سب ملکر کوئی ایسا کام کریں کہ دوسرے دیکھتے رہ جائیں اور ہمارے بعد ہماری نسلیں اور ہماری اولادیں ہمارے نام سے اپنے گھروں میں چراغ جلایا کریں۔ دُور دُور کے چھوٹے بڑے تالابوں میں ہمارے نام کی لہریں اٹھا کریں اور ہمارا نام دریاؤں اور سمندروں میں بھی عزت کے ساتھ لیا جانے لگے۔ آؤ ہم بتاتے ہیں۔ ہم تمہیں اس مصیبت سے آزاد ہونے کی رائے دیتے ہیں۔ سُنو! اس

بہادر مچھلی نے اپنی رائے اتنی آہستہ سے دی کہ اسے بگلا میاں بھی نہ سُن سکے۔ آس پاس کے لوگ بھی نہ سُن سکے یہاں تک کہ ہم بھی نہ سُن سکے۔

دوسرے دن غریب مچھلیوں کے دشمن پھر تالاب کے کنارے پہونچ گئے۔ آج وہ پورے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر آئے تھے۔ نمک، مرچ، مصالحہ، چاقو غرضیکہ سارا سامان ان کے پاس تھا۔ ان کا خیال تھا کہ آج وہ خوب مچھلیاں پکڑیں گے اور وہیں بھون بھون کر کھائیں گے بھی۔

ساری مچھلیاں بوڑھی مچھلی کے سمجھانے کے مطابق دشمنوں پر

نظر جمائے ہوئے گہرے پانی کی سطح پر اِدھر اُدھر گھوم رہی تھیں۔ دشمن خوش تھے کہ آج شکار بہت ہے۔ لڑکوں نے بڑھکر جال پھینکا۔ مچھلیاں دُور ہٹ گئیں۔ سب نے ملکر جال اور آگے بڑھکر پھینکا۔ مچھلیاں وہیں کھڑی رہیں اور سب کی سب جال کے اندر آگئیں۔ دشمن کے جال میں گرفتار ہوتے ہی مچھلیوں نے زور لگایا۔ ایک لڑکے کے ہاتھ سے جال کا کونا چھوٹ گیا اور وہ کیچڑ میں پھسل کر گہرائی کی طرف جاگرا۔ دوسرے لڑکے اس کو بچانے کو بڑھے اور وہ بھی

چھڑی ان کے ہاتھ سے ٹوٹ کر گر گئی اور پانی پر تیرنے لگی۔ لڑکوں کا سردار جو قریب قریب ڈوبنے ہی والا تھا فوراً برگد میاں کی چھڑی پر سوار ہوگیا۔ اس کے دوسرے ساتھی ابھی تک اپنی جان بچانے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہے تھے۔ اس نے بڑی مشکل سے ان تینوں کو بھی اس پر بٹھالیا اور کنارے آنے لگا۔ اس نے دیکھا ان سب کے سرپرست کنارے پر کھڑے دانت پیس رہے تھے۔

گھر پہنچکر لڑکوں کے والدین نے ان کی خوب خوب مرمت کی۔ کھانے کو بھی

پانی میں غوطے کھانے لگے۔ لڑکوں کا سردار تیرنا خوب جانتا تھا اُس نے لڑکوں کو نکالنے کے لئے جب غوطہ مارا تو سارے لڑکے اس سے چمٹ گئے اور جب وہ تینوں سے چمٹا ہوا باہر نکلا تو اس کے بھی ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ تینوں لڑکے اس کی گردن سے چمٹے تھے اور اب وہ بھی ڈوبنے لگا۔

یہ منظر دیکھ کر برگد میاں کو بڑے زور سے ہنسی آئی۔ ظالموں کی دُرگت پر ہنسی آئی اور آتی چلی گئی۔ ہوا بہت تیز چل رہی تھی، برگد میاں مارے ہنسی کے لوٹ پوٹ ہو رہے تھے۔ ہنسی ہنسی میں ان کی موٹی

نہیں دیا اور جب وہ بھوکے اسکول پڑھنے گئے تو ان کے ماسٹروں نے ان کی غیر حاضری پر ان کی خوب ٹپائی کی۔

اسی رات کو مچھلیوں نے ستاروں کی روشنی میں پانی کی صاف چادر پر خوشی کا جشن منایا اور سب نے ملکر بوڑھی مچھلی کو کنول کے ہار پہنائے اور اپنی کامیابی اور آزادی کے گیت گانے لگیں۔ بوڑھے برگد میاں مچھلیوں کو بڑے پیار کی نظروں سے دیکھ رہے تھے جیسے وہ ان سے کہہ رہے ہوں۔ اے آزادی کی متوالیو، تمہارے اوپر آفریں ہے، مرحبا، مرحبا۔ برگد میاں جھوم جھوم کر مچھلیوں کی آزادی کا گیت سن رہے تھے۔ اور اسی طرح سنتے سنتے اونگھنے لگے۔

ہیرے: ـــــــ بقیہ صفحہ ۶

ہندوستان میں ریاست حیدرآباد دکن میں گولکنڈہ کی کانوں سے بہت سے قیمتی اور مشہور ہیرے نکل چکے ہیں لیکن اب یہ کانیں بیکار ہوچکی ہیں۔ غالباً پرانے زمانے کے تمام مشہور ہیرے ہندوستان کے تھے اورنگ زیب کے خزانے میں "مغل اعظم" نامی ایک ہیرا تھا جس کا وزن ۷۸۰ قیراط تھا۔ بعد میں دینس کے ایک کاریگر نے اسے کاٹ کر ۲۸۰ قیراط کر دیا تھا۔ کوہ نور جو نادر شاہ کے قبضے میں تھا اور بعد میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے لے کر ملکہ وکٹوریہ کو بھیجا تھا، اس کا وزن ۱۸۶ قیراط تھا۔ پھر لندن میں اسے کاٹ دیا گیا۔ اب اس کا وزن ۱۰۶ قیراط ہے۔ کچھ اور مشہور ہندوستانی ہیرے "ریجنٹ"، "اکبر شاہ"، "نظام" اور "گریٹ ٹیبل" ہیں۔ دنیا کا سب سے بڑا ہیرا ٹرانسوال کی ایک بڑی کان میں نکلا تھا اور ایڈورڈ ہفتم کو تحفے میں دیا گیا تھا۔

اب ہیرے پیدا کرنے والے ملکوں میں خاص خاص برازیل اور جنوبی افریقہ ہیں۔ ۱۸۷۰ء سے ہیرے کی صنعت قریب قریب پوری جنوبی افریقہ کے ہاتھ میں چلی گئی ہے۔

ہیرے

سعیدہ حامد

پچھلے دنوں جب آغا خاں کو ان کی ڈائمنڈ جوبلی کے موقع پر ہیروں میں تولا گیا تو بمبئی میں ایک شاندار نظارہ دیکھنے میں آیا۔ اس جشن نے ہندوستان کی پرانی شان و شوکت کی یاد تازہ کر دی اور دیکھنے والوں کی نگاہوں کے سامنے الف لیلہ کا نظارہ پھر گیا۔ آغا خاں کا وزن ۲۴۳½ پونڈ تھا۔ خیال ہے کہ ان ہیروں کی قیمت ایک کروڑ روپوں سے کچھ ہی کم تھی۔ وہ ہیروں میں اسلئے تولے گئے کہ ہیرے سب سے زیادہ قیمتی جواہرات ہوتے ہیں۔

لیکن تم یہ بھی جانتے ہو کہ ہیرے کس چیز سے بنتے ہیں؟ فرانس کے انقلاب کے زمانے میں وہاں ایک بڑا سائنس داں لاوازئے تھا جس نے یہ ثابت کیا کہ ہیرے کاربن سے بنتے ہیں۔ کاربن دھات سے الگ ایک چیز ہوتی ہے اور ٹھوس، سیّال اور گیس تینوں صورتوں میں ملتی ہے۔ کاربن طرح طرح کی شکلیں اختیار کرتا ہے اور کئی مرکّبات تیار کرنے میں استعمال ہوتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم کاربن کو اس چارکول کی طرح کا سیاہ پوڈر سمجھتے ہوگے جسے آرٹسٹ تصویریں بنانے میں استعمال کرتے ہیں۔ چارکول اور کوئلے کے علاوہ کاربن ننھے ننھے ریزوں کی شکل میں بھی پایا جاتا ہے جیسے گریفائٹ جو پنسلوں میں استعمال ہوتا ہے اور لوگ غلطی سے اسے لیڈ کہتے ہیں۔ اب مزے کی بات یہ ہے کہ کاربن مختلف شکلوں کے بڑے بڑے ریزوں میں بھی ملتا ہے۔ اسی قیمتی پتھر کو ہیرا کہتے ہیں۔ کیمیادی طور پر ان مختلف شکلوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔

اب تم پوچھو گے کہ جب ہیرے اسی چیز سے بنتے ہیں جس سے کوئلہ بنتا ہے تو یہ کوئلے کی طرح سستے کیوں نہیں ہوتے۔ تو بات یہ ہے کہ کسی چیز کے دام کبھی اس کے استعمال اور فائدوں کو دیکھ کر نہیں مقرر کئے جاتے۔ ویسے تو کوئلہ اور گریفائٹ ہیرے سے کہیں زیادہ کارآمد چیزیں ہیں لیکن چونکہ افراط سے پائی جاتی ہیں اسلئے سستی ہیں۔ ہیرے کمیاب ہیں اور مشکل سے ملتے ہیں اسلئے لوگ ان کو خریدنے کے لئے زیادہ دام دینے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ خیال یہ ہے کہ جب کاربن کچھ خاص حالات میں صدیوں تک سخت گرمی اور زبردست دباؤ میں رہتے ہیں تو ہیرے بن جاتے ہیں۔ چنانچہ کوئلے کی طرح ہیرے بھی زمین کے اندر کانوں میں پائے جاتے ہیں۔

ہیرے تراشے بغیر خوبصورت نہیں معلوم ہوتے۔ دراصل ہیرا جب نیا نیا کان سے نکلتا ہے تو اسکی شکل ایک بھدّے بھورے اور بے ڈھنگے پتھر کی سی ہوتی ہے خوبصورتی کے لئے انھیں تراش کر ان پر پالش کی جاتی ہے۔ ہیروں کو تراشنے کا رواج بہت پرانا ہے۔ پرانے زمانے میں مصر و بابل کے لوگ بھی انھیں تراشنے کا ڈھنگ جانتے تھے۔ پتھر کئی طرح تراشے جاتے ہیں۔ کبھی تو انھیں گولائی میں کاٹ لیا جاتا ہے۔ کبھی ان میں کئی رُخ بنا دئے جاتے ہیں جیسا کہ عام طور پر ہیروں میں ہوتا ہے۔ جس تراش سے ہیرے میں سب سے زیادہ چمک دمک آجاتی ہے اسے "جوت" کہتے ہیں۔ تم نے اکثر لوگوں کو ہیرے کی جوت کا ذکر کرتے سنا ہوگا۔

مشہور ہندوستانی سائنسداں سر سی، وی رمن اپنی قیمتی سائنسی تحقیقات پر نوبل پرائز حاصل کر چکے ہیں۔ اس تصویر میں وہ بنگلور میں اپنی لیبوریٹری کے باہر نظر آ رہے ہیں۔ ان کے ہاتھ میں ہیرے کا ایک نمونہ ہے جس میں ایٹموں کی ترتیب دکھائی گئی ہے۔

تراش کے کام میں بڑے ہنر اور ہوشیاری کی ضرورت ہوتی ہے۔ کاریگر ہاتھوں میں چمڑے کے دستانے پہنے رہتے ہیں۔ پہلے تو ہیروں کے پہلو تراشے جاتے ہیں اس کے بعد لوہے کے ایک پہیے سے اس پر پالش کی جاتی ہے۔ اس پہیے پر پسا ہوا ہیرا اور تیل لگا ہوتا ہے۔ یہ کام بہت آہستہ آہستہ ہوتا ہے اور ذرا سی لاپرواہی سے قیمتی پتھر کا ستیاناس ہو سکتا ہے۔ بلجیئم نے اس کام کے بڑے بڑے کاریگر پیدا کئے ہیں اور بلجیئم کی تراش سے ہیرے کی چمک دوبالا ہو جاتی ہے۔

ہیرے قیراط کے وزن سے تولے جاتے ہیں۔ ۱۵۱ ہیرے کی قیراط سے کچھ زیادہ وزن ایک اونس کے برابر ہوتا ہے جس قیراط کے حساب سے سونا تولا جاتا ہے وہ اس سے مختلف ہوتی ہے۔

سچّے ہیرے پر ریتی سے کوئی نشان نہیں پڑ سکتا۔ اور مصنوعی ہیرے پر ریتی نشان ڈال دیتی ہے۔ ہیرا سارے پتھروں میں سب سے زیادہ سخت ہوتا ہے اور ہیرے کے علاوہ کسی چیز سے نہیں کٹ سکتا۔ لیکن ہیرے سے ہر چیز کٹ سکتی ہے۔ مثلاً شیشہ کاٹنے کے لئے ہیرا ہی استعمال کیا جاتا ہے۔

(باقی صفحہ ۵ پر)

کدّو میاں اسکول جاتے ہیں

کدّو میاں ایک بہت دلچسپ ننھے گدھے ہیں۔ انکے سلیٹی رنگ کے بال ہیں۔ بڑی آنکھیں ہیں اور لمبے لمبے حسین کان ہیں۔ ان کی آواز بھی بہت گرج دار ہے۔ کدّو میاں بہت رحم دل ہیں۔ لیکن ان میں ایک کمزوری ہے وہ سوچتے بعد میں ہیں اور کام پہلے کرتے ہیں۔ اور تمہیں معلوم ہی ہے یہ طریقہ اُلٹا ہے ؞

۷

اب کدّو میاں کے اسکول جانے کا وقت ہے
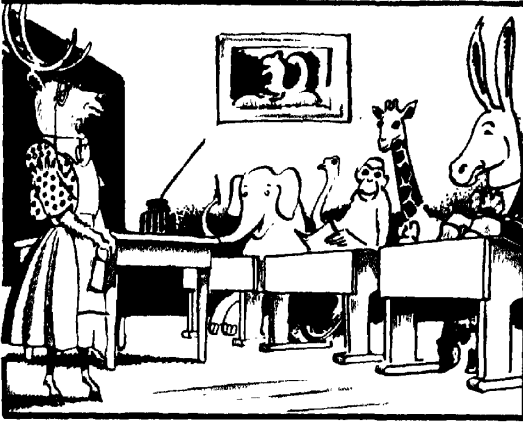
کدّو میاں ان طالب علموں کے ساتھ بہت خوش ہیں۔ انھیں اپنی نوجوان استانی بھی بہت پسند ہیں۔ وہ انتہائی کوشش کرتے ہیں کہ بہت نیک گدھے بنے رہیں۔

جب استانی کدّو میاں کو اپنی میز کے پاس بلا کر ان کا نام، پتہ اور عمر پوچھتی ہے تو وہ بہت فخر محسوس کرتے ہیں۔

لیکن افسوس ! ایک مکھی نے ان کی پیٹھ کو گدگدانا شروع کیا۔ انھوں نے اسے اُڑانے کے لئے اپنی دم ہلائی اور ایک وار میں استانی کی عینک اس کی ناک سے گر پڑی اور دوات میز سے۔ اس کی ساری کتابیں خراب ہوگئیں اس کے خوبصورت سفید لباس پر روشنائی کے دھبے پڑ گئے اور کدّو میاں ذلیل ہوئے ؞

بچّی کہانی

شاعرِ ٹیگور

از

اوشا راجیندر ناتھ

اگست ۱۹۴۱ء کی ساتویں تاریخ ہندوستان کے لئے بہت بُری تھی کیونکہ اس دن شاعرِ اعظم ٹیگور ہم سے جدا ہوگیا۔

مئی ۱۸۶۱ء میں ایک اور ساتویں تاریخ کو دیوندر ناتھ ٹیگور کے گھر میں ایک لڑکا پیدا ہوا تھا۔ یہ رابندر ناتھ تھا۔ جس کا پیار کا نام ربی تھا۔ یہ چودہ بھائی بہنوں میں سب سے چھوٹا تھا۔

یہ کیسی عجیب بات معلوم ہوتی ہے کہ لمبی سفید ڈاڑھی والا وہ بزرگ اور محترم شاعر جس کی دنیا نے ہمیشہ عزت کی اور جسے دنیا کا سب سے بڑا اعزاز یعنی ادب کا نوبل پرائز ملا، وہ ایک دن تم نونہالوں کی طرح ایک ننھا بچّہ تھا۔ وہ شوخیاں کرتا تھا، شریر تھا، ماسٹروں کے پاس سے بھاگ آتا تھا، دودھ پینے سے جی چراتا تھا اور اپنے درزی سے کہہ کر کوٹ میں بہت جیبیں لگواتا تھا تاکہ ان میں پتھر اور الا بلا بھر سکے۔ لیکن یہ سب باتیں سچ ہیں اور تم ٹیگور ہی کی کتابوں "میرا بچپن" اور "میری یادیں" میں ان کی بابت پڑھ سکتے ہو۔

ٹیگور کا بچپن بہت سادگی سے گزرا۔ اس کے پاس بہت تھوڑے کھلونے تھے اور ٹیگور کے خیال میں یہ اچھی بات تھی کیونکہ کھلونوں کی زیادتی سے بچّہ ان کا محتاج ہوجاتا ہے۔ اور جو بچّہ کھیل کے طریقے خود سوچنے کے لئے آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے وہ نئی نئی باتیں سوچنے کا عادی ہوجاتا ہے۔

"بچے! تو صبح سے خاک میں بیٹھا ہوا اس ٹوٹی ہوئی شاخ سے کھیل رہا ہے اور کتنا خوش ہے!

میں اس چھوٹی سی ٹوٹی ہوئی شاخ کے ساتھ تیرے کھیل پر خوش ہوں!"

دوسرے بچّوں کی طرح ربی بھی اپنے باپ کے گھر کے بڑے پھاٹکوں کے باہر اکیلا بھاگ کر سڑک کے شور و شغب میں پہونچ جانا چاہتا تھا۔ اس کے برآمدے کے ایک کونے سے ستمبر ک نظر آتی تھی۔ یہ کونا ہمارے شاعر کو بہت پسند تھا۔ یہیں بیٹھ کر وہ کہانیاں اور نظمیں لکھتا تھا۔ اس نے بہت چھوٹی عمر سے نظمیں لکھنی شروع کردی تھیں۔ اور بلا جھجک انھیں پڑھا کرتا تھا۔ اس نے بچوں کا ایک کھیل ایجاد کیا تھا جس کے لئے اس نے یہ شعر لکھا تھا۔

شیرنی شیرنی اب تمہارا کاٹ دیا سر
شیرنی شیرنی اب تم گئیں مر

پھر اسکول کے دن آئے۔ ربی نے اسکول جانے کے لئے ضد کی اور رویا۔ اور جب وہ اسکول پہونچ گیا تو وہ وہاں سے واپس آنے کے لئے اور بھی رویا چلّایا۔ اسے اسکول کچھ پسند نہیں آیا۔ ماسٹر سنگدل تھے اور ان میں ہمدردی کی کمی تھی۔ اسکول کے قانون سخت تھے اور پڑھائی بالکل بے مزہ۔

ٹیگور ان باتوں کو کبھی نہیں بھولا۔ بعد میں اس نے خود اپنے باپ کے گاؤں میں ایک اسکول کھولا اور اس کا نام شانتی نکیتن رکھا۔ شانتی نکیتن کے معنی ہیں "امن کی جگہ"۔

یہ اسکول بڑھکر وشوا بھارتی یونیورسٹی ہوگیا۔ یہاں کلاسیں کھلی ہوا میں پیڑوں کے نیچے لگتی ہیں۔ درجوں میں نہ تو وہ قید ہے نہ وہ سخت قانون اور بید کی سزائیں جن سے ٹیگور کو اپنے بچپن میں مقابلہ کرنا پڑا تھا۔ ٹیگور جی ساری عمر شانتی نکیتن میں رہے اور طالب علموں کے لئے گانے، ڈرامے، اور نظمیں لکھتے رہے۔ انھوں نے اپنے کئی ڈراموں میں طالب علموں کے ساتھ خود بھی حصہ لیا۔ اپنی کتاب "طوطے کی تعلیم" میں انھوں نے تعلیم کے پرانے طریقوں کا مذاق اڑایا ہے اور اسکولوں کو پھر از خوشی کی جگہ بنانے کی کوشش کی ہے۔

ٹیگور اس دور میں دنیا کے سب سے بڑے شاعروں میں گنے جاتے ہیں۔ جب تم بڑے ہوجاؤ گے اور ان کی شاعری سمجھنے لگو گے تو تمہیں اندازہ ہوگا کہ وہ نیچر کے حسن کو کتنی اچھی طرح بیان کرتے ہیں۔ انھوں نے لکھا ہے کہ اپنے بچپن میں وہ گھاس پر جھلکتی ہوئی شبنم کو دیکھنے اور پھولوں کی بھیگی ہوئی پنکھڑیاں چھونے کے لئے باہر بھاگ جایا کرتے تھے۔

ٹیگور بہت بڑے شاعر ہی نہیں تھے بلکہ وطن کے بہت بڑے پجاری بھی تھے۔ ان کی بڑی خواہش تھی کہ اپنے ملک کو آزاد دیکھیں۔ انھوں نے بنگالی زبان میں آزادی پر ایک بڑی خوبصورت نظم لکھی ہے جو ان کی سب سے مشہور نظموں میں سے ہے۔ اس کے چند شعر یہ ہیں ؎

"جہاں دماغ کو کوئی ڈر نہیں ہوتا،

(باقی صفحہ ۲۰ پر)
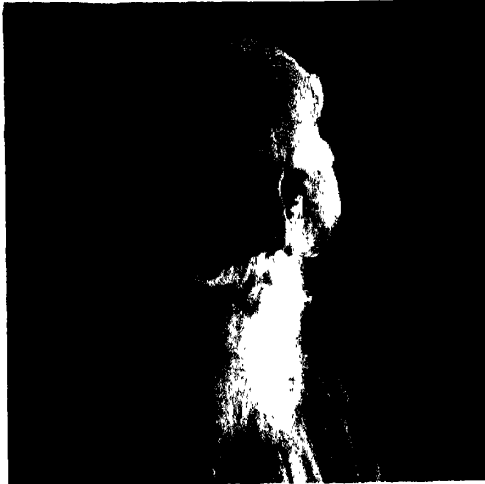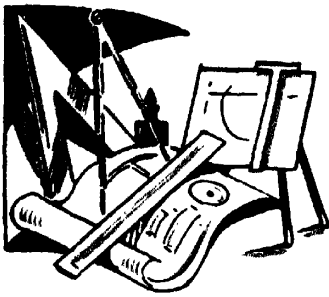
کل کی باتیں
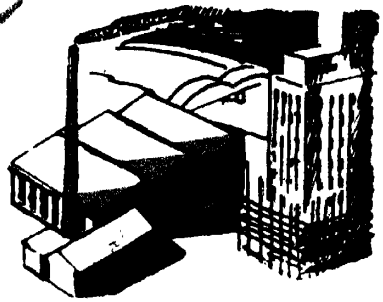
عزیز بھانجو اور بھانجیو!

پچھلے چند مہینوں سے تم ادارہ اقوام متحدہ کا نام سُن رہے ہو جسے یو، این، او بھی کہتے ہیں۔ لڑائی کی وجہ سے جن جن آفتوں کا سامنا کرنا پڑا اس سے ثابت ہوگیا کہ جنگ کتنی بھیانک چیز ہے۔ اور آئندہ کسی قیمت پر بھی دوبارہ لڑائی نہیں ہونی چاہئے۔ اسلئے بہت سی قوموں نے مل کر ادارۂ اقوام متحدہ کی بنیاد ڈالی اور دنیا میں امن قائم رکھنے کا بیڑا اٹھایا۔

اسکا پہلا اجلاس اس سال ۱۰ جنوری کے دن ہوا۔

اس ادارے کے چھ حصے ہیں۔ جنرل اسمبلی۔ سلامتی کی کونسل۔ اقتصادی اور سماجی کونسل۔ متولی کونسل۔ بین الاقوامی عدالت اور سکریٹریٹ۔

جنرل اسمبلی مرکزی جماعت ہے اور اسکے اختیارات بہت وسیع ہیں۔ ادارے کے مختلف شعبوں کے لئے ممبر بھی اسمبلی چنتی ہے۔ اسے نئے ممبر بھرتی کرنے کا یا نکال دینے کا اختیار ہے۔ اگر کوئی نیا جھگڑا کھڑا ہو جائے تو اسکا فیصلہ بھی جنرل اسمبلی کو کرنا پڑتا ہے۔ دنیا میں امن قائم رکھنے کے متعلق تجویزوں پر غور کرنا بھی جنرل اسمبلی کے ذمے ہے۔ ہر قوم اسمبلی کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کر سکتی ہے۔ لیکن جس معاملے پر سلامتی کی کونسل غور کرے گی اس میں جنرل اسمبلی دخل نہیں دے سکتی۔ اسمبلی میں ہر قوم کا ایک ووٹ ہوتا ہے اور جب تک دو تہائی ممبر کسی تجویز کے حق میں ووٹ نہ دیں، اہم تجویزیں منظور نہیں ہو سکتیں۔ اسمبلی کا اجلاس عموماً سال میں ایک دفعہ ہی ہوگا۔ لیکن ممبروں کی اکثریت چاہے تو درمیانی زمانے میں بھی اجلاس ہو سکتا ہے۔

سلامتی کی کونسل میں ۱۱ ممبر ہیں۔ ان میں سے پانچ یعنی روس۔ چین۔ امریکہ۔ فرانس۔ اور برطانیہ مستقل ممبر ہیں۔ باقی کے چھ ممبروں کا چناؤ جنرل اسمبلی ہر دو سال بعد کریگی۔

کونسل کا اجلاس ہمیشہ جاری رہتا ہے، اور لڑائی کا خطرہ ہوتے ہی کونسل فوری کارروائی کر سکتی ہے۔ جھگڑے کی صورت میں یہ دونوں قوموں میں سمجھوتہ کرانے کی کوشش کریگی۔ اور یہ کوششیں کامیاب نہ ہوئیں تو جس قوم کی زیادتی ہوگی اس سے تمام دوسرے ملک خشکی، ہوا، ڈاک اور سمندری تعلقات توڑ ڈالیں گے۔ دُنیا میں امن رکھنے کی غرض سے کونسل ظالم ملکوں پر حملہ بھی کر سکتی ہے۔ اس کام میں پانچ بڑی قوموں کے فوجی افسر اعلیٰ مدد کریں گے۔ ایسے اہم فیصلے کم از کم سات ممبروں کی منظوری کے بغیر نہیں کئے جاسکتے جن میں پانچ مستقل ممبروں کا ووٹ ضروری ہے۔

اقتصادی اور سماجی کونسل کے ۱۸ ممبر ہیں۔ جنکا چناؤ جنرل اسمبلی کریگی۔ یہ کونسل دنیا کے حالات بہتر کرنے اور معیار زندگی بلند کرنے کی کوشش کرے گی۔ بچوں کی فلاح و بہبود اور بیکاری کے مسئلے کو بھی حل کرے گی۔

متولی کونسل ان علاقوں کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیگی جو خود مختار نہیں یا دشمن کے قبضے میں تھے۔

تم نے دیکھا کہ ادارۂ اقوام متحدہ کتنی طاقتور جماعت ہے۔ اگر اس کے تمام ممبر مل جل کر کام کریں تو دنیا سے جنگ کا خطرہ بالکل دُور ہو جائے۔ اور ہم لوگ نہایت آرام سے رہ سکیں۔

یو۔این۔او

یو۔این۔او کے ایک اجلاس میں ایک ممبر کی تقریر۔ اونچے پلیٹ فارم پر جو تین آدمی بیٹھے ہیں ان میں بیچ والے یو۔این۔او کے صدر مسٹر اسپاک ہیں جو بلجیم کی نمائندگی کرتے ہیں۔

یو۔این۔او میں ہندوستان کے نمائندے سر کرشناماچاری اور سر راماسوامی مدالیار

سعودی عرب کے امیر فیصل جو یو۔این۔او کے ایک ممبر ہیں۔

ویسٹ منسٹر لندن کے سنٹرل ہال کا باہری منظر۔ اس ہال میں یو۔این۔او کے اجلاس ہوا کرتے تھے۔ دروازے کے اوپر مختلف قوموں کے جھنڈے لگے ہوئے ہیں اور سامنے بہت سے

آسام

چائے کے ایک باغ میں چائے توڑنے والی لڑکی

آسام کا صوبہ ہندوستان کے شمال مشرقی کونے پر واقع ہے جہاں ہندوستان، تبت، برما اور چین کی سرحدیں ملتی ہیں۔ آسام کی ٹھنڈی اور صحت بخش آب و ہوا چائے کی کاشت کے لئے بہت مفید ہے۔ آسام، دریا، اونچے پہاڑ اور چمکتے ہوئے آبشاروں کی سرزمین ہے۔ اسے چائے اور آبشاروں کا ملک بھی کہتے ہیں۔ برہم پتر جو ہندوستان کے سب سے بڑے دریاؤں میں سے ہے، آسام میں ہو کر بہتا ہے۔

آسام کا رقبہ ساٹھ ہزار مربع میل ہے۔ یہاں کے گھنے جنگلوں میں ہاتھی، گینڈے، جنگلی بھینسے، ہرن، چیتے اور سانپ افراط سے پائے جاتے ہیں۔ مشرقی آسام پہاڑی علاقہ ہے جہاں گارو، ناگا اور کوکی نامی پہاڑی قبیلے آباد ہیں۔

آسام کا دارالسلطنت شیلانگ ہے جو سطح سمندر سے پانچ ہزار فٹ اونچی ایک پہاڑی ڈھلان پر بسا ہوا ہے۔

آسام کے گ[illegible]

ناگا قبیلے کا ایک سپاہی ←
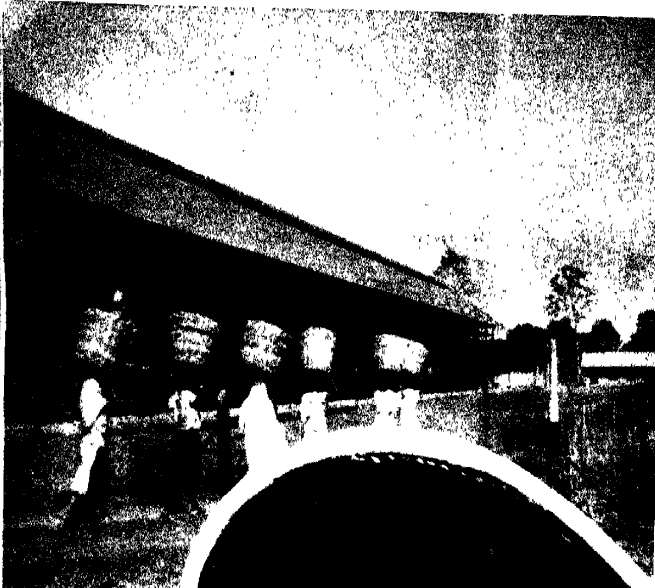
چائے توڑنے والی لڑکیاں چائے کی پتیوں سے
بھری ہوئی ٹوکریاں لئے باغ سے لوٹ رہی ہیں

منی پور کی رقاصہ بھی پرانے رقص کے لباس میں
منی پوری ناچ ہندوستان بھر میں مشہور ہیں۔

...یلانگ میں "آبث ریلی فنیٹ" کا نظارہ

...ں ہاتھی ہی سامان لانے اور لیجانیکا کام کرسکتے ہیں۔

نکسال
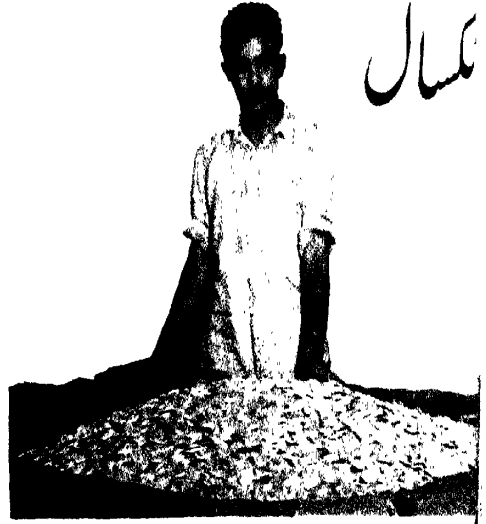
دمکتے ہوئے روپوں کا ایک ڈھیر جنکی تصویر تھیلیوں میں بند ہونے سے پہلے لی گئی ؛

روپے پر ٹھپہ لگانے کے لئے سانچے تیار ہو رہے ہیں۔ استعمال کرنے سے پہلے ان سانچوں کی
ہ ذرا ذرا سی خرابیاں دور کی جاتی ہیں ؛

پے بنانے کی آخری منزل وہ ہوتی ہے جب ان پر ٹھپہ لگایا جاتا ہے۔ ٹھپہ لگانیکی مشین میں
ی ٹکیاں ڈالی جاتی ہیں اور مشین کے نیچے لکڑی کے ایک بکس میں چمکتے ہوئے روپوں کی ایک

دھات کی سادی چادر میں سے گول ٹکیاں کاٹی جا رہی ہیں ؛

ہماری خدمت کرنے والے

ٹکسال

(از عزیز احمد)

روپیہ بڑی کار آمد چیز ہے۔ تمنے بھی اپنی جیب میں سکے کھنکاتے ہوئے یہ بات کئی بار سوچی ہوگی۔ اور تم نے یہ بھی سوچا ہوگا کہ جو لوگ روپیہ بناتے ہیں وہ کتنے عجیب ہوں گے۔ دراصل حکومت ہی کو روپیہ بنانے کا اختیار ہوتا ہے اور جہاں روپیہ بنایا جاتا ہے اس جگہ کو ٹکسال کہتے ہیں۔ روپیہ بنانے کا سارا عمل بہت دلچسپ ہوتا ہے۔ آؤ شروع سے اسے دیکھیں۔

روپیہ بنانے سے پہلے دھات کی سادی چادریں اور دھات کے سانچے بنائے جاتے ہیں۔ ان سانچوں میں وہی حروف اور ہندسے بنے ہوتے ہیں جو سکے کے دونوں طرف چھاپنے ہوتے ہیں۔ ایک سانچے سے تقریباً پچاس ہزار سکے ڈھالے جا سکتے ہیں۔ اسکا مطلب یہ ہوا کہ ایک سانچہ بارہ گھنٹے کام کرنے کے بعد گھس جاتا ہے اور مشین میں نیا سانچہ لگانا پڑتا ہے۔

سادی چادریں بنانے کے لئے کئی دھاتوں کو بڑی تیز آنچ پر کسی برتن میں پگھلا لیا جاتا ہے۔ پھر گرم کر کے یہ چادریں ملائم کر لی جاتی ہیں۔ اس کے بعد انھیں فولاد کے بیلنوں میں دبا کر لمبی لمبی پٹیوں کی شکل میں ڈھال لیا جاتا ہے۔ کاریگروں کو بہت ہوشیار رہنا پڑتا ہے کہ دھات کی پٹیوں کی موٹائی بالکل ٹھیک ہو۔ اگر موٹائی میں کچھ بھی کمی بیشی رہے تو پٹیوں کو پھر سے پگھلا کر ڈھالا جاتا ہے لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے۔

اب دھات کی یہ پٹیاں ایک خاص قسم کی مشین میں ڈالی جاتی ہیں جو ان میں سے چپٹی اور سادی ٹکیاں کاٹ دیتی ہے جو دھات بچ جاتی ہے اسے پگھلا کر پھر سے استعمال کرتے ہیں۔ لیکن یہ سادی ٹکیاں اتنی سخت ہوتی ہیں کہ ان پر سانچوں کے نشان نہیں چھپ سکتے۔ اسلئے انھیں تیزی کے ساتھ ایک بھٹی کے اوپر سے گذارا جاتا ہے۔ اس سے وہ اتنی ملائم ہو جاتی ہیں کہ آسانی سے ان پر سانچوں کے نشان چھپ سکتے ہیں۔ ملائم ہونے کے بعد ٹکیاں اس مشین میں جلنے کے لئے تیار ہوتی ہیں جو انھیں سکوں کی شکل میں ڈھالتی ہے۔ لیکن اس سے پہلے ان پر پالش کی جاتی ہے۔ اس کام کے لئے انھیں ایک پیپے میں ڈالا جاتا ہے۔ جس میں دھات کے بے شمار چھوٹے چھوٹے ریزے ہوتے ہیں۔ پیپا بڑی تیزی سے گھومتا ہے اور دھات کے ریزوں کی لگاتار رگڑ سے ٹکیوں پر بڑی چمک آجاتی ہے۔

اب ان ٹکیوں کو دھات کے ریزوں سے الگ کرنا ہے۔ اس لئے انھیں چھلنیوں میں ڈالا جاتا ہے جس میں ٹکیاں رہ جاتی ہیں اور دھات کے ریزے سوراخوں سے گر جاتے ہیں۔

پھر پالش کی ہوئی ٹکیاں سکے بنانے کی مشین میں ڈالکر دو سانچوں کے بیچ میں دبائی جاتی ہیں اور سانچوں پر بنے ہوئے حروف اور نشان ان پر اتر آتے ہیں۔ اب سکہ تیار ہے۔ ان سکوں کی ایک چمکتی ہوئی دھار مشین کے نیچے لگے ہوئے ایک بکس میں گرتی رہتی ہے۔

لیکن ابھی ان سکوں کو ٹکسال کے باہر نہیں بھیجا جائیگا۔ کاریگر ہر سکے کو جانچیں گے تاکہ صرف بالکل ٹھیک سکے باہر جائیں۔ جانچنے کا طریقہ بھی بہت دلچسپ ہے۔ کاریگر زمین پر بیٹھ جاتے ہیں اور سکے ان کے سامنے ایک قسم کی کتاب پر پھیلا دئے جاتے ہیں۔ یہ کتاب لکڑی کے دو تختوں کو قلابوں سے جوڑ کر بنائی جاتی ہے۔ سکے کتاب کے ایک طرف پھیلا دئے جاتے ہیں۔ انھیں جانچنے کے بعد کتاب بند کر دی جاتی ہے اور اسے دوسرے رُخ سے کھولا جاتا ہے۔ اس طرح سکے کے دونوں رُخ تیزی سے جانچ لئے جاتے ہیں۔ کچھ اور کاریگر سکوں کی ڈھیریاں ہتھیلیوں میں لے کر ان کے سرے جانچ لیتے ہیں۔

ڈبوں میں بند کرنے سے پہلے سکے گنے جاتے ہیں۔ گننے کے لئے ایک خاص قسم کی مشین ہوتی ہے۔ اس مشین میں ایک گول چپٹی پلیٹ ہوتی ہے جس میں چالیس سوراخ ہوتے ہیں۔ یہ پلیٹ گھومتی رہتی ہے۔ جتنی دفعہ یہ گھومتی ہے چالیس سکے اسکے سوراخوں کے رستے دھات کی ایک نلکی میں ہو کر کاغذ کے ایک ٹکڑے پر جا گرتے ہیں۔ ایک خودبخود چلنے والی مشین ان سکوں کو کاغذ میں لپیٹ دیتی ہے۔

سکوں کے ہر پیکٹ کو ٹھیک ٹھیک تولا جاتا ہے۔ اس کے بعد انھیں بکسوں میں بند کر کے ریزرو بنک بھیج دیا جاتا ہے۔ وہاں سے وہ مختلف بنکوں میں تقسیم کر دئے جاتے ہیں۔ اگر تمہیں بالکل نئے سکے کی ضرورت ہو تو تم بنک سے لے سکتے ہو۔

جو لوگ ٹکسال میں کام کرتے ہیں انھیں ہر گھڑی ہوشیار رہنا پڑتا ہے۔ ان کا کام بڑی ذمہ داری کا ہوتا ہے۔ کبھی کبھی انھیں رات دن کام کرنا پڑتا ہے تاکہ لوگوں کی ضروریات کے لئے کافی سکے بنا سکیں۔ انھیں ہمیشہ ٹھیک کام کرنا پڑتا ہے کیونکہ اگر سکے کے سائز یا موٹائی میں ذرا سا فرق رہ جائے تو دن بھر کے کام کے بعد جب مشین ہزاروں سکے ڈھال دیتی ہے، سیکڑوں روپے بیکار ہو جائیں۔ کاریگروں کو بہت ایماندار ہونا چاہئے تاکہ وہ کوئی سکہ اپنے استعمال کے لئے نہ لے جائیں۔

ہمارے ملک میں ٹکسال کلکتہ اور بمبئی میں ہیں۔ لڑائی کے زمانے میں چھوٹے سکوں کی بڑھتی ہوئی ضرورت پوری کرنے کے لئے ایک ٹکسال لاہور میں کھولی گئی تھی۔ شاید تم ان میں سے کسی شہر کو جاؤ تو تمہیں ٹکسال دیکھنے کا موقع ملے ٭
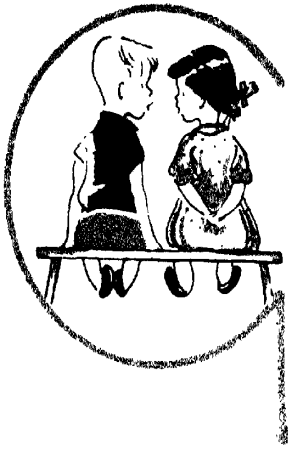
بگ بین ایک کارخانے کے برابر ہے

بگ بین اس مشہور گھڑی کا نام ہے جو ویسٹ منسٹر کے ایک مینار میں تین سو ساٹھ سیڑھیوں کی اونچائی پر لگی ہوئی ہے۔ اس میں چار رُخ ہیں۔ ہر ایک کی چوڑائی ۲۳ فٹ ہے یعنی ایک دروازے کی چوڑائی سے دس گُنی۔ منٹ کی سوئیاں ۱۴ فٹ لمبی ہیں جو ایک معمولی کمرے کی اونچائی سے زیادہ ہے۔ پنڈولم کا وزن ۴۵۰ پونڈ ہے۔ گھنٹوں کے حروف دو فٹ لمبے ہیں اور منٹ کے نشان ایک فٹ مربع کے برابر ہیں۔ منٹ کی سوئی ہر دفعہ چھ انچ کھسک جاتی ہے۔ بگ بین کا گھنٹہ ۸ فٹ اونچا اور ½۹ فٹ چوڑا ہے۔ اس کا وزن ½۱۳ ٹن ہے اور یہ سولہ سو فٹ لمبی زنجیر سے لٹکا ہوا ہے۔ جو ہتھوڑا اس گھنٹے کو بجاتا ہے وہ ۴۵۰ پونڈ وزن کا ہے۔ دو آدمی پانچ گھنٹے تک اس میں چابی بھرتے ہیں تب اسکا گھنٹہ بجتا ہے۔

دنیا کی سب سے چھوٹی چیز کون ہے؟

اب تک جتنی چیزوں کا پتہ چلا ہے ان میں سب سے چھوٹے الکٹرون یا وہ اجزا ہیں جن سے مل کر ایٹم بنتے ہیں۔ یہ نظر نہیں آتے۔ اگر ہم بہت طاقتور خوردبین سے بہترین قسم کی روشنی میں دیکھیں تو چھوٹی سے چھوٹی چیز جو ہم دیکھ سکیں گے وہ ایٹم سے پانچ ہزار گنی بڑی ہوگی۔ اور ایک ایٹم الکٹرون سے اتنا بڑا ہوتا ہے جیسے ایک ذرے کے مقابلے میں کوئی بڑا گولہ!

چھچھوندر کھدائی کی مشین ہوتی ہے؟

زمین کھودنے میں چھچھوندر سب جانوروں سے زیادہ تیز ہوتی ہے۔ اس کے پنجے بیلچے کی طرح ہوتے ہیں اور اگلے پیر بہت مضبوط ہوتے ہیں۔ زمین کھودنے میں جو مٹی اس کے جسم پر گرتی ہے۔ اسے اس کی ملائم اور موٹی کھال جھٹک کر ہٹا دیتی ہے۔ چھچھوندر کی گذر کیڑوں مکوڑوں پر ہوتی ہے۔ اگر اسے بارہ گھنٹے تک کچھ کھانے کو نہ ملے تو فاقے سے مر جائے۔

ستارہ ماہی کی تعداد بڑھتی رہتی ہے؟

ستارہ ماہی ایک مچھلی کو کہتے ہیں۔ اس کے پانچ یا چھ بازو ہوتے ہیں جو چھوٹے سے پیٹ میں لگے ہوتے ہیں۔ یہ دیکھنے میں ستارے کی طرح لگتی ہے۔ اگر ستارہ ماہی کا ایک بازو ٹوٹ کر جسم سے الگ ہو جائے تو اس میں چار یا پانچ بازو اور اُگ آتے ہیں اور وہ ایک الگ ستارہ ماہی ہو جاتی ہے۔

سب سے بڑا شکاری پرند کون سا ہے؟

جن پرندوں کو شکار کی تعلیم دی جاتی ہے ان میں سب سے بڑا شاہین ہے جو سب سے شاندار اور خوبصورت پرندوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ ہندوستان میں اس کے ذریعہ ہرن اور بڑے بڑے جانور پکڑے جاتے ہیں۔ اس کی عمر اکثر ساٹھ سال سے زیادہ ہوتی ہے۔

وہ اسکول جارہا ہے۔ وہاں سے وہ کیا لے کر آئے گا؟ نئی معلومات، نئے اطوار اور شاید
کسی بیماری کے جراثیم۔ ماں اپنے چھوٹے سے بچے کو ان سب چیزوں کی حفاظت میں بھیجتی ہے
جو اس نے اسے سکھائی ہیں۔ سب سے زیادہ اہم لائف بوائے صابن کا روزانہ استعمال ہے،
جو میل کے اس خطرہ سے حفاظت کرتا ہے جو تندرست سے
تندرست بچوں کو بھی جراثیم اور بیماری کے متعلق لاحق رہتا ہے۔

لائف بوائے ایک اچھا صابن ہی نہیں بلکہ
ایک اچھی عادت ہے۔

LIFEBUOY SOAP

L. 78-23 UD

LEVER BROTHERS (INDIA) LIMITED

بچّوں کی پھُلواری

ـــــــ(از سلام مچھلی شہری)ـــــــ

(دو رسے دو نرم آوازیں)

پہلی آواز :ـــــ پھولوں پر نکھار ہے ـــــ ہر طرف بہار ہے ـــــ اور ہوا کے ہاتھ میں صبح کا ستار ہے!

دوسری آواز ـــــ باغ دل لُبھائے ہے ـــــ بھنورا گنگنائے ہے ـــــ چُپکے چُپکے ہر طرح کا پھُول مسکرائے ہے!

(چمیلی)

آ جا رے بھنورے میرے پاس ـــــ

میں ہوں چمیلی

نئی نویلی

ٹھنڈی ہوا کے گود کی کھیلی!

اپنے من کو سمجھا لے بھنورے ـــــ آ جا رے بھنورے!

آ جا رے بھنورے میرے پاس!

(بھنورا)

تیرے پاس نہیں آؤں گا ـــــ

اُجلا اُجلا روپ ہے تیرا

جس میں کوئی رنگ نہیں

جانے کیوں اے ننھی چمیلی!

میرے من میں ترنگ نہیں!

تیری مہک اچھی ہے لیکن

رُوپ انوپ کہاں پاؤں گا

تیرے پاس نہیں آؤں گا!

(چمپا)

آ جا رے بھنورے میرے پاس ـــــ

گھنے گھنے پات میں کب سے چھپی راہ تکوں

مالی موہے "چمپا" کہے، میں بیچاری کچھ نہ کہوں

کیسے اکیلی رہوں ـــــ ؟

گیت کوئی گا جا رے بھنورے ـــــ آ جا رے بھنورے!

آ جا رے بھنورے میرے پاس ـــــ!

(بھنورا)

گھنے گھنے پتوں میں کون تجھے ڈھونڈے ـــــ ؟

رنگ میں دکاش نہیں۔ روپ نہیں چنچل
بھاتے نہیں مجھ کو یہ ہرے ہرے آنچل
نیناں بنا کاجل ــــــ!
سادے جھرکوں میں کون تجھے ڈھونڈے
گھنے گھنے پتّوں میں کون تجھے ڈھونڈے

(گیندا)

آجا رے بھنورے میرے پاس ــــــ!
گیندا مورا نام ہے
ہنسنا ــــ مُسکانا
پیلے دوپٹے ہوا میں اُڑانا
میرا پیارا کام ہے
آجا یہ شام ہے
"گیندا" مورا نام ہے
من کی لگن پا جا رے بھنورے ــــ آجا رے بھنورے!
آجا رے بھنورے! میرے پاس!

(بھنورا)

نہیں نہیں تیرے پاس کاہے کو آؤں ــــــ
تیرا بھاؤ پیارا نہیں
تو بھی سنہرا نہیں
تیرے پاس میرے لئے کوئی سہارا نہیں
کیسے بھلا گاؤں
نہیں نہیں۔ تیرے پاس کاہے کو آؤں!؟

(گلاب)

آجا رے بھنورے! میرے پاس ــــــ!
تازہ گلاب ہوں
پھولوں کی دنیا میں میں لاجواب ہوں
چہرہ گلابی
پلکیں ربابی
میں تیرے منڈلاتے جیون کا خواب ہوں
تازہ گلاب ہوں!
میرے پاس رُکے اترا جا رے بھنورے ــــ آجا رے بھنورے!

(بھنورا)

روپ بھی تجھ میں۔ رنگ بھی تجھ میں۔
جیون کا ہے ترنگ بھی تجھ میں
پھر بھی سندرتا کا پجاری ــــــ جاتا ہے
پیار کے گیت سناتا ہے
منڈلاتا ہے ــــــ جاتا ہے!
راہ تکے ہے اک پھلواری
میں ہوں سندرتا کا پجاری ــــــ!!

سوداگر کی بیٹی

(۳)

موتی کو ایک کمرے میں لیجایا گیا جہاں طرح طرح کی قندیلیں، قمقمے، رنگ برنگے پرندے اور گلدان بہار دے رہے تھے، وہ پانچ کمروں میں داخل ہوئی لیکن کوئی بھی نظر نہ آیا۔ آخر وہ ایک فوارے کے پاس پہنچی جسے دیکھ کر بدصورت تاتاری کا خیال اس کے دل سے بالکل نکل گیا۔ یہاں گانے کی سکون بخش آوازیں آرہی تھیں، لیکن وہ اکیلی نہ تھی۔ اس نے دیکھا کہ ایک چینی آدمی بھی بیٹھا ہے، موتی کو دیکھ کر وہ مسکرایا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ شخص بولا:۔

"تم ہی موتی ہو؟"

"ہاں۔ میں ہی پیکو کی لڑکی موتی ہوں۔ تمہیں معلوم ہے بدصورت تاتاری کہاں ہے؟

وہ شخص ہنسا۔ "کیا تم اسے دیکھنا چاہتی ہو؟" "ہاں اور نہیں" موتی بولی۔

"تمہارا خیال ہے کہ میں بہت بدصورت آدمی ہوں موتی؟" "نہیں تم تو میرے باپ جیسے ہی ہو۔ مجھے سردار کے پاس لے چلو۔"

اچھا! چلو، یہ کہہ کر وہ کمرے کے دوسرے سرے پر پہنچے، جہاں آئینہ لگا ہوا تھا۔ موتی نے اپنا اور اس شخص کا عکس اس میں دیکھا۔

"میں ہی بدصورت سردار ہوں۔" وہ شخص بولا۔

"جونہی قندیل یہاں لائی گئی میں اپنی اصل شکل میں آگیا۔ میں تمہارے باپ کا بھائی چانگ ہوں اور تم میری بھتیجی ہو۔ اب تمام دولت کی مالک تم ہوگی کیونکہ تم نے مجھے تاتاری صورت سے چھٹکارا دلایا ہے۔" "اب ہم دونوں ساتھ رہیں گے۔" موتی نے خوش ہو کر کہا۔ "نہیں۔" چانگ بولا۔ "ہم پیکن جائینگے۔ اور تمہارے باپ اور بہنوں کے پاس رہیں گے۔"

اب موتی واپس جانے کی تیاریاں کرنے لگی۔

تمام پیکن میں خبر مشہور ہو گئی کہ ایک بڑا آدمی آرہا ہے۔ ایک شخص

بازار میں دوڑا ہوا آیا اور کہا، سنو سنو تاتاریوں کے ڈھولوں کی آواز آرہی ہے، وہ آرہے ہیں۔

بڑی شان سے جلوس بازار میں سے گذرا جب لوگوں کی نظر چانگ پر پڑی تو انہوں نے خوشی سے نعرے بلند کئے کہ دانگ کا بیٹا چانگ اپنے شہر واپس آگیا۔

پیکو نے جب چانگ اور دانگ کی آوازیں سُنیں تو اس نے بھی دیکھا۔ وہ بھائی کو پہچان گیا۔ پیکو موتی سے بھی ملا۔ باپ سے ملکر موتی خوشی کے مارے رو دی۔ نارنجی اور گلابی بھی موتی کی قندیل میں گئیں۔ پیکو جلوس کے آگے آگے چیختا ہوا چلا کہ چانگ اور اسکی خوبصورت بھتیجیوں کے لئے راستہ چھوڑ دو لوگ سامنے سے ہٹ گئے اور کہا کہ خدا چانگ کے خاندان پر رحمت بھیجے۔

پھر بہت بھاری دعوت ہوئی۔ جب سب مہمان رخصت ہو گئے تو چانگ نے بھائی سے کہا۔ "تعجب ہے کہ تمنے مجھے نہیں پہچانا۔"

"یہ کیسے ممکن تھا۔ تم بالکل ریچھ معلوم ہوتے تھے۔"

"چلو خیر۔ تم نے دیکھا کہ دیوار توڑنا اچھا ہی ہوا۔"

"یہ سب موتی کی مہربانی ہے۔" پیکو بولا۔

"موتی واقعی موتی ہے۔" چانگ بولا۔ "اگر وہ نہ آتی تو میں ہمیشہ بدصورت تاتاری ہی رہتا۔"

لطیفے

ڈاکٹر:۔ تمہاری نبض بالکل گھڑی کی طرح ٹک ٹک کر رہی ہے۔
مریض:۔ لیکن ڈاکٹر صاحب آپ بجائے میری نبض کے میری گھڑی پر ہاتھ رکھے ہوئے ہیں۔

——— سیّد اختر۔ پشاور

ایک سیٹھ بہت امیر تھا لیکن کنجوس بہت تھا کبھی پیسہ نہیں خرچتا تھا ایک دفعہ اپنی جیب سے پیسہ نکال کر کہنے لگا آج میں اسے ضرور خرچ کر دوں گا۔ وہ پیسے کو اپنی مٹھی میں دبا کر بازار گیا۔ بازار جا کر اُس نے جب مٹھی کھولی تو پیسہ پسینے سے بھیگا ہوا تھا۔ وہ کہنے لگا "روتے کیوں ہو میں تمہیں اپنے پاس ہی رکھ لیتا ہوں"

ایک آدمی:۔ (بیمار دوست سے) یار! اب تمہارا کیا حال ہے۔
دوست:۔ بخار تو کل ٹوٹ گیا تھا ابھی کمر میں درد ہے۔
آدمی:۔ فکر نہ کرو کل تک وہ بھی ٹوٹ جائیگی۔

——— سبھاش چندر۔ لاہور

شاعر ٹیگور ——— بقیہ صفحہ ۸

جہاں سر بلند رہتا ہے،
جہاں علم آزاد ہوتا ہے،
——— میرے پتا
میرے دیس کو آزادی کی اُس جنت میں بیدار کر"

خدا نے ٹیگور کو اسی برس تک ہمارے پاس رہنے دیا تاکہ ہم انکی شخصیت اور شاعری سے اثر لے سکیں۔ اب وہ نہیں ہیں لیکن ان کا اثر اور ان کی شاعری ہماری کوششوں میں جان ڈالنے کے لئے موجود ہے۔

بھانجوں و بھانجیوں کے نام

عزیز بھانجو اور بھانجیو!

مجھے یہ معلوم کر کے بہت افسوس ہوا کہ بڑے پڑھنے والوں نے لکھنے کے مقابلے میں دل سے حصّہ نہیں لیا۔ صرف دو کہانیاں موصول ہوئیں۔ صرف ایک انعام بنگلور کی مریم عبد المولا کو دیا جا رہا ہے۔ انھوں نے اپنی عمر نہیں لکھی۔ جب کبھی تم مقابلے یا اشاعت کے لئے کچھ بھیجو تو اپنی عمر لکھنی مت بھولو۔ آئندہ اگر مضمون کے ساتھ اپنی عمر نہ لکھی تو اس پر غور نہیں کیا جائے گا۔ نونہال کا پہلا انعام ونیام باڑی کی قمر سلیمان کو دیا گیا ہے اور دوسرا احمد آباد کے قاضی سلیم الدین کو۔ ان تینوں کو انعام میں کتابیں بھیجی جا رہی ہیں۔

ایک اور ضروری بات یہ ہے کہ دفتر میں جو مضمون آئیں گے انھیں واپس نہیں کیا جائے گا۔ اگر مضمون نگاروں کو اپنے مضامین واپس منگانے منظور ہوں تو وہ چھ پیسے کے ٹکٹ بھیجیں۔ فقط

تمہاری خالہ
مسرت
پی۔ بی ۱۶۶ دہلی

خفیہ پیغام

دنیم تیایمیث نصم تے قبنیبا سے بی گئی ڈ ظب تذ مے جبوئی۔

عزیز بھانجو اور بھانجیو!

بہت سے بچے ہماری لیگ میں شریک ہوتے جا رہے ہیں، اکثر لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ لیگ کے اغراض و مقاصد کیا ہیں۔ نوڈے لیگ بنانے کا مقصد بچوں میں ہمدردی انسانیت اور اتفاق پیدا کرنا ہے۔ تاکہ ان میں رواداری اور دوسروں کی خدمت کا جذبہ پیدا ہو۔

ہمارے ایک ممبر ایس، اے رضا گردیزی کو فوٹو گرافی اور ٹکٹ جمع کرنے کا شوق ہے۔ وہ چاہتے ہیں کسی ایسے ہی ممبر سے خط و کتابت کریں۔ چند نئے ممبروں کے نام یہ ہیں:۔

(۱۲۵) مہندر ناتھ لدھیانہ۔
(۱۲۶) فرقان الحق نجیب آباد۔
(۱۲۷) اکبر علی خاں لیطرس رامپور۔
(۱۲۸) محمد عبدالکریم خاں ترچنا پلی۔
(۱۲۹) سعید احمد منور شمسی سہارنپور۔
(۱۳۰) مختار احمد بمبئی۔
(۱۳۱) ظہور الدین - امرتسر۔
(۱۳۲) محمد امین - کلکتہ۔
(۱۳۳) محمد زبیر علی - رام پور۔
(۱۳۴) قاضی سیّد احمد قمر - پٹنہ
(۱۳۵) محمد یوسف - کلکتہ۔
(۱۳۶) محمد امین عالم صدیقی - عل آباد۔
(۱۳۷) سعید محمد شمیم - فرخ آباد۔
(۱۳۸) فیروز بخت افروز - چاندپور۔
(۱۳۹) ممتاز حسین - مدراس۔
(۱۴۰) نور جہاں عالم پرذیں - عل آباد۔

تمہاری خالہ:۔
مسرت

فارم ممبری برائے نوڈے لیگ

خریداری نمبر ـــــــــــــــــــ
چندہ بھیجنے کی تاریخ ـــــــــــــ چندہ ختم ہونے کی تاریخ ـــــــــــــ
نام ـــــــــــــــــــ
تاریخ، مہینہ اور سال پیدائش ـــــــــــــــــــ
سرپرست کا نام ـــــــــــــــــــ
پورا پتہ ـــــــــــــــــــ
ـــــــــــــــــــ
دستخط ـــــــــــــــــــ
تاریخ ـــــــــــــــــــ

تصویر نمبر ۱ کو رکھ کر مخمل یا فر میں سے دو ٹکڑے کاٹ کر الٹی طرف سے سی لیجیے۔ صرف ٹانگوں کے

بیچ کا حصّہ اور جن حصّوں پر نقطے دار لائن ہے چھوڑ دیجیے۔ پھر سیدھا کرکے اس میں روئی بھریے۔ اور کان اور دُم جوڑیے۔ دم میں بھی تھوڑی سی رُوئی بھر کر سی ڈالیے۔ اب پیٹ سی لیجیے۔
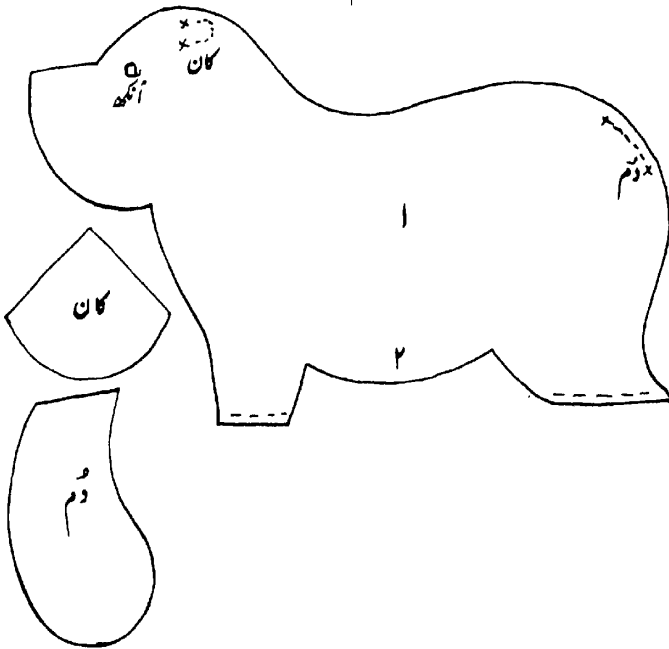
پھر لکڑی کے دو انچ لمبے اور سلیٹ کی پنسل کے برابر موٹے چار ٹکڑے لے کر ان پر مخمل لپیٹیے۔ ایک سرے پر مخمل آدھ انچ کے قریب نکلتی رہے۔ دوسرا سرا لکڑی پر چپکا دیجیے تاکہ لکڑی باہر نہ نکل آئے۔ اب فالتو سرے کو گول کرکے سی لیجیے اور پنجوں کی طرح موڑ کر دو تین ٹانکے لگا دیجیے۔ پھر دوسرا سرا ٹانگوں کی جگہ پر جوڑ کر سی لیجیے۔ ٹانگ جوڑتے وقت خیال رہے کہ پنجوں کا رخ صحیح ہو۔ ایک منکا ناک کی جگہ لگا کر اس پر گاڑھی لئی لگایئے اور نتھنوں کی جگہ اس لئی میں کیل سے دو سوراخ کیجیے۔ آنکھوں کی جگہ دو کالے موتی ٹانک دیجیے۔ منہ سیاہ رنگ کے دھاگے سے بنایئے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے

پرانے زمانے میں سونا دے کر خرید و فروخت ہوا کرتی تھی۔ ایک مرتبہ ایک مسافر کسی سرائے میں آیا اور ایک دن ٹھیرنے کا کرایہ پوچھا۔ سرائے کے مالک نے کہا ایک اشرفی روزانہ۔ لیکن یہ رقم روزانہ ادا ہونی چاہئے۔ مسافر نے کہا ٹھیک۔ میں سات دن تک ٹھیروں گا۔ ساتھ ہی اس نے یہ بھی کہا کہ میرے پاس صرف سات اشرفیوں کا ایک ہار ہے۔ اور میں روزانہ ایک اشرفی تمہیں دیا کروں گا۔ لیکن یہ شرط ہے کہ ان سات دنوں میں ہار میں سے ایک سے زیادہ اشرفی الگ نہ کی جائے۔ سرائے والے نے کہا کہ یہ ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ لیکن مسافر نے یہ معمہ حل کر دیا۔

پچھلے مہینے کے معمے

"سوال و جواب"

کا حل

سب سوالوں کے جواب صحیح دئے گئے تھے

کسان کے گھوڑے

ایک کسان تین لڑکے اور انیس گھوڑے چھوڑ کر مرگیا۔ اپنے وصیت نامے میں اس نے ہدایت کی کہ بڑے لڑکے کو کل گھوڑوں کا آدھا حصّہ، دوسرے کو ایک چوتھائی اور تیسرے کو پانچواں حصّہ ملے۔ لیکن یہ بات اس نے بالکل صاف کر دی تھی کہ بانٹنے میں آسانی کرنے کے لئے ایک گھوڑا بھی مارا نہ جائے۔ لیکن ۱۹ کو $\frac{1}{2}$، $\frac{1}{4}$، $\frac{1}{5}$ حصّوں میں بانٹنا آسان کام نہیں۔ ایک کسان نے جو گھوڑے پر بیٹھا ادھر سے گزر رہا تھا بھائیوں کی یہ مشکل حل کر دی۔ تم بتا سکتے ہو کس طرح؟

پچھلے مہینے کے معمے

جھگڑا چکائیے

کا حل

نونہال
اکتوبر ۱۹۴۶ء
جلد۳ — نمبر۱۲
چندہ سالانہ تین روپے
قیمت فی پرچہ چار آنے

نونہال

اکتوبر سنہ ۱۹۴۶ء
جلد ۳ — نمبر ۱۲

اس پرچے میں

۱. آؤ دنیا نئی بنائیں ——— ۲
۲. بینو ——— ۴
۳. بنیا مکھی ——— ۷
۴. کدو میاں ——— ۸
۵. کل کی باتیں ——— ۹
۶. بہار ——— ۱۱
۷. پریس ——— ۱۳
۸. تین خواہشیں ——— ۱۵
۹. نوڈے لیگ ——— ۱۶
۱۰. کیا آپ جانتے ہیں؟ ——— ۱۸
۱۱. واسکا بی اور برکہ کتا (حصہ دوئم) ——— ۱۹
۱۲. بھانجوں اور بھانجیوں کے نام ——— ۲۱
۱۳. نوڈے کراس ورڈ معمہ ——— ۲۲
۱۴. معنے ——— ۲۳

کیلیفورنیا (امریکہ) میں ایک اونچا درخت۔ یہاں درختوں کی اونچائی ساڑھے تین سو فٹ سے زیادہ ہوتی ہے۔ یہ درخت اتنا چوڑا ہے کہ اس کے تنے میں سے سڑک گذرتی ہے۔

ادارہ

مسرت جہاں بیگم تیموری — عزیز احمد
جے کے سیٹھی — اے۔ ایم۔ شاستری

آرٹ ایڈیٹر

ڈی لورلن — بی۔ ڈی۔ شرما

پبلشرز

ادارۂ مطبوعاتِ متحدہ

پی، بی ۱۶۶ دہلی

پرنٹرز

سرورق: سروے آف انڈیا دہرہ دون
مضامین: دلی پرنٹنگ ورکس۔ دہلی

پچھلے چند سالوں سے عربوں اور عرب لیگ کے متعلق تم نے بہت کچھ پڑھا اور سنا ہوگا۔ جیسا کہ تمہیں معلوم ہے عرب ممالک ۳۰ لاکھ مربع میل لمبے چوڑے علاقے پر پھیلے ہوئے ہیں یہ علاقہ بر اعظم یورپ سے کچھ ہی چھوٹا ہوگا۔ عرب ممالک کو تین بڑے گروہوں میں بانٹا جا سکتا ہے۔ پہلا سعودی عرب۔ یمن۔ شرق اردن۔ عدن اور جزائر بحرین جو کہ خاص ملک عرب کے علاقے ہیں اس گروہ میں عراق۔ شام اور لبنان بھی شامل کئے جا سکتے ہیں۔ دوسرے گروہ میں مصر اور تیسرے میں شمالی افریقہ کے ساحلی ملک الجیریا۔ ٹیونس۔ مراکو اور لیبیا شامل ہیں۔

ان ممالک کے باشندے زیادہ تر مسلمان ہیں۔ اور عربی زبان بولتے ہیں۔ صدیوں تک عرب قوم مختلف قبیلوں میں بٹی رہی جو ہمیشہ آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ ان کے سامنے کوئی ٹھوس مقصد نہ تھا۔ لیکن مذہبِ اسلام کے ظہور میں آتے ہی ان کے سامنے ایک نصب العین قائم ہوگیا اسلام کی زبردست متحد کرنیوالی قوت نے ان کا شیرازہ باندھ کر انھیں ایک قوم بنا دیا۔ اور اس کی تحریک کو بہت قوت پہنچائی۔ پیغمبر کے بعد خلفا نے اس اتحاد کو تین یا چار صدیوں تک برقرار رکھا۔ دسویں صدی کے آخر میں خلفاء کا اقتدار کم ہونا شروع ہوگیا۔ اور عرب میں دوبارہ لڑائی جھگڑے چھڑ گئے اور رفتہ رفتہ عربوں کی طاقت کم ہوتی گئی پھر سولھویں صدی میں ترکی کا عثمانی دورِ حکومت شروع ہوا۔ ترکوں نے کافی عرصے تک عربوں کو اپنی مٹھی میں رکھا۔ لیکن بعد میں ان کی حکومت کو بھی زوال آنے لگا۔ انیسویں صدی میں کہیں جا کر عربوں کو دوبارہ ہوش آیا۔ اس صدی میں مصر اور شام میں بہت سی بغاوتیں ہوئیں اور بہت سی اصلاحی تحریکیں پھیلیں جن میں سے ایک کا بانی شیخ جمال الدین افغانی تھا۔ ان تحریکوں نے عربوں میں دوبارہ زندگی کی لہر دوڑا دی۔

مغرب میں قومیت کی تحریک زور پکڑ رہی تھی۔ بہت حد تک عربوں نے بھی اس کا اثر قبول کیا اور ان کے دلوں میں بھی عرب کو ایک متحدہ قوم بنانے کا خیال پیدا ہوا۔ انیسویں صدی کے آخر میں چند عرب طالب علموں نے نیشنل عرب کمیٹی بنائی۔ جس کا مقصد عرب کو ترکوں کے نیچے سے آزاد کرا کے علیحدہ خود مختار حکومت قائم کرنا تھا۔

شروع شروع میں ترکوں نے اس نئی تحریک کی طرف زیادہ توجہ نہ دی۔ لیکن بعد میں انھوں نے تمام غیر ترکی جماعتوں کو ممنوع قرار دے دیا۔ اور کئی عرب لیڈروں کو سزائیں دے کر انھیں دبانا چاہا۔

لیکن ان باتوں نے عربوں کے دل میں سُلگتی ہوئی آگ کو اور بھی بھڑکا دیا۔ اور یہ تحریک زور پکڑتی گئی۔ اس کے بعد پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی۔ عربوں نے سوچا کہ آزاد ہونے کا موقع آ گیا ہے اس وقت ترکوں نے بہت کوشش کی کہ عربوں

کو اپنے ساتھ ملائے رکھیں - لیکن کچھ تو خود عربوں کی وجہ سے کچھ انگریزوں کی کوششوں کی وجہ سے وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ چنانچہ عرب انگریزوں کے ساتھ مل کر ترکی فوجوں سے لڑے - ترکی کی ہار ہوئی اور عربوں نے سوچا کہ وہ ترکوں کی غلامی سے آزاد ہو گئے - ۱۹۱۹ء میں پیرس میں صلح کانفرنس ہوئی - عربوں نے اپنی آزادی کا مطالبہ کانفرنس میں پیش کیا - لیکن نامنظور ہوا اور عرب ممالک کو کئی حصوں میں بانٹ کر انگریزی اور فرانسیسی حکومت کی نگرانی میں رکھا گیا -

عراق کو ۱۹۳۲ء میں آزادی ملی - لبنان اور شام کو ۱۹۴۴ء میں اور شرق اردن کو ۱۹۴۶ء میں - متحد ہو کر رہنے کا خیال عربوں میں جڑ پکڑ چکا تھا - چنانچہ ۱۹۴۴ء میں سکندریہ میں عربوں کی ایک کانفرنس ہوئی اس کے بعد فروری اور مارچ ۱۹۴۵ء میں ہوئی - اسی کونسل میں ایک عہدنامہ تیار ہوا جس کی رو سے سات عرب ممالک یعنی مصر - شام - لبنان - شرق اردن - سعودی عرب - عراق اور یمن نے عربوں کے حقوق کے تحفظ کی قسم کھائی اور خاص طور سے فلسطین کو آزاد کرانے کی - اسکے علاوہ اور سیاسی معاشرتی اقتصادی اور صحت وغیرہ کے معاملات میں بھی ایک دوسرے کی مدد کرنے کا وعدہ کیا،

عرب لیڈروں کے سامنے بہت سے اہم مسئلے ہیں - سب سے بڑی گتھی تو یہ ہے کہ دوسرے ملکوں کے ساتھ کیا رویہ اختیار کیا جائے جلیا کہ ان کا یہ خیال تھا کہ وہ سب سے الگ تھلگ رہیں گے - ذرا مشکل ہی معلوم ہوتا ہے - سیاسی طور پر کمزور ہونے کی وجہ سے وہ مغربی ممالک سے بالکل اپنا رشتہ نہیں توڑ سکتے - اس گتھی کو سلجھانا کافی مشکل ہے - اس کے لئے بہت سیاسی سوجھ بوجھ کی ضرورت ہے - لیکن جہاں چاہ ہوتی ہے وہاں راہ ہوتی ہے - عربوں سے ہمیں مل جل کر رہنے کا سبق بھی ملتا ہے - جب تک عربوں میں پھوٹ رہی وہ نقصان میں رہے - اور جب انھوں نے ایک آواز ہو کر کام شروع کیا وہ کامیاب ہوئے -

بینو

تین منظروں میں بچّوں کے لئے ایک ناٹک

(از بلقیس بیگم)

ناٹک میں حصّہ لینے والے

بینو۔ آٹھ سال کا لڑکا۔ مونی۔ بینو کی بہن عمر سات سال۔ بینو کا باپ۔ بینو کی ماں۔ ڈاکٹر۔ رامداس۔ ملازم۔ پھیری والے وغیرہ وغیرہ

پہلا منظر

(بینو کے گھر میں ملاقات کا کمرہ، بینو کے والدین اور اسکی بہن مونی گھر میں موجود ہیں ——— بینو اسکول سے آتا ہے)

بینو:۔ امّی جان سلام۔ ابّا! سلام۔۔۔۔ مونی تو اسکول سے آ گئی ہے؟

مونی:۔ ہاں استانی نے آج جلدی چھٹی دے دی، پڑھائی کے سال کا اخیر ہے نا۔

بینو:۔ ہاں، ہاں، سال کا آخیر ہے۔ اب پورے تین ہفتے چھٹی ہوگی، خوب مزا آئیگا، آہاہا!

مونی:۔ میں بھی خوش ہوں، تمہیں پتہ ہے، ابّا جان نے کہا ہے، ہمیں لمبی سیر کرائیں گے؟۔ میرا نتیجہ بڑا اچھا ہے؟ تمہیں کیا خبر میں جماعت میں اوّل رہی ہوں۔

بینو:۔ (ذرا بے چین ہوکر) اچھا اوّل نمبر؟ (گفتگو کا پہلو بدل کر جلدی سے) مونی میں راستے میں سے ایک مینڈک اٹھا لایا ہوں، یہ ڈبیہ میں رکھا ہے، دکھاؤں تجھے؟ بڑی چھلانگیں لگاتا ہے۔

مونی:۔ دکھاؤ مجھے دکھاؤ۔

باپ:۔ (درمیان میں) او بینو تم نے امتحان کی رپورٹ نہیں دکھائی کہاں ہے وہ؟

بینو:۔ (گھبرا کر) لو وہ میں بھول ہی گیا، کمال ہوگیا۔ ہاں تو کہاں چلی گئی وہ؟ شاید اس جیب میں ہوگی (جیب ٹٹولتا ہے) نہیں اس جیب میں نہیں۔ ہاں میرا خیال ہے۔ مدرسے میں رہ گئی۔ (ذرا اطمینان کے انداز میں) اب مدرسہ چھٹیوں کے لئے بند ہوگیا ہے۔

باپ:۔ (تیزی سے) ٹھیک، بستے کے متعلق کیا خیال ہے تمہارا بینو! ذرا اس میں بھی دیکھ لو، وہیں نہ ہو۔

بینو:۔ ہاں ہاں، مجھے بستے کا خیال ہی نہیں آیا۔۔۔۔ دیکھتا ہوں۔۔۔۔ ابّا جان آپ ٹھیک کہتے تھے، وہیں نکلی لیجئے! آپ دیکھیں گے؟

باپ:۔ کیوں نہیں، دیکھوں تو سہی تم مدرسے میں کیا کرتے رہے ہو، پچھلی رپورٹیں تمہاری ساری دیکھی ہیں (کاغذ کے کھلنے کی آواز) ہوں، حساب، درمیانے درجہ کا۔ جغرافیہ۔ معمولی۔۔۔۔ انگریزی۔ درمیانے درجے کی، یہ تو کوئی اچھا نتیجہ نہیں، ڈرائنگ۔ زیادہ توجہ نہیں دیتا۔

بینو:۔ (قدرے گھبرا کر) ڈرائنگ تو لڑکیوں کا مضمون ہے۔

باپ:۔ (جاری رکھتے ہوئے) یہ کیا؟ تاریخ۔ بہت کمزور ہے، ٹھیک سنو، میں سے سات نمبر نالائق کہیں کا۔ تاریخ میں تمہیں کیا ہوگیا؟ باقی مضمون بھی ایسے ہی ہیں، صرف سات نمبر ایسے کبھی کوئی سات نمبر بھی لیتا ہے۔

بینو:۔ مجھے افسوس ہے۔ ابّا جان۔ میں نے تو بڑی محنت کی تھی۔

باپ:۔ بڑی محنت؟ کیسی محنت؟ میں کہتا ہوں تم تو موچی ہو موچی۔

مونی:۔ اہاہا! بینو موچی ہے، موچی ہے۔

بینو:۔ (غصے سے) چپ رہو جی تم چپ رہو۔

ماں:۔ اب غصے میں آ کے بہن سے مت لڑو۔

مونی:۔ تو چپ رہ۔

نوکر:۔ حضور کھانا تیار ہے۔

ماں:۔ آیئے کھانا کھائیں، آؤ بچو!

بینو:۔ (تیزی سے) میں نہیں کھاؤں گا۔ میں تو نالائق ہوں،

ماں:۔ تو نخرے کرو۔ آؤ مونی تم چلو۔

—(باہر جاتے ہیں)—

مونی:۔ امی جان میں ابھی آئی۔ تم کھانا کیوں نہیں کھاتے؟ بھوک لگی ہوگی۔

بینو:۔ میں نے کہہ دیا ہے، میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔

مونی:۔ (ہنس کر) نہیں کھاتے نہ کھاؤ۔

(دروازہ بند کر چلی آتی ہے)

بینو:۔ (اپنے آپ سے اکڑتے ہوئے) اونہہ مجھے کہتے ہیں میں موچی ہوں۔

سب کے سامنے مجھے ذلیل کرتے ہیں، اس لئے کہ تاریخ میں تیرہ سات نمبر آئے ہیں، آخر ہوا کیا، ایک لڑکے کے سات سے بھی کم تھے، خیر پرواہ نہیں، میں کھانا نہیں کھاؤں گا، آج پکا کیا ہے؟ واہ بھئی سخت بھوک لگی ہے۔ آج آلو کے پراٹھے پکے ہونگے اور امی نے حلوے کا بھی نام لیا تھا۔

باپ:۔ (دوسرے کمرے سے نوکر کو) دیکھو بیرا جاؤ بینو کو بلا لاؤ۔ وہ آئے تو کھائیں گے۔

ماں:۔ کہاں ہے وہ؟ کھیل رہا ہوگا؟

موتی:۔ ہاں! امی اسے سخت بھوک لگی ہے۔

باپ:۔ تو اس کے لئے تھوڑا سا الگ رکھ دو اور کیا ہوسکتا ہے ہم کھاتے ہیں۔

بینو:۔ (دوسرے کمرے میں بڑبڑاتے ہوئے) اونہہ تھوڑا سا الگ رکھ دو، میں اس کے لئے مر رہا ہوں! تھوڑا سا۔ موچی جو ہوا۔

باپ:۔ (آواز دے کر) بینو! (جواب ندارد) او بینو!

بینو:۔ (اینٹھ کر) کیا ہے؟

باپ:۔ یہ رونا چھوڑو آؤ کھانا کھاؤ۔

بینو:۔ میں روتا نہیں، پڑھ رہا ہوں، موچی میز پر کھانا نہیں کھاتے۔

باپ:۔ احمق! اچھا تو مزے کرو۔

بینو:۔ (دبی آواز میں) یہ ٹھیک ہے میں، احمق ہوں،

(بیرے کی مدھم سی آواز) بینو جی!

بینو:۔ کیوں کیا ہے؟

بیرا:۔ یہ تھوڑا سا حلوہ آپ کے لئے لایا ہوں۔

بینو:۔ (غصے سے) مجھے نہیں چاہئے۔ چلے جاؤ یہاں سے۔

بیرا:۔ بہت اچھا!

بینو:۔ (سسکیاں بھرتے ہوئے) اوہ! اوہ۔ کتنی بھوک لگی ہے، اگر میرے پیسے خرچ نہ ہو گئے ہوتے تو بازار سے کچھ لے کر کھا لیتا، پھر تو میں سارا دن کچھ نہ کھاتا اور یہ فکر کرتے اور انھیں مزا آجاتا۔ سارے پیسے ختم ہو گئے، بس اب ایک چونی رہ گئی، یہ چاقو میں نے پرسوں خریدا ہاں یاد آیا، بہت اچھا خیال ہے، بازار جاتا ہوں، دو تین کتابیں بیچ ڈالتا ہوں، جن کی ابھی ضرورت نہیں۔ کافی رقم آجائیگی۔ سارے دن کے لئے کافی ہوگی، میں ان کے کھانے اور چائے کی کیا پروا کرتا ہوں۔ (باہر جاتا ہے)

منظر دوسرا

سڑک (شربت پیو، شربت پیو، مختلف خوانچے والوں کی آوازیں ٹھنڈا برف والا شربت! صندل بیدمشک والا شربت، شربت پیو، شربت ٹھنڈے تازہ بھلے پیسے کا ایک ناگپوری سنترے، بارہ آنے درجن ناگپوری سنترے)

(بینو آتا ہے)

بینو:۔ کیسی مزے کی چیزیں بکتی ہیں، اور مجھے سخت بھوک لگی ہے۔ یہ سنبوسے بہت خوب ہیں!

پہلا خوانچہ والا:۔ آؤ بیٹا سنبوسے کھاؤ، تازہ ہیں۔

دوسرا:۔ ہوں، ہوں، ہوں! یہ باسی ہیں، تازہ سنبوسے یہ ہیں، ابھی بنا کے لا رہا ہوں، دیکھو کیسی بھینی بھینی خوشبو ہے۔

بینو:۔ (سونگھ کر) خوب ہیں، لیکن ابھی نہیں، پہلے ایک کام کر آؤں۔ ہاں تو کتابوں کی دکان کدھر ہے۔
یہیں کہیں تو تھی، ہاں ہاں سمجھ میں آیا، وہ نکڑ پہ ہے۔

کتاب فروش:۔ بیچنا چاہتے ہو! خیر یہ تو الگ معاملہ ہوا، میرے پاس پہلے ہی بہت سی کتابیں پڑی ہیں، دیکھوں تو ذرا کونسی کتابیں ہیں، ٹھیک میں پہلے ہی جانتا تھا، یہ کس کام کی ہیں پرانے ایڈیشن انھیں کون لے گا؟ خیر تم بیچنا چاہو تو بارہ آنے ملیں گے سب کے بولو؟

بینو:۔ بارہ آنے؟ صرف ایک کتاب ایک روپیہ کی ہے، اور دو تو بالکل نئی ہیں، دیکھو تو اس کتاب کے ابھی ورق بھی نہیں کاٹے گئے مجھ سے تو کہا گیا تھا دو روپے ملیں گے تم بارہ آنے سناتے ہو۔ (دکاندار زور سے جمائی لیتا ہے) اچھا تو تم ڈیڑھ روپیہ دے دو نہیں؟ چلو بارہ آنے ہی دے دو۔

کتاب فروش:۔ بڑا اچھا سودا کیا تو نے، یہ لو بارہ آنے

بینو:۔ مہربانی!

(بازار میں سودا بیچنے والوں کی آوازیں پھر بلند ہوتی ہیں)

مٹھائی والا:۔ گلاب جامن، رس گلے، برفی، جلیبی، تازہ بنی ہوئی

بینو:۔ مٹھائی، کتنی اچھی بنی ہے، یہ ضرور کھاؤں گا۔
ہاں دیکھو ایک آنے کی برفی دو، دو گلاب جامن، دو رس گلے اور رس بھی دو۔

مٹھائی والا:۔ لو بھئی پانچ آنے۔

بینو:۔ (کھا کر) بڑے مزے کے ہیں، کتنی بھوک لگی تھی!

خوانچہ والا:۔ کیوں صاحب مزے دار سنبوسے نہیں کھاؤ گے؟

بینو: - ہاں ہاں، تین سنبوسے دو، اور دو پیسے کے پکوڑے۔
خونچہ والا: - یہ لو، اور یہ باقی پیسے ہیں۔
بینو: - یہ پکوڑے تو اچھے نہیں باسی معلوم ہوتے ہیں، اور سنبوسے کے آلو کتنے واہیات تھے۔

(سپیرا بین بجاتا سنائی دیتا ہے)

بینو: - سپیرا آیا! سپیرا اسے ضرور دیکھنا چاہئے۔ خوب سانپ دکھاتا ہوگا۔
(ساز کی آواز بلند ہو جاتی ہے)
اوہ! اوہ! کس مزے سے سانپ ناچتا ہے۔
موتی، سنے گی تو جلے گی۔ (ساز بجنا بند ہو جاتا ہے) یہ لو ایک آنہ۔ سانپ پھر نچاؤ - (ساز کی آواز پھر تیز ہو جاتی ہے)
واہ! واہ خوب واہ! واہ! موتی کو سنا کے ستاؤں گا۔ (ساز رفتہ رفتہ ہلکا ہو جاتا ہے)
شربت والا: - شربت پیو۔ ٹھنڈا شربت۔ میٹھا مزیدار شربت۔ شربت پیو شربت
بینو: - شربت ضرور پینا چاہئے۔ کیا کیا شربت تمہارے پاس ہیں؟
شربت والا: - سب شربت ہیں، صندل، بیدمشک، گلاب، کیوڑا، لیموں،
بینو: - اوہ! اتنے شربت۔! اچھا ایک گلاس صندل کا دو اور ایک گلاس کیوڑے کا۔ کتنے پیسے ہوئے۔
شربت والا: - چار آنے (برف توڑ کر گلاس میں ڈالتا ہے) یہ لو شربت ٹھنڈا برف کی طرح۔
بینو: - یہ لو پیسے، (ایک ہی گھونٹ میں پی جاتا ہے) خوب ہے بڑی پیاس لگی تھی، اب صندل پیتا ہوں (گلاس اٹھا کر منہ سے لگاتا ہے) اف یہ صندل تو نہیں، کتنا بدذائقہ ہے! دھوکے باز ہو۔ میرے پیسے واپس دے دو۔
شربت والا: - (بگڑ کر) کیسی بے معنی باتیں کر رہے ہو؟ اتنے اچھے ہیں، میرے شربت۔ سب پسند کرتے ہیں اور تم کہتے ہو خراب ہیں۔
بینو: - جھوٹ کہہ رہے ہو۔
ہنڈولے والا: - (اسٹیج کے پیچھے سے ڈھول کی آواز کے ساتھ) آؤ۔ آؤ ایک آنے میں سواری۔ ایک آنے میں سواری آؤ آؤ۔
اوہ یہ جھولا تو نظر ہی نہیں آیا تھا۔ ضرور چڑھنا چاہئے، دیکھنا ٹھیرو میں بھی آیا۔
آدمی: - (اسٹیج کے پیچھے) آؤ آؤ جلدی کرو۔ چلنے والا ہے۔ چلو چلو۔
(بینو اسٹیج کے پیچھے چلا جاتا ہے۔ ایک منٹ کے بعد زور سے آواز آتی ہے اٹھہرو ٹھہرو، خدا کے لئے ٹھیرو میں مرگیا۔ ٹھیر جاؤ!
(بینو سسکیاں لیتا اور لڑکھڑاتا ہوا دوبارہ اسٹیج پر آتا ہے)
بینو۔ ہائے ہائے میں مرگیا۔ مجھے گھر لے چلو۔ اوہ مری امی

تیسرا منظر

{ بینو کے سونے کا کمرہ۔ بینو گھر پہنچ چکا ہے اور بستر پر لیٹا کراہ رہا ہے۔ تھوڑی دیر میں کتے کے بھونکنے کی آواز "غوں غف" آتی ہے }

بینو: - (سرہانے سے سر اٹھا کر اسٹیج کی پچھلی طرف دیکھتے ہوئے)
موتی! موتی!! جاؤ اماں کو یہاں لے آؤ (کتا دوبارہ بھونکتا ہے)
ماں: - (اسٹیج کے پیچھے سے کہنے سے) دتی کیا بات ہے۔ (کمرے میں داخل ہوتی ہے)
(بینو ہائے ہائے کرتا ہے)
ماں: - کیوں بیٹا بینو کیا بات ہے۔ اچھے تو ہو۔
بینو: - اف۔ میرے پیٹ میں سخت درد ہو رہا ہے۔ اد
ماں: - بچہ! تم کھانا کھائے بغیر کیوں چلے گئے تھے۔
بینو: - ہائے .... ہائے،
ماں: - ٹھیرو بیٹا میں ڈاکٹر کو بلاتی ہوں (آواز دیتی ہے) رام داس! رام داس!!
نوکر: - حاضر ہوا بی بی جی۔
ماں: - جلدی جاؤ۔ ڈاکٹر صاحب کو بلاؤ۔ کہو بینو بیمار ہے۔ فوراً آکے دیکھ لیں۔
نوکر: - ابھی لاتا ہوں بی بی جی۔
ماں: - ہائے اماں! اماں

(موتی داخل ہوتی ہے)

موتی: - امی کیا ہوا! بینو رو رہا تھا۔
بینو: - اوہ موتی سخت درد ہو رہا ہے۔ میں مرگیا اوہ! اوہ!! اوہ!!!
موتی: - بینو پانی کی گرم بوتل لاؤں؟
ماں: - موتی۔ جاؤ لاؤ۔ باورچی خانے میں سے لپک کے لاؤ۔
موتی: - ابھی لاتی ہوں امی جی!
باپ: - (باہر سے) رام داس، کیا بات ہے۔ سنا ہے بینو بیمار ہے۔
نوکر: - حضور اپنے کمرے میں لیٹا ہے۔
باپ: - (داخل ہوتے ہوئے) کیوں بیٹا بینو کیا بات ہے۔
بینو: - (اس موقع پر اور بھی کراہنا شروع کر دیتا ہے) بہت نرم آواز میں ابا جان آپ آگیا۔

(موتی داخل ہوتی ہے)

موتی: - بینو یہ لو گرم پانی کی بوتل۔ ٹھیرو میں تمہارے پیٹ پر رکھتی ہوں۔

(باقی صفحہ ۲۱ پر)

بنیا مکھی

از
فرزانہ اور نیلوفر احمد

مجھے یقین ہے تم لوگوں نے بنیا مکھی ضرور دیکھی ہوگی۔ یہ بہت تیز کیڑا ہے۔ آؤ تمہیں بھی اس کی دلچسپ باتیں بتائیں۔

بنیا مکھی اکثر پانی کے قریب رہتی ہے۔ کیونکہ یہاں مچھر اور مکھیاں آسانی سے اسکے ہاتھ آسکتی ہیں۔ پانی کی سطح پر اُڑتے اڑتے وہ انڈے دے دیتی ہے اور وہ نیچے جا گرتے ہیں۔

انڈوں میں سے بچے پانی کے اندر ہی نکلتے ہیں۔ اور نکلتے ہی اپنا کھانا تلاش کر لیتے ہیں۔ بچے کا سر بڑا اور سامنے دو سونڈیں سی ہوتی ہیں۔ دو بڑی آنکھیں اور چھ مضبوط ٹانگیں اور دو بازو بنیا مکھی کے پیٹ میں کئی حصے ہوتے ہیں۔ اور اس کا رنگ مٹیالا ہوتا ہے۔

بچہ زیادہ حرکت کرنا پسند نہیں کرتا۔ بلکہ کیچڑ میں دُبکا پڑا رہتا ہے۔ لیکن شکار سامنے آتے ہی اُچک کر اسے پکڑ لیتا ہے۔ سامنے کے رخ ایک لمبا سا بازو ہوتا ہے جس میں پنجے ہوتے ہیں۔ ان میں وہ شکار کو جکڑ لیتا ہے۔ یہ در اصل اس کا نچلا ہونٹ ہے۔ اس کو نقاب بھی

کہتے ہیں۔ کیونکہ اس سے بنیا مکھی کے سر کا سامنے کا حصّہ ڈھکا رہتا ہے۔ اسکے پیچھے درانتیوں جیسے جبڑے ہوتے ہیں۔ انڈے میں سے نکلنے کے بعد بچہ جب تک بڑا نہیں ہوجاتا اپنی دم کے زور سے پانی میں

تیرتا ہے۔ بڑا ہونے سے پہلے وہ پانی سے باہر نکل آتا ہے اور گھاس میں بیٹھ کر اپنی کھال اتار دیتا ہے۔ پہلے تو کھال چٹختی ہے۔ بچہ گھاس میں لوٹتا ہے۔ اور آہستہ آہستہ کھال میں سے باہر نکل آتا ہے اور پھر تھک کر بیٹھ جاتا ہے۔ اس وقت اس کا جسم بہت نرم اور گیلا اور بازو بہت کمزور ہوتے ہیں۔ لیکن دھوپ لگتے ہی وہ چونچال ہوجاتا ہے اور مکھیوں کے ساتھ اڑنا شروع کر دیتا ہے۔

بنیا مکھی کے جالی دار پر اور بدن لمبا ہونے کی وجہ سے بہت تیزی سے اڑ سکتی ہے۔ اس کے بدن کا رنگ اکثر شوخ نیلا ہوتا ہے لیکن اور رنگ بھی دیکھے گئے ہیں پر سفید ہوتے ہیں لیکن بدن کے رنگ کی ہلکی سی جھلک لئے ہوئے۔

بنیا مکھی کی زندگی کا بڑا حصّہ پانی کے نیچے گزرتا ہے۔ اور جاڑا آتے ہی اس کی مختصر زندگی کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔
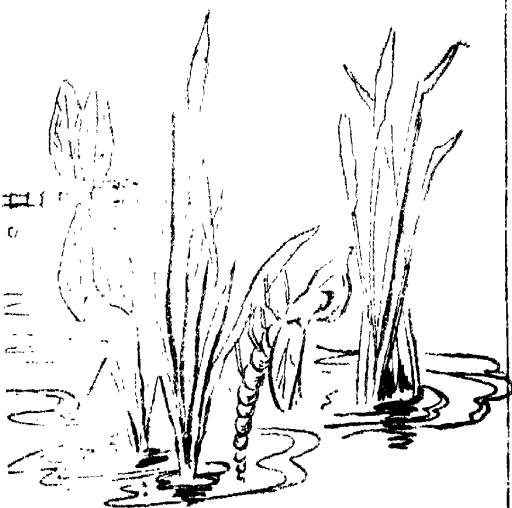
کدّو میاں

کدو میاں ایک بہت دلچسپ ننھے گدھے ہیں۔ ان کے سلیٹی رنگ کے بال ہیں۔ بڑی آنکھیں ہیں اور لمبے لمبے حسین کان ہیں۔ ان کی آواز بھی بہت گرج دار ہے۔ کدو میاں بہت رحم دل ہیں۔ لیکن ان میں ایک کمزوری ہے وہ سوچتے بعد میں ہیں اور کام پہلے کرتے ہیں۔ اور تمہیں معلوم ہے یہ طریقہ الٹا ہے۔

(۱۲)
کدّو میاں اور کرکٹ

کدو میاں کے کان اتنے بڑے بڑے ہیں کہ انھیں بہت سی باتوں کا پتہ چل جاتا ہے۔ وہ عرصے سے انگلستان میں ہندوستانی کرکٹ ٹیم کے شاندار کارنامے سن رہے تھے۔ انھوں نے فیصلہ کیا کہ انھیں کرکٹ کھیلنا ضرور سیکھنا چاہئے۔ انھوں نے شانٹے کلیر اور اسکول کے دوسرے ساتھیوں سے اس بات کا ذکر کیا اور وہ سب کھیلنے کو تیار ہو گئے۔

سب نے مل کر اسکول کھیل کے میدان میں کھیلنے کی جگہ تیار کی۔ ہیڈ ماسٹر صاحب کے باغ اور میدان کے بیچ میں صرف ایک ٹٹی تھی۔ ان لوگوں نے درختوں کی ٹہنیاں وکٹ کے طور پر گاڑ دیں اور موٹی موٹی شاخوں سے بیٹ کا کام لیا۔ ننھی خرگوش کو بڑا ناز تھا کیونکہ اس نے ٹٹی کے اندر ایک پرانا کرکٹ بال پا لیا تھا۔ کھیلنے کی جگہ کو ہموار کرنے کے لئے سب نے مل کر اس کو خوب روندا۔

اب کدو میاں کھیلنے پہونچے اور ذہین زرافہ نے اپنے منہ سے گیند پھینکی کیونکہ اس کی لمبی گردن بہت دور تک پہونچتی تھی۔ گیند شائیں سے گئی اور کدو میاں نے ایک زبردست ہٹ ماری تو گیند ٹٹی کے پار تھی۔ شڑاق!! گیند جا کر جوہڑ میں گری اور بہت سی کیچڑ اڑ کر ہیڈ ماسٹر صاحب کے سفید شفاف سوٹ پر پڑی۔

بے چارے کدو کو پھر کرکٹ کھیلنے کی اجازت نہیں ملی ÷

کل کی باتیں

عزیز بھانجو اور بھانجیو!

آجکل بہت سے بڑے شہروں میں راشننگ ہے۔ اور تم جتنا دل چاہے آٹا۔ چاول اور شکر نہیں خرید سکتے۔ بلکہ ہر ہفتے ایک خاص مقدار میں یہ چیزیں راشن کی دوکان سے خریدنے کے لئے لائن بنا کر کھڑے رہنا پڑتا ہے۔ اپنی باری کا انتظار کرتے کرتے اکثر تمہیں اس زمانے کا خیال آتا ہوگا جب ہندوستان میں اناج کی کمی نہ تھی۔ اور ہر چیز جب دل چاہے خریدی جاسکتی تھی۔ لیکن اگر تم کبھی ان مصیبتوں کا اندازہ لگا سکو جو راشن نہ ہونے کی وجہ سے تمہارے ہموطنوں کو اٹھانی پڑتیں تو تم راشن خریدنے کی مصیبت پر بڑبڑاتے نہیں۔ جیسا کہ تمہیں معلوم ہی ہے ہمارے ملک میں آجکل کھانے پینے کی چیزوں کی بہت قلت ہے۔ یہی حال اور ملکوں کا ہے۔ اسکی وجہ پچھلی جنگِ عظیم تھی۔ لڑائی کی وجہ سے فصلیں بالکل تباہ ہوگئیں۔ جن علاقوں میں لڑائی ہو رہی تھی۔ وہاں تو ظاہر ہے کاشت کرنا بالکل ناممکن سی بات تھی۔ دوسرے علاقوں میں بھی لڑائی کا اثر پڑا کیونکہ بہت سے کسانوں نے فوج میں نوکری کرلی۔

لڑائی سے پہلے ہندوستان

میں برما اور سیام سے چاول اور جاوا سے شکر آتی تھی لیکن چونکہ ان ملکوں پر جاپان نے قبضہ کرلیا تھا اسلئے وہاں سے مال آنا بند ہوگیا۔ ہندوستان میں جو کچھ اناج پیدا ہوا اسکا بڑا حصہ فوج کے کام آگیا اور جو باقی بچا اسے لالچی سرمایہ پرستوں نے بہت اونچے داموں بیچ کر نفع کمایا۔ اسکا سارا اثر غریبوں پر پڑا جو اتنے زیادہ دام دے کر اناج نہ خرید سکتے تھے۔ چنانچہ بنگال میں اسی وجہ سے قحط پڑا اور لاکھوں آدمی بھوک سے مرگئے۔ اگرچہ اب لڑائی ختم ہوچکی ہے پھر بھی حالات کچھ زیادہ بہتر نہیں ہوئی۔ ہندوستان کی فصلوں کا دارومدار مون سون پر ہے۔ اگر بارش نہ ہو تو اناج بھی پیدا نہیں ہوتا۔ پچھلے دو سال سے ہندوستان میں بارش اچھی طرح نہیں ہوئی اسلئے یہاں کی فصلیں خراب ہوگئیں۔

ہندوستان کے غذائی مسئلہ کے دو پہلو ہیں۔ ایک طرف تو اناج پیدا کرنے اور بانٹنے کا سوال ہے دوسری طرف یہ کہ لوگ اتنے غریب ہیں کہ وہ اپنی ضرورت کے لئے اناج کافی مقدار میں نہیں خرید سکتے۔ نتیجہ اس کا یہ ہے کہ ملک کی ایک تہائی سے زیادہ آبادی فاقوں کا شکار ہوتی ہے۔ اور انھیں وہ غذا نہیں ملتی جو ملنی چاہئے۔ اس پر طرّہ یہ کہ ہر سال ہندوستان کی آبادی بڑھتی جارہی ہے۔ اس بڑھتی ہوئی آبادی کو کھلانے کے لئے اور زیادہ اناج کی ضرورت ہے۔

سب سے پہلے اناج پیدا کرنے کا سوال لو۔ دیکھنا یہ ہے کہ اناج کی پیداوار کس طرح بڑھائی جاسکتی ہے۔ اس وقت ہندوستان کی تقریباً ⅔ زمین

بیکار پڑی ہے۔ اگر اس تمام علاقے میں اناج بو دیا جائے تو ہمارے لئے کافی ہو۔ ہماری جو زمین زیر کاشت ہے وہاں بھی اور ملکوں کے مقابلہ میں بہت کم فصل ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کسان انھیں پُرانے طریقوں پر بوتے جوتتے چلے آ رہے ہیں۔ جن کی وجہ سے وقت بھی زیادہ لگتا ہے اور محنت بھی۔ کسانوں کو جدید آلات کے ذریعے کاشت کرنے کی تعلیم دینی چاہیئے۔ اس کام کے لئے انجمنیں قائم ہونی چاہیئیں۔ جو گاؤں گاؤں جا کر بتائیں کہ ٹریکٹر کس طرح استعمال ہوتے ہیں۔ فصل کو بیماری سے کس طرح بچایا جا سکتا ہے مل جل کر بڑے پیمانے پر کھیتی کرنے کے کیا فائدے ہیں اسکے علاوہ حکومت کو اچھے بیج فراہم کرنے چاہیئیں۔ اور بارش پر بھروسہ کرنے کی بجائے۔ آبپاشی کے لئے نہریں۔ کنوئیں اور تالاب وغیرہ بنوانے چاہیئیں۔

مشینوں کے استعمال کی وجہ سے کھیت میں کم آدمیوں کی ضرورت ہوگی اور جو مزدور فالتو بچ جائیں گے وہ یا تو کوئی چھوٹی موٹی دستکاری شروع کردیں یا اب جو ہندوستان میں نئے نئے کارخانے کھل رہے ہیں ان میں کام کریں۔ اس طرح سے بے روزگاری کا مسئلہ بھی حل ہو جائیگا۔

اور لوگوں کا معیار زندگی بھی اونچا ہو جائے گا۔ اور جلد ہی ہمارے ملک کے لوگ بھی خوشحالی میں اور ملکوں کے لوگوں کا مقابلہ کر سکیں گے۔

ان طریقوں سے اناج کی پیداوار بہت حد تک بڑھ جائے گی۔ اب حکومت کی ذمہ داری ہوگی کہ یہ اناج کس طرح بانٹا جائے۔ ان صوبوں میں جہاں زیادہ اناج نہیں بویا جا سکتا دوسرے صوبوں سے اناج بھجوانا چاہیئے۔ صوبائی اور مرکزی حکومت کو اس سلسلے میں پورے تعاون سے کام لینا پڑیگا۔ نفع بازی کے خلاف سخت قانون نافذ ہونے چاہیئیں۔ تمام ملک میں راشن بندی ہونی چاہیئے۔ یہ تمام انتظام جب ہی مکمل ہو سکتے ہیں جب ہم سب لوگ ہاتھ بٹالیں۔

خالدہ مسرت

بہار

رقبہ	۶۹۰۳۸۸ مربع میل
آبادی	۳۶۰۳۴۰۰۰۰ (۹۰ فیصدی ہندو اور دس فیصدی مسلمان)
دارالسلطنت ہند کی آبادی	۱۷۵۰۰۶

بہار، جسے روشن خیالوں کا ملک کہتے ہیں، بدھ مت اور جین مت کی پیدائش کی جگہ ہے۔ بہار یا وہار کے معنی ہیں خانقاہ۔ اس کا نام پڑنے کی وجہ یہ ہے کہ تیرہویں صدی کے شروع تک یہاں بدھ خانقاہوں کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی۔ آخر مسلمان فاتح خلجی کے حملے کے بعد بدھ مذہب کا زور ختم ہو گیا اور اب اس کا اثر صرف ایک شہر میں ہے۔

۱۹۱۲ء تک بہار بنگال کا حصّہ تھا۔ اب یہ ایک الگ صوبہ ہے۔ ۱۹۳۶ء میں اس کا جنوبی حصّہ الگ کرکے اڑیسہ کا صوبہ بنا دیا گیا۔ پھر بھی بہار کا رقبہ اتنا ہے کہ وہ ہندوستان کے بڑے صوبوں میں گنا جاتا ہے۔ کوئلہ، لوہا اور سلفر اور مائکا کی افراط کی وجہ سے یہاں صنعت کے امکانات جتنے اچھے ہیں اتنے مشرق میں کہیں نہیں۔

معدنیات کی افراط کے باوجود بہار کی اسّی فی صدی آبادی کی گذر اوقات کھیتی باڑی پر ہے۔ شمالی حصّے کی مٹی بڑی زرخیز ہے۔ آدھی سے زیادہ زمین میں دھان کی کھیتی ہوتی ہے۔ کاشت کے قابل زمین کے ۱/۵ حصّے میں گیہوں، جو اور مکئی وغیرہ کی فصل ہوتی ہے۔ تقریباً پندرہ لاکھ ایکڑ زمین میں تیل کے بیج پیدا ہوتے ہیں۔ بہار

شکر کی پیداوار کے لئے بھی مشہور ہے۔ ہندوستان دنیا بھر میں سب سے زیادہ شکر پیدا کرتا ہے۔ اس پیداوار کا ۱/۴ حصّہ بہار سے آتا ہے۔ ایک فصل میں کسانوں سے چار کروڑ روپے کا گنا خریدا گیا تھا۔ شکر کے ۳۱ کارخانے ہیں جن میں بہت سے مزدور اور پڑھے لکھے آدمی کام کرتے ہیں۔ تجارتی فصلوں میں سن اور تمباکو بھی قابلِ ذکر ہیں۔ اب بہار میں سگریٹ کا ایک کارخانہ کھل گیا ہے جو دنیا کے سب سے بڑے کارخانوں میں ہے۔ اسلئے تمباکو کی کاشت بہت بڑھ گئی ہے۔

معدنیات کی افراط کی وجہ سے بہت سے صنعتی کارخانے کھل گئے ہیں۔ کوئلے کی پیداوار سب سے اہم ہے۔ ہندوستان میں لوہے کی سب سے زیادہ کانیں بہار میں ہیں۔ اس کی وجہ سے لوہے اور فولاد کا ایک کارخانہ قائم ہو گیا ہے جہاں ہر قسم کی

مشینیں، ریل کے انجنوں کے پرزے، ریل کی پٹریاں، زراعتی اوزار اور دوسری کار آمد چیزیں بنتی ہیں۔ ابرق کی پیداوار بھی سب سے زیادہ بہار ہی میں ہوتی ہے۔ ابرق کی کانوں کی ساٹھ میل لمبی اور ۱۲۔۱۴ میل چوڑی پٹی صوبے میں پھیلی ہوئی ہے۔ یہاں کے کاریگر ابرق توڑنے میں دنیا بھر میں سب سے زیادہ ماہر ہوتے ہیں۔

۵۵۰ ق م سے لے کر ۶۵۰ء تک ہندوستان کی جو تاریخ ملتی ہے وہ دراصل بہار کی تاریخ تھی اسے اس زمانے میں مگدھ کہتے تھے۔ غیر ملکی سیاحوں کے لئے ہندوستان کی شان و شوکت کا مرکز موریہ اور گپتا راجاؤں کی سلطنتیں تھیں جن کی راجدھانی پٹنہ کے نزدیک پاٹلی پتر تھی۔ پاٹلی پتر شہنشاہ ہرش، چندر گپت اور سب سے زیادہ مشہور اور ہر دلعزیز راجا اشوک اعظم کی راجدھانی بھی تھی جس نے بدھ مت کا پیام دنیا بھر میں پھیلایا۔ اب پٹنہ میں تاریخی اہمیت کی کوئی چیز نہیں ہے۔ صرف ایک ڈکری کی شکل کی بڑی سی عمارت ہے جس کی گولائی ۴۳۰ فٹ ہے۔ اس کی ۱۲ فٹ موٹی دیواروں کی اونچائی ۹۰ فٹ ہے۔ یہ اناج کا گودام تھا۔ اس سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ بہار پر کبھی مصیبتیں پڑی ہیں۔ یہاں قحط بھی پڑے ہیں اور ۱۹۳۴ء کا زلزلہ تباہی کے بہت سامان ساتھ لایا تھا۔

گیا اور بدھ گیا مقدس شہر ہیں۔ گیا ہندوؤں کی تیرتھ ہے اور بدھ گیا بدھوں کی۔ یہیں ایک درخت کے نیچے گوتم بدھ کو نروان ملا تھا۔ پٹنہ سے ساٹھ میل جنوب میں راج گیر ہے جہاں گوتم بدھ اور جین مت کے بانی مہابیر سوامی نے تیاگ کی زندگی بسر کی تھی۔ اب بھی راجگیر کی پہاڑیوں کا ہر منٹ بنتی اور نیپالی لوگوں کے لئے تیرتھ کی جگہ ہے۔ جہاں وہ ان ویران بلندیوں کی زیارت کرتے ہیں۔ جہاں کسی زمانے میں گوتم بدھ کے قدم پڑے تھے۔ ان پہاڑیوں سے گھری ہوئی زرخیز وادی میں کسی زمانے میں مگدھ کی راجدھانی تھی۔ راجگیر گرم اور گندھک کے چشموں کے لئے بھی مشہور ہے۔ یہاں بہت سے لوگ جسمانی کمزوریوں کا علاج کرنے آتے ہیں۔

راجگیر سے آٹھ میل کے فاصلے پر بدھ یونیورسٹی نالندہ کے آثار ہیں۔ چینی سیاح ہیون سانگ کے بیان کے مطابق ساتویں صدی عیسوی میں یہ دنیا کی سب سے بڑی یونیورسٹی تھی۔ ہندوستان اور مشرق کے ہر حصے سے طالب علم یہاں آتے تھے۔ اس میں دس ہزار طالب علموں کی جگہ تھی ؛

ہماری خدمت کرنے والے

پریس

از:- عزیز احمد

میرا خیال ہے کہ روز صبح کو تمہارے ہاں اخبار آتا ہوگا اور تمہارے ابا جان تمہیں پڑھ کر سناتے ہوں گے کہ ہندوستان اور دوسرے ملکوں میں کیا ہو رہا ہے، امن کانفرنس میں کیا بحث و مباحثے ہوئے۔ ایٹم بم کے تجربے کیسے رہے، ملک میں سوشل اور سیاسی دلچسپیاں کیا ہیں اور ایسی ہی بہت سی دوسری باتیں۔ تمہیں کسی بات میں دلچسپی ہو، اسکا ذکر اخبار میں ضرور ملجائیگا۔ ہزاروں میل دور کی خبریں ذرا دیر میں تمہارے پاس پہونچ جاتی ہیں۔ اور ان تمام عجیب غریب خبروں کے لئے تمہیں صرف دو ایک آنے خرچ کرنا پڑتے ہیں۔ حیرت انگیز بات ہے نا؟

جانتے ہو کہ اتنی بہت سی خبریں اتنی ذراسی دیر میں کس طرح جمع کرکے، چھاپ کر تمہارے پاس پہونچائی جاتی ہیں؟ آؤ، میں تمہیں بتادوں۔

اخباروں میں [illegible] خبریں چھپتی ہیں وہ زیادہ تر خبروں کی ایجنسیوں کے ذریعہ حاصل کی جا[illegible] جیسے رائٹر، گلوب اور ایسوسی ایٹڈ پریس وغیرہ۔ تم نے اکثر دیکھا ہوگا کہ [illegible] خبر [illegible] آخر میں ان میں سے کوئی لفظ لکھا ہوتا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے [illegible] خبر [illegible] حاصل کی گئی [illegible] سے بڑے

مونو ٹائپ کاسٹر
(ٹائپ ڈھالنے کی مشین)

اخبار چھاپنے کی روٹری مشین

بڑے اخبار مشہور جگہوں پر اپنے خاص نامہ نگار بھی رکھتے ہیں۔ تم نے بہت سی خبروں کے اوپر لکھا دیکھا ہوگا: "خاص نامہ نگار کے قلم سے"

اخبار یا خبروں کی ایجنسی کے نامہ نگار ہمیشہ چوکس رہتے ہیں۔ وہ ہر ایسی جگہ موجود ہوتے ہیں جہاں انھیں کوئی خبر ملنے کی امید ہوتی ہے۔ ہر اہم جلسے، کانفرنس، تقریب، میچ اور جلوس میں یہ نامہ نگار یا رپورٹر نظر آتے ہیں۔ جیسے ہی انھیں کسی ایسی بات کا پتہ چلتا ہے جو اخبار پڑھنے والوں کے لئے دلچسپ ہو، وہ جلد سے جلد اسکی اطلاع اپنے دفتر کو دیتے ہیں۔ یہ اطلاع ٹیلی فون، تار، سمندری تار، یا خاص پیامبر کے ذریعہ بھیجی جاتی ہے۔ دفتر میں اطلاع سے ایک رپورٹ تیار کی جاتی ہے۔

اب یہ رپورٹ ٹیلی پرنٹر نامی مشین کے ذریعہ مختلف اخباروں کے دفتروں کو بھیجی جاتی ہے۔ یہ مشین ٹائپ رائٹر کی طرح کی ہوتی ہے۔ خبروں کی ایجنسی کے دفتر میں آپریٹر اس مشین پر رپورٹ ٹائپ کرتا ہے۔ اور رپورٹ ان تمام اخباروں کے دفتر میں چھپتی جاتی ہے جو اس ایجنسی کے ممبر ہوں۔

اخبار کے دفتر میں یہ رپورٹ پھر سے مرتب کی جاتی ہے۔ نائب مدیر اسے پڑھ کر اس میں سے ایسی باتیں نکال دیتا ہے جو اس کے پڑھنے والوں کے لئے دلچسپ نہیں ہوتیں۔ پھر وہ خبر کو اپنے انداز میں لکھتا ہے اور ضروری تبدیلیاں کرلیتا ہے۔ اب خبر چھپنے کے لئے تیار ہے۔ اس لئے یہ پریس میں کمپوزیٹر کو بھیج دی جاتی ہے۔

کمپوزیٹر جس مشین پر کام کرتا ہے وہ لینو ٹائپ کہلاتی ہے۔ یہ بھی ٹائپ رائٹر کی طرح ہوتی ہے جس طرح ہم ٹائپ رائٹر کا بٹن دباتے ہیں اسی طرح کمپوزیٹر اس مشین کا بٹن دباتا ہے اور مشین آپ سے آپ دھات کے ٹائپ کی لائنیں ڈھال دیتی ہے۔ اس کے بعد یہ لائنیں کالموں کی شکل میں ترتیب دی جاتی ہیں جیسا کہ تم اخباروں میں دیکھتے ہو۔ پھر یہ کالم صفحے کی شکل میں مرتب کر لئے جاتے ہیں۔ اب اخبار چھپنے کے لئے تیار ہے۔

چھپنے سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ اخبار میں غلطیاں تو نہیں ہیں۔ اسلئے پروف نکالے جاتے ہیں۔ اس کے لئے ٹائپ کے اوپر روشنائی کا ایک بیلن پھیرا جاتا ہے۔ اور اس پر کاغذ رکھ کر دبا یا جاتا ہے تو ٹائپ کاغذ پر چھپ جاتے ہیں۔ پروف ریڈر بڑے غور سے پروف پڑھتے ہیں۔ اور اگر کہیں غلطیاں ہوتی ہیں، تو ان پر نشان لگا دیتے ہیں۔ پھر کمپوزیٹر غلطیاں درست کرتا ہے۔ چھپنے سے پہلے ہر صفحے کی غلطیاں کئی کئی دفعہ ٹھیک کی جاتی ہیں۔

اب اخبار چھپنے بھیج دیا جاتا ہے۔ جو مشین اسے چھاپتی ہے وہ واقعی حیرت انگیز ہے۔ نیوز پرنٹ کاغذ کے بلندے مشین میں لگا دئے جاتے ہیں اور مشین آپ سے آپ چھاپتی ہے، روشنائی خشک کرتی ہے، کاغذ کاٹتی ہے، اخبار کو تہ کر کے لپیٹتی ہے اور لفافے پر خریدار کا پتہ چھاپ دیتی ہے۔ جب اخبار مشین سے نکلتا ہے تو ڈاک میں جانے کے لئے تیار ہوتا ہے۔

جس شہر میں اخبار چھپتا ہے وہاں اسے پھیری والے بیچتے ہیں جیسے وہ آدمی جو تمہارے ابا جان کے لئے اخبار لاتا ہے۔ دوسرے شہروں کو بھیجنے کے لئے فاصلے کے مطابق ڈاک، ریل یا ہوائی جہاز کا استعمال ہوتا ہے۔ بعض اخباروں کے پاس اپنے ہوائی جہاز اور موٹریں ہیں۔

تو دیکھا تم نے کہ اخبار کی تیاری میں کتنا جھنجھٹ ہوتا ہے لیکن سارا کام اتنی تیزی سے اور اتنے قاعدے سے ہوتا ہے کہ خبر واقعے کے چند ہی گھنٹوں بعد تمہارے پاس پہنچ جاتی ہے۔ اور تم اندازہ بھی نہیں کر سکتے کہ جن لوگوں نے اخبار کی تیاری میں

حصہ لیا تھا انھیں کتنی محنت کرنی پڑی تھی۔ یہ لوگ "پریس" کہلاتے ہیں۔

خبریں دینے کے علاوہ پریس اور بہت سے مفید کام کرتا ہے۔ یہ ہمارے شہری حقوق کیلئے لڑتا ہے، اخلاقی اور سماجی ترقی کی کوشش کرتا ہے اور عوام پر اثر ہونے کی وجہ سے حکومت کی تجویزوں کو مقبول بنانے میں مدد دیتا ہے جیسے بعد جنگ کی تجویزیں یا دیہات سدھار کی تجویزیں۔

اخبار اچھے بھی ہوتے ہیں اور برے بھی۔ اچھا اخبار ساری خبریں ایمانداری کے ساتھ چھاپ دیتا ہے۔ اسکا ایڈیٹر جو محسوس کرتا ہے، ایمانداری سے کہہ دیتا ہے اور جھگڑے فساد کے موقع پر دونوں پارٹیوں کے ساتھ انصاف کرنے کی کوشش کرتا ہے عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ ایک سے زیادہ اخبار پڑھ کر خود دیکھا جائے کہ سچی بات کیا ہے۔ کسی افواہ پر صرف اسلئے بھروسہ مت کرو کیونکہ تم نے اسے اخبار میں پڑھا ہے۔ اچھے اخباروں کا ہم پر بڑا احسان ہے اور ہمیں اس میں کام کرنیوالوں کی محنت اور خلوص کے لئے شکر گزار ہونا چاہیئے۔

تین خواہشیں

ایک نیک آدمی نے مرتے وقت اپنے بچوں حسن حسین اور ریاض کو بلایا۔ وہ تینوں آکر غمگین کھڑے ہو گئے تو اس نے کہنا شروع کیا: "میرے بچو! میں امیر آدمی نہیں ہوں، لیکن پھر بھی میں تم لوگوں کے لئے کچھ چھوڑ سکتا ہوں۔ عرصہ ہوا میں نے ایک درویش کی خدمت کی تھی جس کے عوض اس نے مجھے یہ طاقت دی تھی کہ میں اپنے کنبے کے ہر شخص کی ایک ایک خواہش پوری کر دوں لیکن شرط یہ ہے کہ خواہش میں "کبھی نہ" کے الفاظ ضرور شامل ہوں۔ حسن! تم سب سے بڑے ہو۔ تمہاری کیا خواہش ہے؟"

حسن ایک کاہل اور سست نوجوان تھا۔ اس نے جواب دیا "میں چاہتا ہوں کہ میں غریب کبھی نہ رہوں۔" اس کا باپ اداس سا ہو گیا اور اس نے آہ بھری۔ "اور حسین تم؟" اس نے پوچھا۔ حسین لالچی لڑکا تھا۔ اس نے یہ خواہش کی کہ وہ کبھی بھوکا نہ رہے۔ افسردہ ہو کر بوڑھا آدمی سب سے چھوٹے لڑکے کی طرف متوجہ ہوا۔

"میں چاہتا ہوں کہ میں بے رحم کبھی نہ رہوں۔" ریاض نے کہا۔ بوڑھے کے چہرے پر چمک پیدا ہو گئی۔ "اب میں خوش خوش مر سکتا ہوں۔" اس نے کہا اور سب کو دعائیں دیں لیکن ریاض کو دعا دیتے وقت اس نے خاص محبت دکھائی۔

جب بوڑھا مر گیا تو تینوں لڑکے اپنی اپنی راہ چلے اور زمانہ گزر گیا۔ سب سے بڑا لڑکا حسن اداس نظر آتا تھا۔ وہ خوش نہیں تھا کیونکہ وہ غریب ہوتے ہوئے بھی کبھی امیر نہ ہوا اور ہمیشہ دولت کی آرزو میں رہا۔ حسین بھی کبھی بھوکا نہیں رہا لیکن وہ کبھی خوش نہ ہو سکا کیونکہ اسے بھوک ہی نہ لگتی تھی۔

لیکن ریاض خوش تھا۔ وہ غریب تھا اور کبھی بھوکا بھی رہتا تھا لیکن اس سے زیادہ غریب لوگ اپنے مال میں اس کا حصہ لگا لیتے تھے۔ اس کی خواہش پوری ہوئی اور وہ کبھی بے رحم نہیں ہوا۔ مطلب یہ کہ وہ ہمیشہ رحم دل رہا۔ بگڑے انسان بھی اس کے سامنے مسکرانے لگتے تھے اور بد مزاج بھی اس سے محبت کرتے تھے۔

ایک دن جب سخت جاڑا پڑ رہا تھا، ریاض اپنا ناشتے دان ہلاتا گاتا، اپنے کام پر جا رہا تھا۔ اتنے میں اسے سڑک کے کنارے کھائی سے ایک آواز سنائی دی۔ مڑ کر دیکھا تو اسے ایک بوڑھا فقیر جھاڑی کے اندر پڑا ٹھنڈ سے کانپتا نظر آیا۔

"اللہ کی راہ میں کپڑا اور کھانا!" فقیر نے صدا لگائی۔ ریاض نے فوراً اپنا کوٹ اتار کر فقیر کو پہنا دیا اور ناشتہ دان اس کے سامنے رکھ دیا۔ فقیر نے ایک ہی نوالہ کھایا تھا کہ ریاض کیا دیکھتا ہے کہ بھونڈی شکل کے بوڑھے فقیر کی جگہ ایک خوبصورت اور بارعب درویش سڑک کے کنارے کھڑا ہے۔

"تم نیک باپ کے لائق بیٹے ہو۔" اس نے کہا "میں جانتا تھا کہ تم یہ انعام حاصل کرو گے۔ بولو تم کیا چاہتے ہو۔ تمہاری ایک خواہش پوری کی جائیگی چاہے وہ کچھ ہو۔"

"پہلے میں ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں۔" ریاض نے کہا۔ "کیا میرے پیارے بھائی خوش ہیں؟"

"تم انہیں پیارے کہتے ہو لیکن انھیں بھی کبھی تمہارا خیال آتا ہے؟" درویش نے پوچھا۔

"وہ کچھ کریں یا سوچیں، پھر بھی وہ میرے پیارے بھائی ہیں۔" ریاض بولا۔ "مہربانی کر کے بتایئے کہ کیا حسن بھائی خوش ہیں؟"

"جسکا دل دولت میں لگا ہو وہ کیسے خوش ہو سکتا ہے؟" درویش نے جواب دیا۔

"اور حسین بھائی؟" ریاض نے ٹھنڈی آہ بھر کر پوچھا۔

"لالچی آدمی جس کو کبھی بھوک نہ لگے وہ کبھی خوش بھی ہو سکتا ہے؟ اب تم اپنی خواہش بتاؤ۔" درویش نے پوچھا۔

"میری خواہش ہے کہ میرے بھائی بھی میری طرح خوش ہو جائیں۔"

"ایسا ہی ہوگا۔" درویش نے یہ کہہ کر اپنا ہاتھ ہلایا۔ آن کی آن میں حسن اور حسین وہاں پہونچ گئے۔ دونوں سخت پریشان نظر آتے تھے۔ اپنے بھائی کے ہونٹوں پر ہنسی دیکھ کر انھیں کچھ اطمینان ہوا۔ آنکھوں میں آنسو بھر کر انھوں نے ریاض کو گلے لگایا۔ "تمہاری ہنسی وہ دولت ہے جسے میں اب تک تلاش کرتا رہا۔" حسن نے کہا۔ اور حسین بولا: "میرے پیارے ریاض مجھے صرف تم سے ملنے کی بھوک تھی۔"

عزیز ممبران!
ہماری نوڈے لیگ بڑی تیزی سے ترقی کر رہی ہے۔ نہ صرف ہمارے ملک کے بلکہ غیر ممالک کے بھی بہت سے بچے ممبر ہو گئے ہیں۔ ٹکٹ جمع کرنے والوں کا کلب بھی بڑی کامیابی سے چل رہا ہے۔ بہت سے بچوں نے اپنے ٹکٹ پہچاننے کے لئے بھیجے۔ قلمی دوستی اور ٹکٹوں کا تبادلہ بھی بہت مقبول ہوا ہے۔

پچھلے مہینے میں نے تم سے تصویروں کی کتاب بنانے کے بارے میں جو کہا تھا اس کا کیا رہا؟ مجھے امید ہے کہ تم لوگ اسے بنا رہے ہو گے۔

ہمارے چند نئے ممبروں کے نام یہ ہیں:-

(۲۰۷) اعظم ابراہیم بادامیاں۔ رندیر۔ (۲۰۸) کرانتی بائی اگر وال۔ رائے پور (۲۰۹) ذوالفقار علی شیخ۔ نئی دہلی (۲۱۰) ڈینیئی سنہری۔ مرادآباد (۲۱۱) ممتاز رحیل۔ ماڑی انڈس (۲۱۲) منیرالدین رضوی۔ اودے پور۔ (۲۱۳) ممتاز حسین روہیلہ۔ رامپور (۲۱۴) انند کمار۔ حیدرآباد (دکن) (۲۱۵) مہیش نند وانی۔ لاہور۔ (۲۱۶) ظفر علی خاں شیروانی۔ بدایوں (۲۱۷) راجندر سنگھ لائلپور (۲۱۸) محمد یوسف ایم موجیوالا۔ بمبئی (۲۱۹) ایچ۔ آر۔ کریم۔ بھاگلپور (۲۲۰) مبین الرحمٰن۔ جبل پور (۲۲۱) نسرین۔ امرتسر (۲۲۲) ظہورالدین احمد صدیقی۔ مظفر نگر (۲۲۳) ستیش نیتشی۔ لاہور (۲۲۴) کلونت سنگھ۔ جالندھر (۲۲۵) الیس۔ اینھراج۔ فرٹمبوٹ (۲۲۶) حاجی مرزا منظور احمد۔ قلعہ دیدار سنگھ (۲۲۷) منظورالٰہی خاں۔ کھنڈہ (۲۲۸) نصرت آرا۔ بنّوں۔ (۲۲۹) سیّد معراج الدین احمد رضوی۔ رفیع گنج۔ (۲۳۰) تارا چند بھاولپور (۲۳۱) ہرپریت سنگھ سچدیو۔ فیروزپور چھاؤنی (۲۳۲) سید محمد عرفان۔ ٹونک راج (۲۳۳) حسن پرویز۔ جدّہ (عرب) (۲۳۴) سید یوسف احمد احمدی۔ مظفرپور (۲۳۵) امدادالٰہی۔ لکھنؤ۔ (۲۳۶) صدرالنساء خانم۔ کسن گنج (۲۳۷) یاسمین بانو۔ بھاگلپور خالہ۔ مسرت

فارم ممبری برائے "نوڈے لیگ"

خریداری نمبر ________

چندہ بھیجنے کی تاریخ ________ چندہ بھیجنے کی تاریخ ________

نام ________

تاریخ، مہینہ اور سال پیدائش ________

سرپرست کا نام ________

پورا پتہ ________

____

دستخط ________

اس فارم کے ساتھ آدھ آنے کے ٹکٹ بطور فیس ممبری آنے ضروری ہیں۔ تاریخ ________
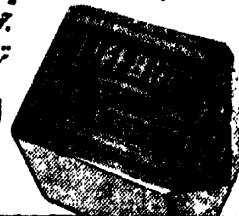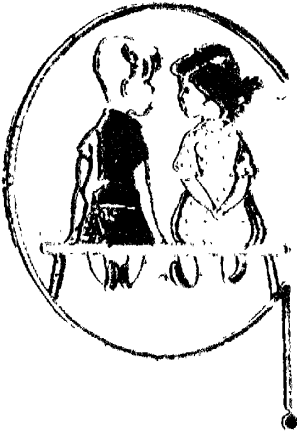
کیا آپ جانتے ہیں

کچھ مچھلیاں اڑ سکتی ہیں؟

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ مچھلیاں صرف پانی میں تیر سکتی ہیں لیکن بہت سی مچھلیاں اڑ بھی سکتی ہیں۔ ایسی مچھلیاں تقریباً تمام گرم سمندروں میں پائی جاتی ہیں۔ جب کوئی دشمن ان کا پیچھا کرتا ہے تو وہ پانی کی سطح سے اوپر اٹھ کر ہوا میں اڑنے لگتی ہیں۔ کبھی کبھی وہ اتنی اونچی اڑتی ہیں کہ کسی گزرتے ہوئے جہاز کے عرشے پر جا پڑیں۔

بعض سانپ بہت طاقت ور ہوتے ہیں؟

اژدہا ایک بہت بڑا سانپ ہے جو زیادہ تر جزائر الہند میں پایا جاتا ہے۔ اس کی لمبائی بیس سے تیس فٹ تک ہوتی ہے۔ یہ اتنا طاقت ور ہوتا ہے کہ ریچھ جیسے بڑے بڑے جانوروں کی ہڈی پسلی چور کر دیتا ہے۔ اس کا منہ اور جبڑا اتنا لچک دار ہوتا ہے کہ یہ اپنے سے کئی گنے بڑے جانور نگل جاتا ہے۔ ایک دفعہ کسی چڑیا گھر میں ایک اژدھے کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا ہوا تو سات آدمیوں نے مل کر اسے اٹھایا تھا۔

چیونٹیاں گائیں پالتی ہیں؟

درختوں پر رینگنے والے کیڑوں میں ایک قسم ایسے کیڑوں کی ہے جن کے جسم سے میٹھا شہد سا نکلتا ہے۔ چیونٹیاں ان کیڑوں کو پال کر یہ شہد استعمال کرتی ہیں۔ اور ان کی دیکھ بھال اسی طرح کرتی ہیں جس طرح انسان گائے بھینس کی کرتا ہے۔

بعض درختوں کی اونچائی تین سو فٹ ہے؟

کیلیفورنیا میں کچھ درخت ایسے ہیں جو صدیوں پرانے خیال کئے جاتے ہیں۔ ان میں سے بعض کی اونچائی تین سو فٹ ہے۔ حکومت کی طرف سے ان درختوں کی حفاظت ہوتی ہے۔ ان میں سے ایک درخت کے تنے میں اتنی بڑی محراب کاٹی گئی ہے کہ بڑی بڑی گاڑیاں آسانی سے اس کے اندر سے گزر جاتی ہیں۔ صفحہ ۳۷ پر اس کی تصویر دیکھئے۔

مکڑیاں چڑیاں کھا سکتی ہیں؟

بعض گرم ملکوں میں بہت بڑی بڑی مکڑیاں پائی جاتی ہیں جن کی شکل بہت خوفناک ہوتی ہے۔ ان کی لمبائی سات انچ ہوتی ہے۔ وہ زیادہ تر زمین کے اندر رہتی ہیں۔ عام طور پر ان کی گزر اوقات کیڑوں مکوڑوں پر ہے لیکن کبھی کبھی وہ چھوٹی چھوٹی چڑیاں بھی کھا لیتی ہیں۔

کسی زمانے میں کتابیں زنجیروں میں باندھ کر رکھی جاتی تھیں؟

چند صدیوں پہلے چھپی ہوئی کتابیں اتنی کمیاب اور مہنگی تھیں کہ وہ زنجیروں میں باندھ کر رکھی جاتی تھیں تاکہ وہ چرائی نہ جا سکیں۔ برطانیہ میں اب بھی دو ایک لائبریریاں ایسی ہیں جن میں کتابیں زنجیروں میں باندھ کر رکھی ہوئی ہیں۔ یہ ڈھائی سو برس قبل کھولی گئی تھیں۔

واسکا بلّی اور ٹریزکہ کتّا

(ایک روسی کہانی۔ حصّہ دوئم)

واسکا بلّی اور ٹریزکہ کتّے کو اپنے مالک مارٹن سے بہت محبت تھی کیونکہ اس نے انھیں مصیبت اور موت سے بچایا تھا۔ اب مارٹن سخت مصیبت میں تھا۔ وہ ایک مینار کے سرے پر قید میں فاقے کر رہا تھا۔ واسکا اور ٹریزکہ اس کی جان بچانے پر آمادہ تھے۔ وہ کر کیا سکتے تھے، ٹریزکہ غرّاتا تھا اور دانت نکالتا تھا۔ اپنے مالک کے ساتھ اس برے برتاؤ پر اسے اتنا غصّہ تھا کہ وہ چاہتا تھا کہ کسی کو کاٹ کے ٹکڑے کر دے۔ واسکا خاموش بیٹھی اپنے مخملی پنجوں سے کان کھجا رہی تھی، پہلے اس نے دایاں کان کھجایا پھر بایاں۔ وہ بہت غور سے سوچ رہی تھی۔ جلد ہی چالاک بلی کے دماغ میں ایک ترکیب آگئی اور اس نے ٹریزکہ سے کہا: "میں بتاؤں کیا کرنا چاہیے۔ آؤ شہر چلیں اور اگر راستے میں نانبائی سر پر روٹیوں کا ٹوکرا رکھے ہوئے ملے تو تم اسکی ٹانگوں میں گھس کر اسے گرا دو۔ اس کے گرنے سے ٹوکرے کی ساری روٹیاں بکھر جائیں گی۔ میں تمہارے پیچھے لگی رہوں گی اور روٹیاں اٹھا کر مالک کے پاس بھاگ جاؤں گی۔"

تھوڑی دیر میں انھیں ایک نانبائی نظر آیا جو آواز لگا رہا تھا۔ "روٹیاں، گرم گرم تنوری روٹیاں۔" ٹریزکہ بھاگتا ہوا اسکی ٹانگوں کے بیچ میں گھس گیا۔ اسے ٹھوکر لگی اور ساری روٹیاں زمین پر بکھر گئیں۔ اسے اتنا ڈر آیا کہ وہ ٹریزکہ کے پیچھے بھاگا۔ اتنی دیر میں واسکا نے بہت سی روٹیاں لے جاکر ایک جھاڑی میں چھپادیں۔ بعد میں وہ اور ٹریزکہ ملکر روٹیاں اس مینار تک لے گئے جہاں مارٹن قید تھا۔ واسکا فوراً چھلانگ مار کر اوپر کی کھڑکی میں پہونچی اور شیشہ کھٹکھٹا کر بولی: "مالک زندہ ہو؟" "جان لبوں پر ہے۔" مارٹن نے جواب دیا۔ "بھوک سے تڑپ رہا ہوں اور تھوڑی دیر میں جان نکلا چاہتی ہے۔"

"بالکل نہیں" واسکا نے زور سے کہا۔ "ذرا ٹھہریئے۔ دیکھئے میں اور ٹریزکہ آپ کیلئے کیا لائے ہیں۔" یہ کہہ کر اس نے روٹیوں کا ایک ڈھیر مارٹن کے سامنے لگا دیا۔ "کوشش کر کے ان روٹیوں کو زیادہ سے زیادہ دنوں تک چلایئے کیونکہ میں اور ٹریزکہ اب زمین کے اندر کی سلطنت میں جا کر آپ کی جادو کی انگوٹھی لائیں گے۔ خدا حافظ۔" واسکا نے اپنے مالک کے بازو سے اپنا بدن رگڑا اور نیچے بھاگ گئی جہاں ٹریزکہ کھڑا ہوا اپنے مالک کی آواز سنکر خوشی سے غرّا رہا تھا۔

دونوں دوست جلدی سے روانہ ہوئے۔ ان کو چیزیں سونگھنے میں کمال حاصل تھا۔ اسکی وجہ سے راستہ معلوم کرنے میں کوئی دقّت نہیں ہوئی۔ پھر انھوں نے لوگوں کی باتوں پر کان لگائے اور راستے کے تمام کتّوں اور بلّیوں سے دوستی گانٹھی آخر وہ اس سلطنت میں پہونچ گئے جہاں شہزادی رہتی تھی۔

فوراً وہ شہزادی کے محل میں پہونچے۔ انھوں نے محل کے تمام کتوں اور بلّیوں سے دوستی کرلی اور ان سے شہزادی کے متعلق طرح طرح کے سوال کئے۔ باتوں باتوں میں انھوں نے جادو کی انگوٹھی کا بھی ذکر کیا لیکن معلوم ہوتا تھا کہ کسی کو اسکا علم نہیں تھا۔ شہزادی کے پاس بہت سی انگوٹھیاں تھیں۔

ایک دن واسکا شکار کرتے کرتے شاہی خواب گاہ میں پہونچ گئی۔ وہاں اس نے ایک بڑا موٹا تازہ چوہا پکڑا اور اسے کھانے ہی کو تھی کہ چوہا بولا: "ننھی واسکا، خدا کے لئے مجھے نہ مارو۔ مجھے چھوڑ دو تو میں تمہاری بڑی مدد کرسکتا ہوں۔ میں چوہوں کا بادشاہ ہوں۔ اگر تمنے مجھے مار ڈالا تو میری سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیگی۔"

واسکا بولی: "اچھا میں تمہیں چھوڑ دوں گی بشرطیکہ تم شہزادی سے جادو کی انگوٹھی مجھے منگوا دو۔ یہ بدمعاش عورت اسے اپنے شوہر یعنی میرے مالک کے پاس سے چرا لائی ہے۔ میں تمہیں اسوقت تک اپنے پنجوں میں آرام سے پکڑے رہونگی جبتک تم انگوٹھی نہ منگا دو۔" "میں کوشش کرتا ہوں۔" کہکر چوہوں کے بادشاہ نے اپنی تمام رعایا کو طلب کیا۔ چھوٹے بڑے چوہے سب آکر اسکے گرد جمع ہوگئے۔ وہ بولا: "تم میں جو چوہا شہزادی کی جادو کی انگوٹھی لائیگا وہ مجھے بے رحم موت سے بچائیگا اور میں اسے بڑا اعزاز بخشوں گا۔"

ایک ننھی سی چوہیا اپنے پچھلے پنجوں پر کھڑی ہو کر بولی: "میں نے دیکھا ہے کہ شہزادی ایک انگوٹھی کی بہت احتیاط کرتی ہے۔ دن بھر تو وہ اسے انگلی میں پہنے رہتی ہے لیکن رات کے وقت اسے منہ کے اندر گال کے کونے میں دبا لیتی ہے۔ اگر آپ مانتک

انتظار کریں تیس وہ انگوٹھی لادونگی۔" یہ کہکر ننھی چوہیا شہزادی کی خوابگاہ میں پہونچی اور ایک کمرے میں دبکی رہی۔ آخر جب شہزادی سوگئی تو چوہیا نے تکئے سے ایک پر نکالکر اسے شہزادی کی ناک میں ڈالا۔ اس سے شہزادی کو چھینک آگئی اور انگوٹھی منہ سے نکل کر قالین پر فرش پر جاگری، ننھی چوہیا بجلی کی طرح تیز تھی۔ اس نے فوراً انگوٹھی لی اور اپنے بادشاہ کی جان بچانے روانہ ہوگئی۔

واسکا اور بُرکہ کی خوشی کا حال نہ پوچھو۔ خوشی سے غرّاتے بھونکتے اچھلتے ہوئے وہ مارٹن کے مینار کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں پہونچ کر واسکا فوراً اوپر چڑھ گئی، مالک زندہ ہو؟ اس نے پوچھا۔ "ہاں زندہ ہوں لیکن بھوک کے مارے جان نکلی جارہی ہے تین دن سے فاقہ ہے"

واسکا بولی: "بہتر۔ اب مصیبت کے دن تمام ہوئے۔ ہم جادو کی انگوٹھی لے آئے"

مارٹن خوشی کے مارے پھولا نہ سمایا۔ اسنے بلی کی پیٹھ تھپتھپائی جو مزے سے غرا رہی تھی اور اپنے مالک کے بدن سے بدن رگڑ رہی تھی۔ بیچارہ برکہ اونچے مینار پر نہیں چڑھ سکتا تھا لیکن خوشی اور شوق سے بھونک بھونک کر کود رہا تھا۔

جادو کی انگوٹھی کی مدد سے مارٹن کو ضرورت کی ہر چیز مل گئی۔ عمدہ کھانے عمدہ ناچ گانا اور ہنسنے بولنے کیلئے دوست۔ لوگوں نے مینار پر گانے بجانے کی آوازیں سنی تو انھیں بڑا تعجب ہوا اور وہ بھاگ کر بادشاہ کے پاس گئے۔ "مارٹن کو تو بہت پہلے مرجانا چاہیے تھا لیکن یہاں تو وہ دوستوں کے ساتھ گلچھرے اڑا رہا ہے۔" انھوں نے بادشاہ سے کہا۔ یہ سنکر بادشاہ خود مینار تک گیا اور جب اسنے گانے بجانے کی آوازیں سنی تو اسے اتنا تعجب ہوا کہ وہ بت بنکر کھڑا ہوگیا۔

اتنی دیر میں مارٹن نے جادو کی انگوٹھی کی مدد سے اپنا شاندار محل، اسکے سنہرے گنبد اور بلوری پل سب تیار کر لئے اور شہزادی تک کو محل میں لے آیا۔ پھر مارٹن مینار سے اترا اور اپنے خسر یعنی بادشاہ کا خیر مقدم کیا اور اسے محل میں لے گیا جہاں شہزادی کھڑی کانپ رہی تھی کہ اب کیا ہوگا۔ مارٹن نے اپنے خسر سے کہا: "آپ کی لڑکی میرے اوپر بڑی مصیبت لائی، اب اس کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے؟" "اس سے کہو کہ اپنی بری عادتیں چھوڑ دے، اس پر رحم کرو اور اسے پھر اپنی بیوی بنالو" بادشاہ نے کہا۔ مارٹن رحمدل تو تھا ہی، اسنے شہزادی کو لکھ دیا اور کہا کہ اگر وہ اپنی عادتیں ٹھیک کر لے اور وفادار اور محبت کرنیوالی بیوی بن جائے تو اسے معاف کردیا جائیگا۔ شہزادی نے وعدہ کیا۔ مارٹن اور اسکی بیوی ہمیشہ اسی شاندار محل ہی میں خوش و خرم رہے۔ جہاں بلوری پل پر سنہری سیبوں کے درخت لگے ہوئے تھے ❊

بھانجوں اور بھانجیوں کے نام!

عزیز بھانجو اور بھانجیو!

تم لوگوں کے عید کارڈ اور خط پاکر مجھے ازحد خوشی ہوئی افسوس ہے کہ میں ہر خط کا جواب الگ الگ نہ دے سکی ۔ فرصت ہی نہ ملی ۔ اس لئے اب میں تم سب کا شکریہ ادا کرتی ہوں ۔

تصویر بنانے کے انعامی مقابلہ میں بہت کم بچوں نے شرکت کی ۔ اس کا مجھے انتہائی افسوس ہے جو تصویریں آئیں وہ بھی اچھی نہ تھیں ۔ اسلئے ہم نے صرف ایک انعام دینے کا فیصلہ کیا ہے ۔ نونہال کا انعام قادیان کی ثریا رفعت کو دیا گیا ہے ۔ اور "رہے ڈے" کا جبلپور کے اکرم خاں کو ۔

اس مہینے دوسرا کراس ورڈ معمہ دیا جا رہا ہے ۔ اس کی ہدایات کو بہت غور سے پڑھنا ۔ تمام حل الگ لفافہ میں بھیجنے چاہئیں اور لفافے کے اوپر کراس ورڈ معمہ لکھنا ضروری ہے ۔ ورنہ اسے مقابلہ میں شریک نہ کیا جائیگا ۔ پچھلی مرتبہ بہت سے حل اسی بنا پر رد کر دئے گئے تھے ۔ آئندہ ایسا مت ہونے دو ۔

تمہاری خالہ
مسرت
پی ۔ ایل 1/166 دہلی

خفیہ پیغام

بگی نو ۔ یمی ہنویم بیق پخفو نگیلب ۔

لطیفہ

ایک مسخرے کو کسی واعظ نے نصیحت کی کہ "تو نے عمر بھر تمسخر ہی کیا ہے اور موت اور عاقبت کا کبھی خیال نہیں کیا ۔ اپنے گناہوں سے توبہ کر ! ورنہ قیامت کے دن تجھکو الٹا لٹکا کر کوڑے لگائے جائینگے" مسخرے نے جواب دیا "واللہ وہ بھی عجب تمسخر ہوگا ۔"

عبدالوحید خان ۔ ناگپور

بقیہ صفحہ ۱۶

بینو! دیکھو میں اپنا ریشمی رومال عطر لگا کے لائی ہوں اسے سر پہ رکھ لو نا! کہو اب کیا حال ہے، اچھا ہے نا

بینو:- اوہ! اوہ!! اچھا! ہاں اچھا!!

نوکر:- ڈاکٹر صاحب آ گئے ۔

بینو ۔ اماں! ڈاکٹر کو کیوں بلایا ۔ میں خود ہی اچھا ہو جاؤنگا ۔

ماں:- نہیں! دیکھ لینے دو اُسے، تمہیں اس حالت میں کیسے چھوڑ دوں آئیے ڈاکٹر صاحب بڑی مہربانی کی آپ نے اتنی جلدی تشریف لائے

ڈاکٹر:- کیوں بھئی! کیا بات ہے، یہ کیا حال بنایا ہے ایسی ویسی چیز کھالی ہوگی ۔

ماں:- نہیں ڈاکٹر صاحب! بات یہ ہے اس نے صبح سے کچھ نہیں کھایا ۔

ڈاکٹر:- کچھ نہیں کھایا اور پھر درد ہو رہا ہے ۔ ذرا معدہ دیکھوں تا ۔

—— (بینو کراہتا ہے) ——

ڈاکٹر:- دیکھو سچ سچ بتاؤ تم نے کچھ ضرور کھایا ہے ۔ کھایا تھا نا ۔ کوئی تھوڑی سی چیز ۔

ماں:- نہیں ڈاکٹر صاحب بالکل نہیں، میں جو کہتی ہوں اسنے بالکل کچھ نہیں کھایا ۔ روٹھ گیا تھا ۔ (بینو پھر کراہتا ہے)

ڈاکٹر:- دیکھو سچ سچ بتاؤ تم نے کیا کھایا ۔

بینو:- اوہ! اوہ!! ... کھایا ... کچھ سموسے، کچھ صندل اور کیوڑے کا شربت اور ... پکوڑے ... آئس کریم دو بار، اور تھوڑی سی برفی

ڈاکٹر:- اور!

بینو:- کچھ گلاب جامن اور رس گلے، بس ۔

ماں:- توبہ! تم کہاں گئے تھے؟

مونی:- (غصہ میں) فریبی کہیں کا، دے دو میرا رومال،

بینو:- اوہ! اوہ!!

باپ:- ہمیں کیسے دھوکا دے گیا، ڈاکٹر صاحب آپ جو چاہیں اسے دیں ۔

ڈاکٹر:- خیر! فی الحال تو اسے کسٹرائیل کی ایک خوراک دے دینی چاہیئے ۔ (بینو کراہتا ہے) چار گھنٹے کے بعد یہ پڑیاں (بینو کراہتا ہے) ۔ کل یہ بالکل آرام سے لیٹا رہے (بینو کراہتا ہے) کھانے کے لئے اسے کچھ نہ دیا جائے، صرف ہلکی چائے اور خالی ٹوس (بینو کراہتا ہے) اور پرسوں اگر اس کی حالت اچھی رہی تو بہت تھوڑی سی کھچڑی!

باپ:- ٹھیک! یہی ٹھیک ہے ڈاکٹر صاحب آپ کا بہت بہت شکریہ!

—— (بینو لگاتار کراہتا ہے) ——

نوڈے کراس ورڈ معمّہ

۲

قاعدے

(۱) سامنے دئے ہوئے اشارات کی مدد سے خالی خانوں کو بھرنے کی کوشش کرو۔

(۲) حل سادے کاغذ پر بھی بھیجے جا سکتے ہیں۔ حل ہمارے پاس ۱۵ نومبر ۱۹۴۶ء تک آجانے چاہئیں۔

(۳) حل کے ساتھ کوپن بھر کر بھیجنا ضروری ہے۔

(۴) ایک سے زیادہ حل بھیجے جا سکتے ہیں۔

(۵) جس لفافے میں حل بھیجے جائیں ان پر "نوڈے کراس ورڈ معمّہ" لکھنا ضروری ہے۔ اس لفافے میں حل کے علاوہ اور کچھ نہ رکھنا چاہئے۔

(۶) سب سے پہلے جو دو صحیح حل کھلیں گے ان پر انعام میں کتابیں دی جائیں گی۔

(۷) دسمبر کے نونہال میں معمّے کا صحیح حل شائع کیا جائے گا اور انعام پانے والوں کے ناموں کا اعلان کیا جائے گا۔

(۸) ایڈیٹروں کا [illegible] ری اور قطعی ہوگا۔

۵	۴ ب	■	۳	۲ ا	۱
و	■		ا		۶ ا
ن	۸	■	م	ر	۷
	ن	۹ ا	■	■	پ
■	ت		۱۱	ر	۱۰ و
	ر	ر	۱۲ م	■	ر

کوپن

نام ——————

تاریخ پیدائش ——————

خریداری نمبر ——————

پورا پتہ ——————

اشارات

دائیں سے بائیں

۱۔ جسم کا ایک حصّہ۔

۴۔ —— کو خوش رکھنا چاہئے (اُلٹے ہجے)

۶۔ باپ دادا کی موروثی۔

۷۔ —— آدمی دُنیا کو قابو میں کھتا ہے۔

۸۔ —— پر قابو پانا مشکل ہے۔

۹۔ —— میں۔

۱۰۔ ترکہ۔

۱۲۔ اچھے —— کی بات سب مان لیتے ہیں (اُلٹے ہجے)

اوپر سے نیچے

۱۔ ہندوستان کا ایک بڑا شہر

۲۔ —— تھا چھایا ہوا اور فصل تھی برسات کی تھی زمیں پہنے ہوئے وردی ہری بناتات کی

۳۔ دنیا میں رہنا ہے تو —— کر کے رہو۔

۵۔ کام کے وقت —— نہیں چاہئے۔

۸۔ سمجھدار آدمی —— دستر پر یقین نہیں رکھتے۔

۹۔ بڑے آدمیوں کا —— نہ قبول کرنا چاہئے۔

۱۱۔ —— ہندوستان کا میوہ ہے۔

عدد بتائیے

صفیہ :- کوئی عدد سوچو۔
سلمیٰ :- سوچ لیا۔
صفیہ :- اس میں ایک جوڑ دو۔
سلمیٰ :- جوڑ دیا۔
صفیہ :- دو سے ضرب دو۔
سلمیٰ :- دے دیا۔
صفیہ :- اب دو جوڑ دو۔
سلمیٰ :- جوڑ دیا۔
صفیہ :- پھر دو سے ضرب دو۔
سلمیٰ :- دے دیا۔
صفیہ :- اب دس گھٹا دو اور جو باقی بچے وہ مجھے بتا
سلمیٰ :- ۳۹۸
صفیہ :- تم نے ۱۰۰ کا عدد سوچا تھا۔
سلمیٰ :- ٹھیک ہے۔

صفیہ کو کیسے پتہ چلا کہ سلمیٰ نے ۱۰۰ کا عدد سوچا تھا ؟

از تسنیم

[illegible]

پچھلے مہینے کے معموں کے حل

(۱) پھولوں کا معمہ

A—6 , E—4 , B—3
C—2 , D—1 , F—5

---

(۲) لڑکیوں کے نام تلاش کیجئے

پہچان جائیے
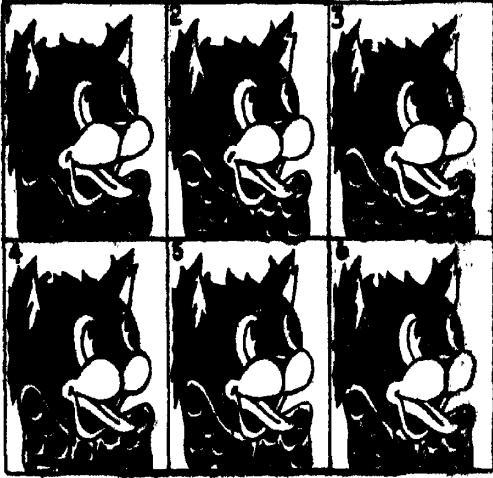
پہلی نظر میں چھ بلیاں ایک سی معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن در اصل ان میں صرف دو بلیاں ملتی جلتی ہیں۔ کیا انھیں پہچان سکتے ہیں ؟

بنائیے

یہ شکل ایک لکیر سے بنائی گئی ہے۔ بنانے میں نہ تو پنسل کاغذ پر سے ہٹائی گئی ہے، نہ کوئی لائن کٹی ہے اور نہ ایک لائن پر سے پنسل دو بار گزری ہے۔ آپ ایسی شکل بنا سکتے ہیں ؟

نومبر ۱۹۴۶ء
جلد۴ — نمبر۱

نونہال
سالانہ نمبر

چندہ سالانہ تین روپے
قیمت فی پرچہ چار آنے

زمین کے اندر کی بستیاں

مضمون صفحہ ۱۱ پر دیکھئے

ایک بہت بڑا دمکوڑا جسے دیمکوں نے تیار کیا

رانی دیمک ۔ اس کی شکل گھونگے سے ملتی جلتی ہے ۔ اور قد چار انچ لمبا ہوتا ہے

(تصویریں "آرڈیننس لیبوریٹریز کانپور" کے شکریئے کے

نونہال سالگرہ نمبر
نومبر ۱۹۴۶ء
جلد ۳
نمبر ۱

آؤ دنیا نئی بنائیں	۲	اندونیشیا	۲۰
ولیس کی داستان	۳	آسیب زدہ خانیں	۲۱
جاگو اور جگاؤ (نظم)	۶	ہنستی مکھی مار	۲۳
ریت میں پانی پینا	۷	کیا آپ جانتے ہیں؟	۲۵
گڑو میاں	۸	کل کی باتیں	[illegible]
کانتی اور عقاب	۹	بڑھیا کی بلی	[illegible]
زمین کے اندر کی بستیاں	۱۱	بچوں کا اخبار	[illegible]
بچوں کے قلم سے	۱۲	نئی نئی کتابیں	۳۰
اقوام متحدہ کے بچوں کے نام	۱۳	کھیل کھیل	۳۱
سپیرا	۱۵	بھانجوں اور بھانجیوں کے نام	۳۳
سائیکی	۱۶	مراکو کا جادوگر	۳۴

حصے ۳۵

ادارہ
مسرت جہاں بیگم تیموری — تاجور ... تیموریا
عزیز احمد — ہیم لتا چودھری
آرٹ ایڈیٹران
ڈی ... — ... شرما

سلامتی کی کونسل

چند مہینے ہوئے میں نے تمہیں ادارہ اقوام متحدہ کے بارے میں کچھ بتایا تھا۔ اسے عموماً یو این او کہتے ہیں۔ یہ انجمن دنیا میں لڑائیوں کی روک تھام کے لئے بنائی گئی تھی۔ لیکن دنیا میں صلح اور سلامتی قائم رکھنے کے لئے کئی اور مسئلوں کا حل بھی ضروری ہے۔ اسلئے آسانی کی غرض سے انجمن نے اپنا کام چھ مختلف جماعتوں کے سپرد کردیا ہے۔ ہر جماعت دنیا کے الگ الگ مسئلوں اور جھگڑوں کو چکائے گی۔ مثلاً اقتصادی اور سماجی کونسل سب ملکوں کی فلاح اور معیار زندگی بلند کرنے کا کام کرے گی۔ متولی کونسل ان ملکوں کا انتظام کریگی جو خود مختار نہیں۔ جس جماعت کے ہاتھ میں براہِ راست صلح قائم رکھنے کا کام ہوگا اسکا نام سلامتی کی کونسل ہے۔ اس کے ۱۱ ممبر ہیں جن میں سے ۵ یعنی برطانیہ۔ روس۔ چین۔ امریکہ اور فرانس مستقل ہیں۔ باقی کے چھ ممبروں کا چناؤ صرف دو سال کے لئے جنرل اسمبلی کیا کرے گی۔ اس طرح سارے ملک باری باری سلامتی کی کونسل کے ممبر رہ سکیں گے۔

ہر ممبر کو خواہ وہ بڑی طاقتوں میں سے ہو یا چھوٹی ایک ووٹ دینے کا حق ہوگا۔ کونسل کا اجلاس بارہ مہینے جاری رہیگا۔ ہاں مٹینگ جب دل چاہے ہوسکتی ہے۔ اگر کسی دو قوموں میں جھگڑا شروع ہوجائے تو انھیں آپس میں چکانا پڑیگا۔ فیصلہ نہ ہونے کی صورت میں انھیں اپنا جھگڑا کونسل کے سامنے پیش کرنا پڑے گا۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو کونسل کو اختیار ہے کہ وہ خود معاملہ اپنے ہاتھ میں لے لے۔ دونوں مخالف فریقوں کو کونسل کا فیصلہ قبول کرنا ہوگا ورنہ کونسل ان ملکوں سے سیاسی اقتصادی اور ریل، سمندر، ہوا اور ڈاک کے تمام تعلقات توڑ سکتی ہے۔ اگر یہ طریقہ کامیاب نہ ہوا تو کونسل فوجی طاقت کے زور سے اپنا کہا منوائیگی۔ ادارہ اقوام متحدہ کے تمام ممبر اس معاملے میں کونسل کی مدد کریں گے۔ انھیں کونسل کے مطالبہ پر اپنی فوجیں دینی ہوں گی۔ پانچ بڑی قوموں کے فوجی افسرِ اعلیٰ ان تمام فوجی کارروائیوں کا انتظام کریں گے۔

کونسل کو فوجی کارروائی کرنیکا اختیار رکھنے کی وجہ سے بہت سی قومیں ناجائز طور پر دوسرے ملکوں کو نہ دبا سکیں گی۔ اور انھیں کونسل کا فیصلہ ماننا پڑے گا۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یو این او کی وجہ سے چھوٹی قوموں کی طاقت محدود ہوکر رہ جائیگی لیکن یہ بات غلط ہے۔ کیونکہ یو۔ این او کے ذریعے ہی چھوٹی قومیں اپنی آواز اٹھاکر دنیا کے معاملات میں حصہ لے سکینگی۔ اپنی اپنی ذات سے انھیں دنیا کے معاملات میں بولنے کا اتنا موقعہ کبھی نہ ملتا جب تک بڑی طاقتیں مل جل کر کام کریں گی چھوٹی قوموں کو کوئی خطرہ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اگر کسی ایک قوم نے کبھی ان کے حقوق غصب کرنا چاہے تو تمام قومیں ملکر اسے دبالیں گی اور فیصلہ کرادینگی۔ چند مہینے گزرے ایران میں روسی فوجوں کی موجودگی کے خلاف ایرانی حکومت نے یو این او کے سامنے اپیل دائر کی تھی۔ تمام قوتوں کے دباؤ کی وجہ سے روس کو ایران سے اپنی فوجیں ہٹانا پڑیں، چھوٹی قوموں کو خطرہ صرف اس صورت میں پیدا ہوگا جب بڑی طاقتیں ملکر نہ رہ سکیں۔ اس صورت میں یو این او ختم ہوجائیگی۔ اگر تمام ۴ قومیں خلوص دل سے دنیا میں امن قائم رکھنے کا تہیہ کرلیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ڈر اٹھا [illegible]

یولیسس کی داستان

اس صفحے کی تصویر میں کچھ یونانی لڑکے اور لڑکیاں، اور بڑے لوگ بھی، بڑے غور سے ایک کہانی سُن رہے ہیں۔ داہنی طرف ایک آدمی بھیڑ کی کھال سے بنی ہوئی کتاب سے کہانی پڑھ رہا ہے۔ پُرانے زمانے میں لوگوں کو یہ دلچسپ کہانی بہت پسند تھی۔ اسے لکھے ہوئے کوئی دو ہزار سال گزر چکے ہیں لیکن اب بھی یہ اتنی ہی مقبول ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم بھی اسے پسند کرو گے۔

کسی زمانے میں ایک لڑکا تھا جس کا نام یولیسس تھا۔ اس کا باپ یونان کے ایک چھوٹے سے خوبصورت جزیرے پر حکومت کرتا تھا۔ جزیرے کا نام اتھیکا تھا۔ لڑکے کا بچپن ہنسی خوشی سے اسی جزیرے میں گزرا۔

جب یولیسس بڑا ہوا تو وہ بہت بہادر اور ہوشیار نکلا۔ وہ کھیتی باڑی کرنے اور مکان اور جہاز بنانے میں ماہر تھا اور اتنا طاقت ور تھا کہ کوئی دوسرا آدمی اس کی کمان نہیں کھینچ سکتا تھا۔ وہ چھوٹے قد کا آدمی تھا اور اس کے شانے بہت چوڑے تھے۔ اس کا رنگ گورا تھا اور اسکے بال لانبے اور سُنہری تھے۔

جب یولیسس جوان ہوا تو اس کا جی چاہا کہ شادی کرے۔ اسی زمانے میں ایک شہزادی ہیلن تھی جو دُنیا بھر میں سب سے خوبصورت عورت تھی۔ وہ خوبصورت ہی نہیں تھی بلکہ بڑی پیاری اور مہربان بھی تھی۔ یونان کے تمام نوجوان شہزادے اس سے شادی کرنا چاہتے تھے۔

ہیلن کے باپ نے نوجوان شہزادوں کو اپنے محل میں بلایا تاکہ ان میں سے کسی کو چُن کر اپنی بیٹی سے شادی کر دے۔ جو شہزادے وہاں گئے ان میں یولیسس بھی تھا۔ ہیلن کے باپ نے سب سے کہا کہ وہ اس بات کی قسم کھائیں کہ جو شہزادہ بھی چُنا جائے گا، سب اس کا ساتھ دیں گے۔ اور وقت پڑنے پر اس کے لئے لڑیں گے۔ سب شہزادے اس بات پر راضی ہوگئے۔ تب اس نے مینیلس نامی ایک شہزادے کا

انتخاب کیا۔

ہیلن یولیسس کو پسند کرتی تھی اور دونوں میں بڑی دوستی تھی۔ لیکن جب ہیلن کی شادی مینیلس سے طے ہوگئی تو یولیسس گھر واپس گیا اور پینیلوپ نامی ایک شہزادی سے شادی کرلی۔ وہ حسین اور نیک تھی اور یولیسس سے بہت محبت کرتی تھی۔

کئی سال گزرنے کے بعد یولیسس اور پینیلوپ کے ایک بچہ پیدا ہوا۔ ماں، باپ اور بچہ تینوں اپنے جزیرے میں بہت خوش تھے۔ یولیسس اپنا وقت کھیتی باڑی اور زمین اور مویشیوں کی دیکھ بھال میں گزارتا تھا۔ لیکن بہت جلد خوشی کے دن ختم ہوگئے۔ ایک دن یولیسس نے بُری خبر سُنی۔ پیرس نامی ایک شہزادہ، ہیلن کو اس کے شوہر کے پاس سے چرا کر سمندر پار اپنے باپ کے شہر ٹرائے میں لے گیا۔

مینیلس نے تمام شہزادوں سے کہا کہ انھوں نے ہیلن کے باپ سے جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کریں۔ اس نے ان سے درخواست کی کہ اپنے سپاہیوں کو جمع کریں اور اپنے جہاز تیار کرکے اس کے ساتھ ٹرائے جائیں اور چرائی ہوئی ملکہ کو واپس لائیں۔

یولیسس اپنی بیوی اور بچے کو چھوڑ کر جانا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن اسے اپنا وعدہ پورا کرنا تھا۔ اس لئے اس نے اپنے سپاہی جمع کئے اور اپنے جہازوں کے ملاح بھرتی کرکے دوسرے شہزادوں کے ساتھ ٹرائے کی طرف روانہ ہوگیا۔

ٹرائے کا لکڑی کا گھوڑا

دس سال تک شہزادے ٹرائے کا شہر فتح کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ اس زمانے میں جو حیرت انگیز کارنامے ہوئے ان کا بیان یہاں ممکن نہیں ہے۔ لیکن ہم یہ ضرور بتائیں گے کہ آخر شہر کس طرح فتح ہوا۔ یولیسس نے اپنے دوستوں سے کہا کہ وہ شہر کو لڑ کر کبھی نہیں جیت سکتے لیکن اس نے اسے چالاکی سے جیتنے کی ایک ترکیب بتائی۔ اس نے کہا: "لکڑی کا ایک بہت بڑا کھوکھلا گھوڑا تیار کیا جائے۔ اس کے اندر ہم اپنے سب سے بہادر سورما بٹھا دیں اور اسے کیمپ میں چھوڑ دیں۔ اس کے بعد باقی لوگ جہاز پر بیٹھ کر قریب کے ایک چٹانی جزیرے کو روانہ ہو جائیں اور وہاں چھپ جائیں۔ جب لوگ جا چکیں گے تو ٹرائے والے شہر کے باہر آئیں گے اور لکڑی کا گھوڑا دیکھیں گے۔ اور فتح کی نشانی کے طور پر وہ اسے گھسیٹ کر شہر کے اندر لے جائیں گے۔ آدھی رات کو جب ٹرائے والے غافل سو رہے ہوں، جہاز واپس آجائیں اور ہمارے آدمی چپکے سے شہر کی فصیل کے پاس پہونچ جائیں۔ جو لوگ گھوڑے کے اندر ہوں گے چپکے سے باہر نکل کر شہر میں آگ لگا کر شہر کا پھاٹک کھول دیں گے۔ اس کے بعد ہمارے سپاہی اندر دھاوا بول دیں گے اور شہر فتح ہوجائے گا۔"

شہزادوں نے یہ ترکیب پسند کی اور لکڑی کا گھوڑا تیار ہوگیا۔ اس کے بعد یولیسس اور اس کے دوست گھوڑے میں داخل ہوگئے۔ جب یہ کام ہوچکا تو یونانیوں نے اپنے خیمے جلادئے اور جہازوں میں بیٹھ کر واپس لوٹ گئے۔ ٹرائے والوں نے ویسا ہی کیا جیسا یولیسس نے کہا

یولیسس کی داستان

اس صفحے کی تصویر میں کچھ یونانی لڑکے اور لڑکیاں، اور بڑے لوگ بھی، بڑے غور سے ایک کہانی سُن رہے ہیں۔ داہنی طرف ایک آدمی بھیڑ کی کھال سے بنی ہوئی کتاب سے کہانی پڑھ رہا ہے۔ پُرانے زمانے میں لوگوں کو یہ دلچسپ کہانی بہت پسند تھی۔ اسے لکھے ہوئے کوئی دو ہزار سال گزر چکے ہیں لیکن اب بھی یہ اتنی ہی مقبول ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم بھی اسے پسند کروگے۔

کسی زمانے میں ایک لڑکا تھا جس کا نام یولیسس تھا۔ اس کا باپ یونان کے ایک چھوٹے سے خوبصورت جزیرے پر حکومت کرتا تھا۔ جزیرے کا نام اتھیکا تھا۔ لڑکے کا بچپن ہنسی خوشی سے اسی جزیرے میں گزرا۔

جب یولیسس بڑا ہوا تو وہ بہت بہادر اور ہوشیار نکلا۔ وہ کھیتی باڑی کرنے اور مکان اور جہاز بنانے میں ماہر تھا اور اتنا طاقت ور تھا کہ کوئی دوسرا آدمی اس کی کمان نہیں کھینچ سکتا تھا۔ وہ چھوٹے قد کا آدمی تھا اور اس کے شانے بہت چوڑے تھے۔ اس کا رنگ گورا تھا اور اسکے بال لانبے اور سُنہری تھے۔

جب یولیسس جوان ہوا تو اس کا جی چاہا کہ شادی کرے۔ اسی زمانے میں ایک شہزادی ہیلن تھی جو دُنیا بھر میں سب سے خوبصورت عورت تھی۔ وہ خوبصورت ہی نہیں تھی بلکہ بڑی پیاری اور مہربان بھی تھی۔ یونان کے تمام نوجوان شہزادے اس سے شادی کرنا چاہتے تھے۔

ہیلن کے باپ نے نوجوان شہزادوں کو اپنے محل میں بلایا تاکہ ان میں سے کسی کو چُن کر اپنی بیٹی سے شادی کردے۔ جو شہزادے وہاں گئے ان میں یولیسس بھی تھا۔ ہیلن کے باپ نے سب سے کہا کہ وہ اس بات کی قسم کھائیں کہ جو شہزادہ بھی چُنا جائے گا، سب اس کا ساتھ دیں گے۔ اور وقت پڑنے پر اس کے لئے لڑیں گے۔ سب شہزادے اس بات پر راضی ہوگئے۔ تب اس نے مینیلس نامی ایک شہزادے کا

انتخاب کیا۔

ہیلن یولیسس کو پسند کرتی تھی اور دونوں میں بڑی دوستی تھی۔ لیکن جب ہیلن کی شادی مینلیس سے طے ہوگئی تو یولیسس گھر واپس گیا اور پینیلوپ نامی ایک شہزادی سے شادی کرلی۔ وہ حسین اور نیک تھی اور یولیسس سے بہت محبت کرتی تھی۔

کئی سال گزرنے کے بعد یولیسس اور پینیلوپ کے ایک بچہ پیدا ہوا۔ ماں، باپ اور بچہ تینوں اپنے جزیرے میں بہت خوش تھے۔ یولیسس اپنا وقت کھیتی باڑی اور زمین اور مویشیوں کی دیکھ بھال میں گزارتا تھا۔ لیکن بہت جلد خوشی کے دن

ختم ہوگئے۔ ایک دن یولیسس نے بُری خبر سُنی۔ پیرس نامی ایک شہزادہ، ہیلن کو اس کے شوہر کے پاس سے چرا کر سمندر پار اپنے باپ کے شہر ٹرائے میں لے گیا۔

مینلیس نے تمام شہزادوں سے کہا کہ انھوں نے ہیلن کے باپ سے جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کریں۔ اس نے ان سے درخواست کی کہ اپنے سپاہیوں کو جمع کریں اور اپنے جہاز تیار کرکے اس کے ساتھ ٹرائے جائیں اور چرائی ہوئی ملکہ کو واپس لائیں۔

یولیسس اپنی بیوی اور بچے کو چھوڑ کر جانا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن اسے اپنا وعدہ پورا کرنا تھا۔ اس لئے اس نے اپنے سپاہی جمع کئے اور اپنے جہازوں کے ملاح بھرتی کرکے دوسرے شہزادوں کے ساتھ ٹرائے کی طرف روانہ ہوگیا۔

ٹرائے کا لکڑی کا گھوڑا

دس سال تک شہزادے ٹرائے کا شہر فتح کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ اس زمانے میں جو حیرت انگیز کارنامے ہوئے ان کا بیان یہاں ممکن نہیں ہے۔ لیکن ہم یہ ضرور بتائیں گے کہ آخر شہر کس طرح فتح ہوا۔ یولیسس نے اپنے دوستوں سے کہا کہ وہ شہر کو لڑ کر کبھی نہیں جیت سکتے لیکن اس نے اسے چالاکی سے جیتنے کی ایک ترکیب بتائی۔ اس نے کہا: "لکڑی کا ایک بہت بڑا کھوکھلا گھوڑا تیار کیا جائے۔ اس کے اندر ہم اپنے سب سے بہادر سورما بٹھال دیں اور اسے کیمپ میں چھوڑ دیں۔ اس کے بعد باقی لوگ جہاز پر بیٹھ کر قریب کے ایک چٹانی جزیرے کو روانہ ہو جائیں اور وہاں چھپ جائیں۔ جب لوگ جا چکیں گے تو ٹرائے والے شہر کے باہر آئیں گے اور لکڑی کا گھوڑا دیکھیں گے۔ اور فتح کی نشانی کے طور پر وہ اسے گھسیٹ کر شہر کے اندر لے جائیں گے۔ آدھی رات کو جب ٹرائے والے غافل سوتے ہوں، جہاز واپس آجائیں اور ہمارے آدمی چپکے سے شہر کی فصیل کے پاس پہونچ جائیں۔ جو لوگ گھوڑے کے اندر ہوں گے چپکے سے باہر نکل کر شہر میں آگ لگا کر شہر کا پھاٹک کھول دیں گے۔ اس کے بعد ہمارے سپاہی اندر دھاوا بول دیں گے اور شہر فتح ہو جائے گا۔"

شہزادوں نے یہ ترکیب پسند کی اور لکڑی کا گھوڑا تیار ہوگیا۔ اس کے بعد یولیسس اور اس کے دوست گھوڑے میں داخل ہو گئے۔ جب یہ کام ہو چکا تو یونانیوں نے اپنے خیمے جلادئے اور جہازوں میں بیٹھ کر واپس لوٹ گئے۔ ٹرائے والوں نے ویسا ہی کیا جیسا یولیسس نے کہا

تھا۔ جب جہاز جا چکے تو وہ شہر سے باہر آئے اور گھوڑے کو گھسیٹ کر شہر میں لے گئے۔

دن بھر ٹرائے والے لکڑی کے گھوڑے کے چاروں طرف ناچتے گاتے رہے۔ رات ہوئی تو سب اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ اس عرصے میں یونانی واپس آگئے تھے اور شہر کی فصیل کے پاس انتظار کر رہے تھے۔

جب بالکل اندھیرا اور سناٹا چھا گیا تو یولیسس نے گھوڑے کے ایک طرف دروازہ کھولا اور اپنے دوستوں سمیت چپکے سے باہر نکل آیا۔ کچھ لوگ بھاگ کر پھاٹک پر گئے اور اسے کھول دیا۔ کچھ لوگوں نے مکانوں میں آگ لگا دی۔

اس کے بعد یونانی شہر میں داخل ہو گئے۔ جلد ہی انھوں نے شہر پر قبضہ کر لیا اور بہت دنوں کا جھگڑا ختم ہوا۔ شہر جل کر خاک ہو گیا۔ اور یونانی جہازوں میں بیٹھ کر اپنے وطن واپس گئے ۞ (باقی آئندہ)

سمیر ——— بقیہ صفحہ ۱۶

ماسٹر املا بھی بولتا تھا۔ وہ بہت سے ایسے لفظ بولتا تھا جو ایک سے حروف سے شروع ہوتے تھے۔ لڑکے جتنے لفظ یاد رکھ سکتے تھے، انھیں لکھ لیتے تھے۔ وہ حساب میں جذر، جذر المکعب اور جیومیٹری وغیرہ پڑھتے تھے۔ انھیں قواعد بھی سیکھنی پڑتی تھی۔ سمیری زبان کے فعل بہت ہی مشکل تھے۔

سمیر میں تعلیم کی بہت قدر تھی۔ نہ صرف بڑے بڑے افسر لکھنے پڑھتے تھے بلکہ ان تمام دوکانداروں، تاجروں اور تجارتی سیاحوں کو بھی پڑھنا لکھنا ضروری تھا جو دنیا کا سفر کرتے تھے اور اُر جیسے شہروں کی بڑھتی ہوئی صنعتوں کے لئے روئی، اُون اور دھاتیں لاتے تھے۔ اُر کپڑا بننے اور دوسری صنعتوں کے لئے مشہور تھا۔ اُر ایک وجہ سے اور بھی مشہور ہے۔ یہی شہر ہے جہاں یہودی قوم کے جدِ امجد حضرت ابراہیمؑ پیدا ہوئے اور اُن کی پرورش ہوئی۔

دیمک ——— بقیہ صفحہ ۱۱

پہلے سے موجود ہیں۔ دیمکیں کچھ فائدے کے کام بھی کرتی ہیں۔ جنگلوں میں جو ان کا اصلی گھر ہیں، وہ درختوں کی ٹوٹی ہوئی شاخوں اور بیمار درختوں کو کھا جاتی ہیں اور زمین کو زرخیز اور اپجاؤ بناتی ہیں تاکہ نئے مضبوط درخت اُگ سکیں۔ تو تم نے دیکھا کہ اگر ہم دیمکوں کی اصل سلطنت یعنی جنگلوں پر حملہ نہ کریں تو وہ بھی ہماری دوست رہ سکتی ہیں ۞

نتیجہ معلوماتِ عامہ کا مقابلہ

نونہال:۔ پہلا انعام۔ فرزند حسین حاجی۔ برہانپور۔ سی۔ پی (ایک غلطی)
دوسرا انعام:۔ جیندنا تھ اہوجہ۔ رہتک (دو غلطیاں)

بے ڈے:۔ پہلا انعام۔ سنگت سنگھ دھکوئی۔ لائلپور (دو غلطیاں)
دوسرا انعام:۔ مرلتیا چندر جھیشوری۔ ایٹہ (تین غلطیاں)

جاگو اور جگاؤ

از
محمد شفیع الدین نیّر

جاگو، جاگو، پیارے جاگے دنیا والے سارے
دیکھو سورج، چاند، ستارے کرتے ہیں سب تم کو اشارے
تم بھی غفلت سے باز آؤ
جاگو، جاگو، سب کو جگاؤ

بے کاری کا رونا کب تک آنسوؤں سے منہ دھونا کب تک
تکیہ اور بچھونا کب تک جاگو، جاگو، سونا کب تک
اُٹھو، اُٹھو اب اُٹھ جاؤ
جاگو، جاگو، سب کو جگاؤ

کوشش سے کچھ کرنا سیکھو بَل پر اپنے اُبھرنا سیکھو
صرف خدا سے ڈرنا سیکھو حق کی خاطر مرنا سیکھو
کام کوئی جگ میں کر جاؤ
جاگو، جاگو، سب کو جگاؤ

قوم کی خدمت کر کے دکھاؤ قوم کا بگڑا کام بناؤ
قوم کی نیّا پار لگاؤ ڈوب رہی ہے اس کو تراؤ
جلد کنارے پر پہنچاؤ
جاگو، جاگو، سب کو جگاؤ

اُلفت کی بارش برساؤ نفرت کی یہ آگ بجھاؤ
مِل کر گیت پریم کے گاؤ گھر گھر یہ پیغام سناؤ
آپس کے جھگڑوں کو مٹاؤ
جاگو، جاگو، سب کو جگاؤ

سب ہمت ہاروں کو اٹھاؤ قسمت کے ماروں کو اٹھاؤ
قوم کے بے کاروں کو اٹھاؤ بے بس بے چاروں کو اٹھاؤ
نیّر کا یہ نغمہ گاؤ
جاگو، جاگو، سب کو جگاؤ

(دہلی نظمیں)

ریت میں پانی پینا

ایچ، این، بلوریہ

شیشہ اتنا عام ہو گیا ہے کہ ہم کبھی غور بھی نہیں کرتے کہ وہ کیا ہے۔ اسکے باوجود اگر شیشہ نہ ہو تو ہمارا گزارہ مشکل ہو جائے۔ بغیر اس کے ہم بجلی استعمال نہ کر سکیں اور اگر چمنی نہ ہو تو مٹی کے تیل کا لیمپ بھی بیکار ہے۔ سائنس کے تجربوں کے لئے بھی شیشے کی نلکیوں، دوربینوں اور خوردبینوں کی ضرورت ہے اور ہمارے گھر کی کھڑکیوں کے لئے بھی شیشوں کی ضرورت ہے کیونکہ بغیر اسکے گھر میں اندھیرا رہیگا لیکن تھوڑے عرصہ پہلے شیشہ کی کھڑکیوں پر ٹیکس تھا۔ شیشہ کیا چیز ہے اور کیسے بنتا ہے؟

شیشہ کئی اجزا کا مرکب ہے۔ اس کا سب سے اہم اجزا سلیسا ہے۔ سائیلسا ریت سے نکالا جاتا ہے۔ اسی ریت سے جس میں تم دریا کے کنارے بیٹھ کر کھیلتے ہو۔ لیکن یہ بتانا ضروری ہے کہ ہر طرح کی ریت شیشہ بنانے میں استعمال نہیں کی جاتی بعض قسم کی ریت میں کثافتیں ہوتی ہیں۔ جسکی وجہ سے شیشے میں رنگ کی جھلک پیدا ہو جاتی ہے بعض گلاسوں میں تم نے سبزی کی جھلک دیکھی ہوگی یہ ریت میں لوہے کے اجزا ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے لیکن یہ خیال بھی غلط ہے کہ خالص ریت سے شفاف شیشہ بن سکتا ہے۔ شفاف شیشہ بنانے کے لئے اور بہت سی چیزیں مثلاً سوڈا، چونا، پوٹاش وغیرہ ڈالی جاتی ہیں۔ جیسا شیشہ بنانا مقصود ہو اسکے لحاظ سے ان چیزوں کی مقدار ملاتے ہیں۔

جب یہ فیصلہ ہو جائے کہ شیشہ کس استعمال کے لئے بنایا جا رہا ہے تو یہ سب چیزیں ریت اور شیشے کے ٹکڑوں کے ساتھ خوب اچھی طرح ملائی جاتی ہیں اور پھر ایک بڑے برتن میں ڈالکر بھٹی میں رکھ دی جاتی ہیں۔ کئی گھنٹے تک آگ پر رہنے کے بعد سب چیزیں پگھل کر شیرے کی طرح گاڑھی ہو جاتی ہیں اگر شیشے میں کوئی رنگ دینا ہو تو اس وقت ہی ملایا جاتا ہے۔

کاریگر اب ایک لمبی سی ٹیوب اس پگھلے ہوئے مادّے میں ڈال کر نکال لیتے ہیں ایسا کرنے سے پگھلے ہوئے مادّے کا کچھ حصّہ ٹیوب کے سرے پر لگ جاتا ہے اب اسکی شکل درست کر کے پھونکنے والے کو دیتے ہیں۔ پھونکنے والا ٹیوب کے دوسرے سرے پر منہ رکھ کر پھونک مارتا ہے اور دوسرے سرے پر پگھلے ہوئے مادے کا بلبلہ سا بننے لگتا ہے۔ پھونکتے پھونکتے یہ بلبلہ بہت بڑا ہو جاتا ہے۔ ٹیوب کو پھرا کر یا کسی تختے پر لڑھکا کر اس بلبلے کو کسی شکل کا بنایا جا سکتا ہے۔ جب بلبلہ ٹھیک شکل اختیار کر لیتا ہے تو اسے ٹھنڈا ہونے دیتے ہیں شیشہ پھونکنے والے یہ کام بڑی چابکدستی سے کرتے ہیں۔ نرم شیشے کو وہ کسی صورت میں دل چاہے ڈھال سکتے ہیں۔ بعض چیزیں بنانے میں تو ان لوگوں کو کمال حاصل ہے۔

بوتلیں بنانے کے لئے ٹیوب کے دوسرے سرے کو جس پر پگھلا ہوا مادہ ہوتا ہے۔ سانچوں میں رکھ دیتے ہیں اور پھر پھونکتے ہیں۔ اس طرح سے شیشہ سانچے کی شکل اختیار کر لیتا ہے یہ کام مشینیں بہت تیزی سے کرتی ہیں۔ دوکانوں کی کھڑکیوں میں جو شیشہ لگا ہوا ہوتا ہے وہ پگھلے ہوئے مادّے کو بڑی بڑی چادروں پر پھیلا کر اس پر بیلن پھیرنے سے بنتا ہے۔ لیکن عینک، خوردبینوں اور کیمرہ ول کے شیشے نہایت ہوشیاری سے بنائے جاتے ہیں۔ انکی ساخت اور ضخامت خاص ہوتی ہے۔ بنانے کے بعد انھیں گھسا جاتا ہے۔ اس کام میں بڑی محنت درکار ہے۔ اسلئے ان شیشوں کی قیمت زیادہ ہوتی ہے۔

تم اب شیشہ بنانے کا ذکر سنتے سنتے تھک گئے ہو گے۔ اور یہ معلوم کرنا چاہتے ہو گے کہ آئینہ جو تم روزانہ استعمال کرتے ہو کس طرح تیار ہوتا ہے۔ شیشہ کے ایک طرف سلور نائٹریٹ کی تہ چڑھا دی جاتی ہے۔ اسکی وجہ سے روشنی کی شعاعیں منعکس ہونے لگتی ہیں اور شکل صاف نظر آنے لگتی۔ جب یہ تہ سوکھ جاتی ہے تو رنگین وارنش کی دوسری تہ چڑھائی جاتی ہے۔ اچھا آئینہ بنانے کے لئے بہت عمدہ شیشے کی ضرورت ہوتی ہے۔ پرانے زمانے میں وینس، ایران، چین، ہندوستان اور یورپ والے شیشے کے بہت خوبصورت جگ۔ پیالے۔ پھولدان اور لیمپ بناتے تھے۔ آجکل شیشہ۔ موزے اور ریشم اور خوبصورت چوتیاں بنانے میں استعمال ہوتا ہے شیشے کی اینٹوں سے گھر بنائے جاتے ہیں جس میں سے سورج کی روشنی چھن کر اندر جاتی ہے لیکن سردی گرمی اور شور کا اثر اندر نہیں پہنچ سکتا۔

کانتی اور عقاب

کسی جنگل میں دو بچے کانتی اور کرپا اپنے والدین کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ ایک دن ان کے والدین کو باہر جانے کا اتفاق ہوا۔ چلتے وقت ماں نے کانتی سے کہا اپنے چھوٹے بھائی کا خیال رکھنا اور اسے نظروں سے اوجھل نہ ہونے دینا۔ ان کے جانے کے بعد کانتی نے اپنے بھائی کو گود میں اٹھایا اور پہاڑی کی طرف چل دی۔ پہاڑی کی چوٹی پر پہنچ کر گھاس میں بیٹھ گئی۔ یہاں سے وہ نیچے رہنے والے چرواہوں کی جھونپڑیاں صاف دیکھ سکتی تھی۔ کانتی کرپا کے ساتھ کھیلتی رہی۔ لیکن تھوڑی دیر میں کرپا تھک کر سوگیا۔ کانتی اس کے پاس بیٹھی ٹھنڈی ہوا اور دھوپ سے لطف اندوز ہو رہی تھی کہ اسکی نظر ایک حسین تیتری پر پڑی جو ہوا میں ادھر ادھر منڈلاتی پھر رہی تھی۔ سورج کی روشنی میں اس کے رنگ دمکتے معلوم ہوتے تھے۔ کانتی اس کے پیچھے دوڑی۔

جب وہ واپس آئی تو کرپا کا کہیں پتہ نہ تھا۔ لیکن دو بڑے عقاب آسمان پر اڑتے نظر آئے۔ ان میں سے ایک کے پنجوں میں اس کا ننھا بھائی تھا۔ کانتی گھبراکر ان کے پیچھے دوڑی راستے میں ایک چولہا ملا۔ کانتی نے پوچھا: "چولہے کیا تم نے میرے بھائی کو دیکھا ہے؟" "پہلے جوار کی روٹی چکھو جب میں تمہیں بتاؤنگا۔"

کانتی نے منہ بناکر کہا ہم اپنے گھر میں گیہوں تک کی روٹی نہیں کھاتے۔ یہ کہہ کر وہ آگے بھاگی راستے میں ایک بوڑھا سیب کا درخت ملا کانتی نے اس سے بھی پوچھا: "کیا تم نے میرے بھائی کو دیکھا ہے؟" سیب کا درخت بولا۔ "پہلے مجھ میں سے توڑکر ایک چھوٹا سا سیب کھاؤ۔ پھر میں بتاؤں گا۔" کانتی نے غرور سے تن کر کہا۔ ہمارے باغ میں

بڑے بڑے سنہری سیب لگتے ہیں ہم تو ان تک کو نہیں چکھتے۔ یہ کہہ کر وہ پھر بھاگی یہاں تک کہ وہ ایک چشمے پر پہنچی۔ جس کے کنارے حلوے کے تھے اور پانی سونے کی طرح چمک رہا تھا۔" اے چشمے کیا تمہیں میرے بھائی کی کچھ خبر ہے؟"

" پہلے کچھ حلوا کھاؤ پھر بتاؤں گا۔" چشمے نے کہا۔

"اونہہ" کانتی بولی:" یہ معمولی حلوہ۔ ہم تو گھر میں بادام اور پستوں تک کا حلوا نہیں کھاتے۔"

یہ کہہ کر وہ پھر آگے بڑھی تو اس نے دیکھا کہ اس کا بھائی ایک درخت کی پھننگ پر جادو گرنی کی کھڑکی سے جھانک رہا ہے۔ وہ جلدی جلدی اوپر چڑھی اور بھائی کو گود میں لے کر بھاگی۔ عقاب بھی اس کے پیچھے دوڑے۔

راستے میں چشمہ پڑا۔ کانتی بولی:" اے چشمے مجھے عقابوں سے بچاؤ۔" دریا نے کہا کہ حلوا کھاؤ۔ کانتی نے معافی مانگتے ہوئے حلوا چکھا دریا نے دونوں کو اپنے میں چھپا لیا۔ جب عقاب دور چلے گئے تو وہ باہر نکلی۔

لیکن عقابوں نے اسے پھر دیکھ لیا اور اس کے اتنے قریب آگئے کہ ان کے پر اس کے سر سے چھو گئے۔ کانتی نے بھائی کو سینے سے چمٹا لیا اور سیب کے درخت کے پاس پہنچی۔ اور کہا:" ہمیں ظالم عقابوں سے بچاؤ۔" درخت نے کہا پہلے سیب کھاؤ۔" کانتی نے سیب کھائے اور اپنے غرور پر پچھتائی۔ درخت نے اپنے پتوں میں اس کو اور اس کے بھائی کو چھپا لیا۔ جب عقاب دور چلے گئے تو کانتی پھر نکل کر بھاگی۔ اسے سخت بھوک لگ رہی تھی۔ وہ چولہے کے پاس آئی اور باجرے کی روٹی کھائی۔ اور بھاگی بھاگی گھر پہنچی یہاں آکر اس نے اطمینان کا سانس لیا۔

زمین کے اندر کی بستیاں

میرا خیال ہے کہ تم سب نے دیمک دیکھی ہوگی کیونکہ وہ ہندوستان میں ہر جگہ پائی جاتی ہے اور کبھی کبھی بڑا نقصان کرتی ہے۔ شاید تم نے بھی اپنی کسی محبوب کتاب یا ٹکٹوں یا تصویروں کے البم کا نقصان اٹھایا ہو۔ ایسا دیکھا گیا ہے کہ دیمکوں نے رات بھر میں کیچڑ سے لت پت جوتوں کا جوڑا صاف کر دیا اور صرف کیچڑ اور کیلیں باقی رہ گئیں جن سے پتہ چلتا تھا کہ اس جگہ جوتے رکھے ہوئے تھے۔

چنانچہ ہر شخص دیمکوں کو قابل الزام اور بہت ہی برا سمجھتا ہے لیکن اصل میں یہ بڑی دلچسپ ہیں۔ ہندوستان میں تقریباً سو قسم کی دیمکیں پائی جاتی ہیں۔ کل ملا کر اسکی ڈیڑھ ہزار قسمیں ہیں۔ دیمکوں کے متعلق سب سے پہلی دلچسپ بات یہ ہے کہ وہ مل جل کر ایک قبیلہ سا بنا لیتی ہیں جسے ہم بستی بھی کہہ سکتے ہیں۔ کبھی کبھی وہ اپنی بستیاں زمین کے اندر بساتی ہیں۔ کبھی وہ دمکوڑے بنا لیتی ہیں جو زمین سے سات آٹھ فٹ اونچے ہوتے ہیں۔ اور اسی کے اندر رہتی ہیں۔ یہ دمکوڑے لکڑی اور مٹی سے مل کر بنتے ہیں۔ دیمکیں ایک خاص قسم کا لعاب نکال کر اس سے لکڑی کے برادے اور مٹی کو ملاتی ہیں اسکے اندر ایک گنبد دار شاہی محل ہوتا ہے۔ اسکے قریب ایک باغ ہوتا ہے جس میں راجہ اور رانی کے لئے خوراک پیدا کی جاتی ہے۔ دمکوڑے کے مختلف کمروں اور باغوں کو ملانے کے لئے گیلریوں کا ایک جال ہوتا ہے اسکے علاوہ دمکوڑے میں ہوا اور روشنی آنیکے لئے بہت سی کھڑکیاں ہوتی ہیں۔

دیمکیں نہ صرف بستیوں میں رہتی ہیں، محل بناتی ہیں اور باغ لگاتی ہیں بلکہ انکے یہاں ذات پات کا بھی رواج ہے۔ شاہی خاندان کی دیمکوں کا رنگ گہرا بھورا ہوتا ہے۔ ان کے سپرد نئی بستیاں بسانے کا کام ہوتا ہے۔ ان کے متعلق بعد میں ذکر کیا جائیگا۔ دوسری ذات "نائب شاہی" ہوتی ہے جن کا رنگ ذرا ہلکا ہوتا ہے۔ اگر راجہ یا رانی کو کچھ ہو جائے تو انڈا دینے کا کام "نائب شاہی ذات" کی دیمکوں کے سپرد ہوتا ہے۔ تیسری ذات "بیکار امیروں" کی ہے۔ چوتھی اور پانچویں ذاتیں مزدوروں اور سپاہیوں کی ہوتی ہیں۔ یہی دو قسم کی دیمکیں تمہیں نظر آتی ہیں اور در لکڑی، درختوں یا کتابوں کو نقصان پہونچاتی ہیں۔

مزدوروں کا رنگ پیلا اور جسم ملائم ہوتا ہے اور وہ اندھی ہوتی ہیں۔ زیادہ تر دیمکیں اسی ذات کی ہوتی ہیں۔ سپاہیوں کے یا تو مضبوط جبڑے ہوتے ہیں جنکی مدد سے وہ کاٹ سکتے ہیں یا پھر سر میں ٹونٹی ہوتی ہے جس سے وہ اپنے گھر کی حفاظت کے لئے ایک قسم کا ناخوشگوار رقیق مادہ چھڑکتے ہیں۔

برسات کے شروع میں تم نے دیکھا ہوگا کہ بہت سے پردار کیڑے اچانک باہر نکل آتے ہیں اور پھر اپنے پر جھاڑ دیتے ہیں۔ یہ کیڑے اصل میں چھوٹی لمبی دیمکیں ہیں جو اپنی زندگی کا مقصد پورا کرنے کے لئے تیار ہو کر آتی ہیں۔ ان میں سے بہتوں کو تو چڑیاں، چھپکلیاں اور مینڈک وغیرہ صاف چٹ کر جاتے ہیں لیکن جو بچ جاتی ہیں وہ جوڑے بنا کر زمین میں گھس جاتی ہیں۔ یہی دیمکوں کی راجہ رانی ہیں شاہی جوڑا بیٹھا انڈے دیکر ایک نئی بستی کی بنیاد ڈالتا ہے۔ رانی کی عمر تقریباً دس سال ہوتی ہے۔ ایک دن میں وہ اسی ہزار کے قریب انڈے دیتی ہے۔ چنانچہ بہت جلد وہ ایک زبردست بستی بسا دیتی ہے جس میں دیمکوں کی تعداد کبھی کبھی بیس کروڑ تک پہنچ جاتی ہے۔ اس دوران میں رانی بہت بڑھ جاتی ہے۔ اس کی لمبائی چار انچ کے قریب ہو جاتی ہے اور یہ بہت موٹی ہو جاتی ہے۔

مزدور انڈے لیجاتے ہیں، ان کی نگرانی کرتے ہیں اور انھیں غذا پہونچاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ یہ آکر لکڑی، کتابیں یا دریاں کھا کر راجہ رانی اور ننھی دیمکوں کیلئے غذا حاصل کرتے ہیں۔ مزدور اندھے ہوتے ہیں اور تیز روشنی اور خشک ہوا نہیں برداشت کر سکتے۔ اسلئے وہ جہاں کہیں جاتے ہیں بہت عمدہ تاریک اور نم سرنگیں بنا لیتے ہیں۔ تم نے جس جگہ دیمکوں کو دیکھا ہوگا وہاں مٹی کی یہ سرنگیں بھی دیکھی ہونگی۔ اگر تم یہ سرنگ توڑ دو تو مزدور اپنے گھر واپس نہیں جا سکیں گے اور فوراً مر جائیں گے۔

ہم یہ ہرگز نہیں چاہتے کہ دیمکیں ہمارے گھروں یا باغوں میں درختوں، دروازوں، کتابوں یا کپڑوں کو کھا کر برباد کر دیں۔ اسلئے ہمیں چاہئے کہ زمین پر کوئی چیز نہ رکھیں تاکہ دیمکیں ظاہر ہوتے ہی فوراً نظر آجائیں۔ جہاں تک ہو سکے ہمیں ہر چیز ٹین کے بکسوں میں رکھنی چاہئے اور بکس اینٹوں یا دھات کے پایوں پر رکھنے چاہئیں لیکن دیمکیں جان بوجھ کر نقصان نہیں کرتیں۔ وہ اپنی بستی کی لاکھوں دیمکوں کے لئے خوراک تلاش کرتی ہیں۔ اسلئے یہ بہت برا ہے کہ ہم اپنے گھروں میں ایسی چیزیں استعمال کریں جو دیمکوں کو بہت پسند ہیں یا ایسی جگہ مکانات بنائیں جہاں دیمکوں کی بستیاں

(باقی صفحہ ۵ پر)

لطیفے

ماں :۔ (بیٹے سے) بیٹا فرید۔ رات جو میں نے دو بسکٹ رکھے تھے ان میں سے ایک کہاں ہے۔

فرید :۔ اماں۔ رات اندھیرے میں دوسرا دکھائی نہیں دیا۔

(نام نہیں لکھا)

ایک شخص کا لڑکا کسی مسجد کے ملا کے پاس پڑھا کرتا تھا۔ ایک روز لڑکے نے سبق یاد نہ کیا۔ ملاجی خفا ہو کر بولے :۔ "مرغی کے بچے سبق کیوں نہیں یاد کیا"۔

لڑکا :۔ ملاجی۔ اذان تو روز آپ دیتے ہیں اور مرغی کا بچہ مجھے بتاتے ہیں۔

باغبان :۔ (لڑکے سے جو باغ میں گھسا ہوا تھا) تم وہاں درخت کے نیچے سیب کو ہاتھ میں لئے ہوئے کیا کر رہے تھے؟

لڑکا :۔ میں کوشش کر رہا تھا کہ یہ سیب جو نیچے گر پڑا ہے اسے اسکی جگہ پر لگا دوں۔

فضل الرحمن۔ ناردوال۔

بیوقوف آدمی :۔ بابو صاحب۔ جلدی کیجئے۔ ایک ٹکٹ باقرانی کا دیدیجئے۔

بابو :۔ مگر جناب گاڑی دو گھنٹے لیٹ ہے۔

بیوقوف آدمی :۔ آپ ٹکٹ دید یجئے۔ میرا بھائی بیمار ہے۔ مجھے جلدی جانا ہے۔ میں پیدل چلا جاؤنگا۔

سید مقبول احمد راشدی

پہیلیاں

(۱)

دو سہیلی، ایک مکان — چلیں، پھریں، گائیں ہر آن
ہاتھ نہ پاؤں، ناک نہ کان — سب کو بتائیں آ پہچان

(۲)

زلف میں الجھا ہوا ہے پاؤں میں زنجیر ہے
گانٹھ کا پورا ہوا ہے قتل کی تدبیر ہے

جلیل احمد۔ بھوپال

۔ جنبیر (۲) ۔ اکھیں (۱)
[illegible]

اقوام متحدہ کے بچوں کے نام —— دوستی کا پیغام
چین کی ننھی کاؤ اور اس کی
جنوبی افریقہ کے بنزا ، کارفا ، اور سمو آتو کے نام

(تصویریں ڈائجز میگزین، کے شکریے کے ساتھ)

سُمیر

از بابا

بہت دنوں کی بات ہے۔ چالیس صدیاں گزریں کہ سندھ میں موہنجوداڑو کے مقام پر ایک ننھا بچہ اپنے باپ کے ایک دوست کی زبانی کہانیاں سنا کرتا تھا۔ یہ دوست ایک تجارتی سیّاح تھا جو سمیر سے آیا تھا۔ خلیج فارس کے سرے پر دجلہ اور فرات دریاؤں کے بیچ میں جو ملک ہے وہ سمیر کہلاتا تھا۔ اب اسے عراقِ عرب کہتے ہیں۔ بہت پرانے زمانے میں یعنی چالیس پچاس صدی پہلے تین قومیں تھیں جنہوں نے بڑی ترقی کر لی تھی۔ (۱) مصر (۲) شمال مغربی ہندوستان میں دریائے سندھ کا تمدّن اور (۳) سمیر۔

سمیر بڑی زبردست تجارتی سلطنت تھی۔ اسکے دارالسلطنت اُر میں کافی آبادی اور بڑی چہل پہل تھی۔ یہاں سے تجارتی سیّاح اور ایجنٹ خشکی اور بحری راستوں سے دور دراز کے ملکوں کو جایا کرتے تھے اور مصر، ہندوستان، قبرس اور باقی تمام دنیا سے تجارت ہوتی تھی۔ سمیر میں اناج کثرت سے پیدا ہوتا تھا۔ اب تو دریائے فرات نے اپنا راستہ بدل دیا ہے اس لئے یہ خطّہ ریگستان ہو گیا ہے۔ لیکن پُرانے زمانے میں دریا کے دونوں کناروں پر بند باندھ کر اس کے بہاؤ کو قابو میں کر لیا گیا تھا اور سارے ملک میں چھوٹی بڑی نہروں کا ایک جال بچھا ہوا تھا۔ یہ نہریں یا تو بیاسے کھیتوں کو پانی پہونچاتی تھیں یا چڑھے ڈیلٹا میں کھیتوں کے فالتو پانی کو باہر لے جاتی تھیں۔ آبپاشی کے اس سلسلے کو ٹھیک سے چلانا حکومت کے خاص کاموں میں شامل تھا۔

سمیری اصل میں شمالی پہاڑوں کے رہنے والے تھے۔ لیکن دونوں دریاؤں کے درمیان کی زرخیز زمین دیکھ کر وہ یہاں آن بسے تھے۔ لیکن یہ خطّہ اپنے قبضے میں رکھنے کے لئے انھیں کافی لڑائی جھگڑا کرنا پڑتا تھا۔ کیونکہ جنوبی ریگستان کے بہت سے قبیلے بھی اس خطّے پر اپنا حق جتاتے تھے۔

پہاڑ پر بسنے والے سمیریوں کی عادت تھی کہ اپنے دیوتاؤں کی عبادت پہاڑ کی چوٹیوں پر کرتے تھے۔ لیکن جب وہ سمیر کے میدان میں آ گئے تو چھوٹے چھوٹے مصنوعی پہاڑ بنا کر ان پر اپنی عبادت گاہیں بنانے لگے۔ انھیں زینہ بنانا نہیں آتا تھا اس لئے وہ مینار کے گرد ڈھلوان راستہ بناتے تھے۔
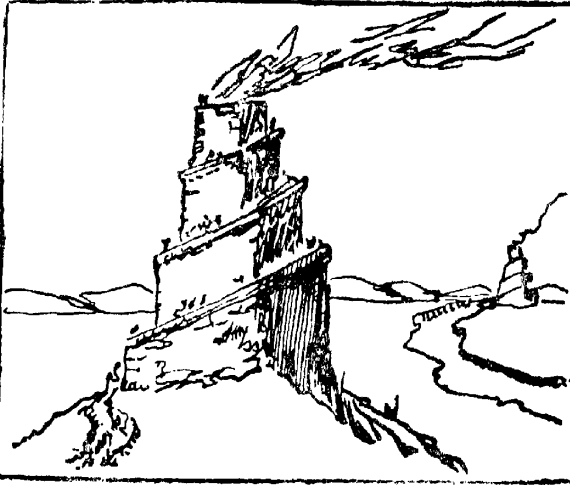
جس وقت اُر کا تجارتی سیّاح ننھے بچے کے باپ کے پاس موہنجوداڑو پہونچا اس وقت اُر بہت عمدہ شہر بن چکا تھا۔ یہ دریائے فرات سے پرے ایک اونچے ٹیکرے پر آباد تھا۔ زیادہ تر گھر کچّے تھے اور کئی بار رجاڑے کی برسات نے انھیں ڈھیر کر دیا تھا۔

کئی بار فاتح دشمنوں نے بھی شہر کو تباہ کیا تھا۔ لیکن ہر دفعہ لوگ واپس آئے اور انھوں نے پرانے شہر کے کھنڈرات پر نیا شہر بنا لیا۔ چنانچہ اب شہر اُر میدان میں شان سے آباد تھا۔

سمیر کے ہر شہر کا دیوتا الگ تھا۔ اُر چاند کے دیوتا کا شہر تھا۔ اس کے نام پر زیگورات یا عبادت خانہ بنا ہوا تھا۔ کچھ لوگوں کو ابھی تک یاد تھا کہ ان کی مقدّس عمارتیں پہاڑ کی چوٹیوں پر بنتی تھیں۔ ان لوگوں نے یہ عبادت گاہ ایک مصنوعی پہاڑی پر بنائی۔ یہ ٹھوس اینٹوں کا ایک وسیع مینار تھا جو تین منزلوں میں بنا ہوا تھا۔ اس پہاڑی کا

نام انھوں نے جنت کی پہاڑی رکھا تھا اور اس کے اردگرد ایسے باغ اور درخت لگائے تھے کہ یہ مصنوعی پہاڑی ان کے آبائی وطن کی اصل پہاڑی کی طرح معلوم ہوتی تھی۔ زگورات کے نیچے چار دیواری سے گھری ہوئی ایک جگہ تھی جس میں لوگ آکر جمع ہوتے تھے اور چاند کے دیوتا کو چڑھاوے چڑھاتے تھے۔ بڑے بڑے امیر افسر، دولت مند تاجر اور دوکاندار، ہنرمند کاریگر اور غلام سبھی آتے تھے۔ یہ ایک قسم کا شاہی دربار تھا جہاں بادشاہ کے بجائے چاند کا دیوتا ہوتا تھا پجاری انصاف کرتے تھے اور یہ دربار گویا عدالت سمجھا جاتا تھا۔ انتظام سلطنت کے لئے، لیات، جنگ و زراعت کے وزیر ہوتے تھے۔ ایک بڑا دفتر بھی تھا جہاں سارے کاغذات رکھے جاتے تھے۔ دربار لے جانے والی چیز کی رسید لی جاتی تھی۔ اگر تم یہ رسیدیں دیکھتے تو تم ان میں بڑی دلچسپی لیتے۔ اور تم انھیں اب بھی دیکھ سکتے ہو کیونکہ بہت سی اب تک محفوظ ہیں۔ شروع میں وہ کاغذ کی بجائے مٹی کی ہوتی تھیں۔ مٹی ملائم ہی ہوتی تھی کہ ایک کیل سے اس پر لکھ دیا جاتا تھا۔ اس طرح میخ کی شکل کے نشان بنجاتے تھے۔ پرانے زمانے کی یہ لکھائی سمیریوں نے ایجاد کی تھی اور انکے بعد کئی صدیوں تک اس کا رواج رہا۔ اس طریقۂ تحریر کو طرز میخی کہتے تھے۔ ایک دو مثالوں سے یہ تمہاری سمجھ میں آجائیگی۔ پہلے سورج ایک

معمولی دائرے سے دکھایا جاتا تھا۔ اس طرح

لیکن سمیریوں نے اسے اس طرح لکھنا شروع کیا۔ پہلے پیر کی تصویر یوں ہوتی تھی — پھر یہ اس طرح ہوگئی — سمیر کے تجارتی بسولچے نے

موہنجوداڑو کے ہندوستانی بچے کو اپنے اسکول کا حال بتایا۔ یہ اسکول شہر اُر میں منڈی والی سڑک اور چوڑی سڑک کے کونے پر تھا۔ اسکے قریب ہی ایک بڑی سرائے تھی جہاں مسافر تاجر ٹھہرا کرتے تھے۔ اس نے بتایا کہ وہ ان لوگوں سے دور دیس کی باتیں سُننے کے لئے وہاں اکثر جاتا تھا اور اس نے سوچا تھا کہ بڑا ہو کر وہ بھی ضرور سفر کریگا۔ اور اب وہ اپنے مالک کی طرف سے جو ایک بڑا تاجر تھا، ساری دنیا کا سفر کر رہا تھا۔

جس اسکول میں وہ پڑھتا تھا وہ اجمل نامی ایک درویش کا تھا۔ اجمل اور اس کا کنبہ اسکول کے اوپر کی منزل میں رہتا تھا۔ ماسٹر مٹی کی ایک گیلی گول ٹکیہ لیتا تھا۔ یہ ایسی ہوتی تھی جیسی چپاتی بیلنے سے پہلے ہوتی ہے۔ اس کے ایک طرف وہ لوہے کی کیل سے کوئی لفظ یا چھوٹا جملہ لکھتا تھا اور اپنے شاگردوں کو بھی سکھاتا تھا۔ شاگرد اسے دیکھ کر یاد کر لیتے تھے۔ پھر اپنے حافظے کی مدد سے خود دوبارہ لکھنے کی کوشش کرتے تھے اسکے بعد ماسٹر آکر دیکھتا تھا۔ اگر ٹھیک لکھا ہوتا تو وہ اسے شاباش دیتا تھا اور شاگرد کو پھر کام کرنا پڑتا تھا

(باقی صفحہ ۵ پر)

ضرور دیکھو

سانچی

بدھی عہد کے ہندوستان کے تاریخی آثار

از جانی چوہان

تمہیں سانچی ضرور دیکھنا چاہئے کیونکہ وہاں ہندوستان کی سب سے پرانی عمارتیں ہیں۔ یہ بدھی اسٹوپ ہیں جو وسطی ہندوستان میں دریائے بیتوا کے کنارے ایک پہاڑی پر بنے ہوئے ہیں۔ تمہیں موسم بہار کے شروع میں جانا چاہئے کیونکہ اس زمانے میں ڈھاک کے شعلہ جیسے سرخ پھولوں سے پہاڑی میں آگ سی لگی ہوتی ہے۔ اور اس رنگین ماحول اور پرانے بھورے کھنڈرات کے رنگوں کا اثر بہت ہی

عجیب ہوتا ہے۔ سانچی بھوپال اور بھیلسہ کے درمیان میں جی آئی پی ریلوے لائن پر ہے اور اگر تم گارڈ کو پہلے سے اطلاع دے دو تو گاڑی وہاں ٹھہرائی جا سکتی ہے۔

یہ اسٹوپ ٹیلے ہیں جو کسی بات کی یادگار کے لئے بنائے گئے تھے۔ اور ہندوستان میں بدھ فن تعمیر کے سب سے اعلیٰ نمونے ہیں۔ گوتم بدھ خود یہاں کبھی نہیں آئے۔ بدھوں کی دوسری مقدس جگہیں مثلاً سارناتھ اور بدھ گیا وغیرہ کا گوتم بدھ کی زندگی سے قریبی تعلق ہے، لیکن سانچی کا نہیں۔ بہرحال اشوک اعظم (۲۷۳-۲۳۲ ق م) کی زندگی سے اس کا بہت تعلق ہے۔ اسکی سلطنت مدراس کو چھوڑ کر سارے ہندوستان میں پھیلی ہوئی تھی۔ اشوک نے عمر کے شروع ہی میں بدھ مذہب اختیار کر لیا تھا اور اس نے اسے نہ صرف ہندوستان میں بلکہ ممالک غیر میں بھی پھیلایا۔ سانچی کے مقام پر اس نے ایک مشہور لاٹ نصب کرائی۔ ایسی لاٹوں پر وہ اپنے قانون کھدوا دیتا تھا تاکہ اس کی رعایا کو معلوم ہو کہ انھیں کن باتوں کی پابندی کرنی ہے۔

اس زمانے میں اس جگہ ایک مشہور اور گھنا شہر آباد تھا۔ اس کا نام ویدیسا تھا۔ یہ مشرقی مالوہ کا دارالسلطنت تھا۔ شہر کے رہنے والے بدھ مذہب کے لوگوں نے آس پاس کی پہاڑیوں پر خاموش اور خوبصورت جگہوں میں اپنی مذہبی عمارتیں بنائی تھیں۔ اشوک کو خود یہ جگہ بہت پسند تھی اور اکثر یہاں آیا کرتا تھا۔

بدھ اسٹوپ شروع شروع میں گوتم بدھ کی یادگار کے طور پر بنائے گئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اشوک نے اپنی سلطنت بھر میں ایسے ۸۴۰۰۰ اسٹوپ بنوائے تھے۔ بعد میں دوسرے مقدس مذہبی تبرکات بھی اسٹوپ میں رکھے جانے لگے۔ اور کچھ دنوں بعد تو صرف اسٹوپ بنوانا ثواب کا کام ہو گیا چاہے اس میں کوئی مقدس چیز رکھی جائے یا نہیں۔ سانچی کے اسٹوپ بھی مختلف زمانوں میں مختلف لوگوں نے بنائے تھے۔

سانچی کے بڑے اسٹوپ میں ایک عظیم الشان گول گنبد ہے اور اس کے گرد ایک بلند شاندار چبوترہ ہے جس پر یاتری جلوس بنا کر چلا کرتے تھے۔ چبوترے کے نیچے اسٹوپ کے گرد ایک اور راستہ ہے جس پر جلوس چلتا تھا۔ اس پر پتھر کا ایک زبردست کٹہرہ لگا ہوا ہے۔ اسے چار خوبصورت اور اونچے پھاٹکوں کے ذریعے چار حصوں میں بانٹ دیا گیا ہے۔ ان پھاٹکوں پر نقاشی کا عمدہ کام بنا ہوا ہے۔

اصل اسٹوپ اشوک نے بنوایا تھا۔ بعد میں اس کی شان و شوکت میں اضافہ کیا گیا۔ اسٹوپ کے سرے پر ایک کٹہرہ ہے جو مقدس چھتری کو گھیرے ہوئے ہے۔ اس عجیب و غریب اسٹوپ کا سب سے شاندار حصہ پھاٹک ہیں۔ ان کی نقاشی کا ڈیزائن ایسا ہے جیسے کسی بڑھئی نے لکڑی میں نقش و نگار بنائے ہوں۔ کمال یہ ہے کہ اگرچہ یہ باریک کام پتھر کے لئے بالکل ناموزوں تھا اس کے باوجود یہ پھاٹک دو ہزار سال سے کھڑے ہوئے ہیں۔ شمالی پھاٹک سب سے اچھی حالت میں ہے۔ ستونوں پر بونوں، ہاتھیوں یا شیروں کی تصویریں بنی ہوئی ہیں۔ جب تم سانچی جاؤ تو جنوبی پھاٹک پر بنے ہوئے شیروں کو دیکھو۔ ان کے پانچ پورے پنجے ہیں۔ پھاٹک کے اوپری سرے پر سب سے بلند اور نمایاں بدھ مذہب کے مذہبی نشانات ہیں یعنی "قانون کا پہیہ" اور ترسول جو بدھ مذہب کے تین اصولوں (بدھ، دھرم، اور سنگھ) کی نمائندگی کرتا ہے۔ پھاٹک کے
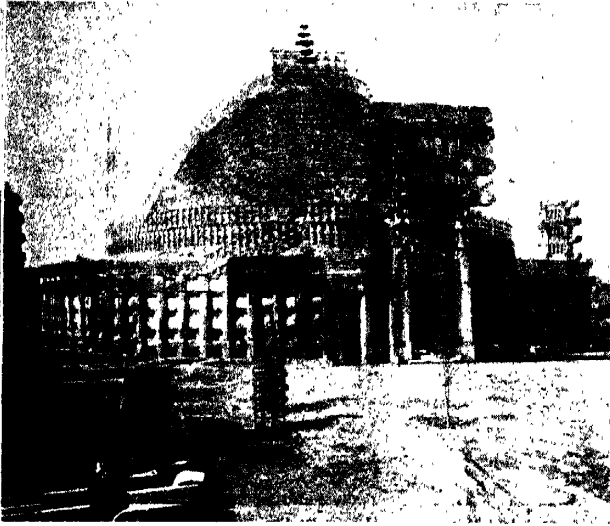
بقیہ حصے پر شاندار نقش و نگار ہیں جن میں بدھ مذہب کی کہانیوں، گوتم بدھ کی زندگی کے حالات، اصلی یا خیالی پرندوں اور جانوروں اور اڑتے ہوئے گردھواوں کی تصویریں بنی ہوئی ہیں۔ یہ گردھوا اندر کے گانے بجانے والے تھے جنھوں نے گوتم بدھ کی خدمت میں اپنے مالک کا ہاتھ بٹایا تھا جب تم سانچی جاؤ تو مغربی دروازے کے شاندار نقش و نگار دیکھنا نہ بھولنا جن میں زندگی اور قسمت کا کنول درخت دکھایا گیا ہے اور اس کے تنے میں سے ابھرے ہوئے ستیر برآمد ہو رہے ہیں۔

لیکن سانچی میں دیکھنے کے لائق کئی چیزیں ہیں پتھر میں کھدی ہوئی کہانیاں پڑھ کر تم وہاں کئی دن گزار سکتے ہو۔
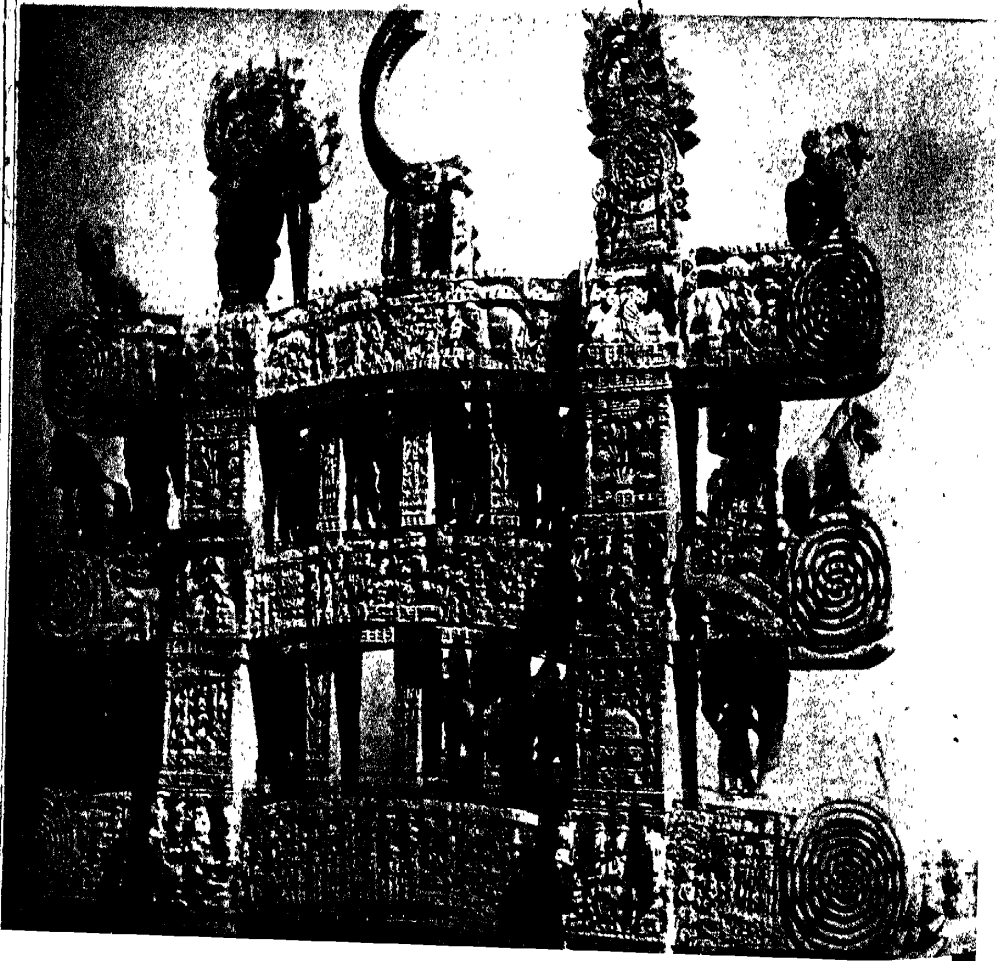
انڈونیشیا

ایک انڈونیشی خاتون اپنی قومی لباس میں

انڈونیشی ناچ کا ایک سین

جاوا کی مشہور بدھ یادگار بورو بدور
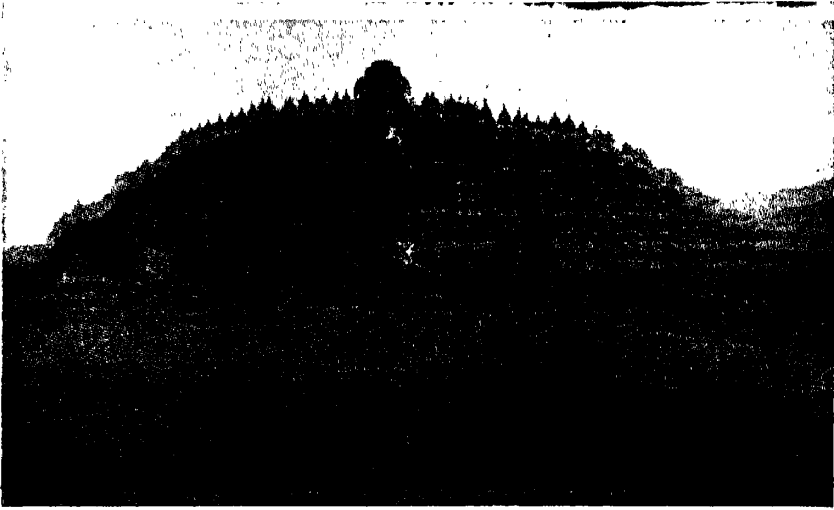
جاوا کی خاص دستکاری باٹک (ایک قسم کا کپڑا) بنانا ھے

باٹک پر نقش و نگار بنانے سے پہلے اسے رنگا جاتا ھے

انڈونیشیا

(از:- مجاہد کاظمی)

خوبصورت سبز و شاداب جزیروں کا مجموعہ جس میں جزائر شرق الہند کا زیادہ حصّہ شامل ہے، انڈونیشیا کہلاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا زمرد کا حلقہ خطِ استوا کے اِرد گرد رقصاں ہو۔ انڈونیشیا آسٹریلیا اور ایشیا کے درمیان واقع ہے اور بحرالکاہل اور بحرالہند کو ملاتا ہے۔

اسّی برس کے قریب ہوئے کہ ایک جرمن سائنسداں نے لفظ "انڈونیشیا" ان تمام جزیروں کے لئے استعمال کیا لیکن اس میں اس نے فلپائن کے جزیرے، فارموسا، برطانوی ملایا اور مدغاسکر بھی شامل کئے تھے۔ مگر اب یہ نام ڈچ جزائر شرق الہند کے لئے رائج ہو گیا ہے۔

جزیروں میں انڈونیشیا سب سے بڑی سلطنت مانی جاتی ہے۔ اس کا رقبہ ۷۳۳۰۰۰ مربع میل ہے، آبادی نہایت بے ترتیبی سے پھیلی ہوئی ہے۔ ۱۹۴۰ء کی مردم شماری کے مطابق ۷۰۰۰۰۰۰۰ کی کل آبادی میں جاوا اور مدورا کی آبادی ۵۰۰۰۰۰۰۰ ہے تمام علاقہ چار حصوں میں پھیلا ہوا ہے (۱) بڑے سندا جزیرے جس میں ساترا، بورنیو، جاوا اور سلیبس شامل ہیں (۲) چھوٹے سندا جزیرے جو بالی سے ٹیمور تک پھیلے ہیں اور جن میں لومبوک، سمباوا، سمبا، سیلر جزیرے وٹیار اور فلورس شامل ہیں۔ (۳) ملوکس اور (۴) ڈچ نیوگنی کا علاقہ۔

یہ جزائر آتش فشاں پہاڑوں سے بھرے پڑے ہیں جو تقریباً بارہ مہینے پھٹتے رہتے ہیں۔ زلزلوں کی بھی یہاں کمی نہیں کراکیٹو سب سے زیادہ مشہور آتش فشاں پہاڑ ہے۔ ۱۸۸۳ء میں اسکا پھٹنا تاریخ میں ایک اہم واقعہ ہے۔ اتنا زبردست حادثہ شاید ستّر ایٹم بموں کے پھٹنے سے بھی نہ ہو سکیگا۔ جزائر کا دو تہائی حصّہ قطعی تباہ و برباد ہو گیا تھا اور ذرّات سترہ میل کی اونچائی تک ہوا میں اڑ گئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ دھماکے کی آواز سنگاپور تک سنی گئی تھی اور مد و جزر کی لہروں میں آس پاس کے جزیروں کی ۳۶۰۰۰ جانیں ضائع ہوئی تھیں۔ تاہم آتش فشاں پہاڑوں کا بار بار پھٹنا بے سود بھی نہیں ہے۔ ان کی خاک اور بہتی ہوئی دلدل نے جاوا کی زمین کو بے حد زرخیز بنا دیا ہے اور اس جزیرے کی خوشحالی کا بہت حد تک یہی باعث ہے۔

اگرچہ خطِ استوا درمیان سے گزرتا ہے لیکن موسم نہ سخت گرم ہے اور نہ سخت سرد۔ سمندر آب و ہوا کو معتدل بنا دیتا ہے۔ درجۂ حرارت موسموں کی تبدیلی کے بجائے علاقوں کی بلندی و پستی پر منحصر ہے۔ بٹاویہ سب سے زیادہ گرم مہینوں میں درجۂ حرارت ۸۹ ہوتا ہے، اور سب سے زیادہ سرد مہینوں میں صرف دو ڈگری کم۔ ۱۸۷۷ء میں البتہ درجۂ حرارت ۹۶ ڈگری تک پہنچ گیا تھا لیکن اس سے زیادہ گرمی ابھی تک نہیں پڑی۔

ہندوستان کے برساتی مہینوں کی طرح آب و ہوا مرطوب ہے، بارش زراعت کے کام کے لئے کافی ہو جاتی ہے۔ سالانہ اوسط تقریباً ۷۰ انچ ہے لیکن پہاڑی علاقوں میں ۱۵۰ انچ سے زیادہ ہی ہو جاتی ہے۔

انڈونیشیا میں قحط کبھی نہیں پڑتا۔ کھانے پینے کی اشیاء افراط سے پیدا ہوتی ہیں۔ چاول غلّہ آلو کساوا پھلیاں جو کھانے اور تیل نکالنے کے لئے کام آتی ہیں۔ سیم اور لوبیا وغیرہ خاص پیداوار ہیں۔ پھلوں کے باغات کثرت سے ہیں۔ دنیا کی کل پیداوار میں ۹۰ فیصدی کونین ۸۵ فیصدی مرچیں ۶۵ فیصدی کپاس۔ ایک تہائی ربڑ اور Sisal ایک چوتھائی کھجور کا تیل Kopra اور پانچواں حصّہ چائے باہر بھیجے جاتے ہیں۔ شکر اور قہوہ بھی کافی مقدار میں باہر جاتا ہے۔ معدنیات میں کوئلہ، ٹین، گندھک، نکل، پٹرولیم منگنیز وغیرہ شامل ہیں۔

انڈونیشیا میں بڑے شہر کم ہیں، ہندوستان کی طرح زیادہ تر آبادی دیہاتی علاقوں میں ہے۔ جاوا میں مشکل سے چھ شہر ایسے نکلیں گے جنکی آبادی ایک لاکھ سے زیادہ ہو۔ بٹاویہ دارالخلافہ ہے اور ایک عمدہ بندرگاہ بھی Buidenzorg نباتاتی باغوں کے لئے مشہور ہے۔ Surabaya موجودہ طرز کا شہر ہے۔ اسکے علاوہ چند شہر اور مشہور ہیں۔

(باقی [illegible])

آسیب زدہ

من اور وجے علم طبقات الارض (زمین کے متعلق) کے دو پرجوش طالب علم ہیں وہ برفانی
ٹ کا مطالعہ کرنے کے لئے ہمالیہ جارہے ہیں ان
ساتھی انہیں خیرباد کہنے اسٹیشن پر آتے ہیں۔

ہمالیہ کے دامن میں میلوں منزلیں مارنے کے بعد آخر وہ برفانی چٹان کے قریب پہونچتے ہیں۔

انہوں نے اس جگہ کے رہنے والوں سے دریافت کیا:۔ «برفانی چٹان کو کونسی قریب کا راستہ جاتا ہے؟» جواب ملا:۔ «برفانی چٹان! وہاں مت جانا، وہ جگہ تو آسیبوں کا مسکن ہے۔ وہاں تمہارے لئے مصیبتوں اور موت کے سوا کچھ بھی نہیں۔»

بڑھتے جاتے ہیں۔ ایک تنگ جگہ اچانک پتھروں
ایک چٹان نیچے کی طرف پھسلتی نظر آتی ہے۔ چٹان
پر کسی آدمی کا چھوٹا سا سایہ نظر آتا ہے

وجے اور احسن بال بال بچ جاتے ہیں۔ اب وہ ایک تیز چشمے پر پہونچتے ہیں جس پر ایک کمزور پل

احسن پہلا قدم بڑھاتا ہے۔ پل ٹوٹ جاتا ہے
دوسرے کنارے پر کسی آدمی کا سایہ جھاڑیوں

وجے بڑی تیزی سے احسن کو بچا اھے ۔ دونوں چشمے کو پار کرنے کے لئے بڑا چکر لگاتے ہیں ۔

درے کے سرے پر وہ برف کے شاندار نظارے کی تعریف کرنے کے لئے ذرا دیر ٹھہر جاتے ہیں ۔
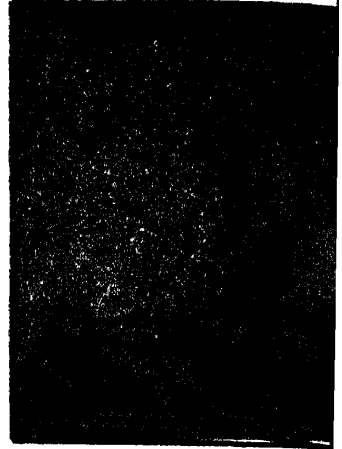
صنوبر کا ایک درخت درے میں ان دونوں سے دو فٹ کے فاصلے پر گرتا ہے اور وہ بال بال بچ جاتے ہیں۔

گھوڑے والا آگے جانے سے انکار کرتا ہے ۔

وہ اس کے بغیر چل کھڑے ہوتے ہیں ۔ سات میل اور طے کرلیں تو انہیں برفانی چٹان نظر آنے لگے ۔
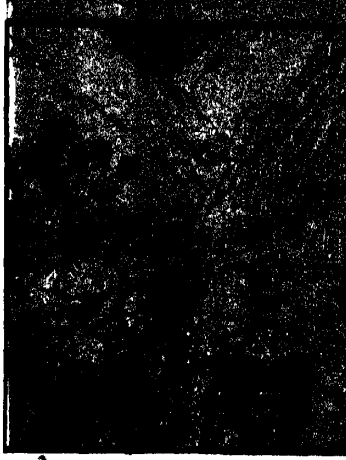
برفانی چٹان آدھ میل رہ گئی ۔ لیکن اندھیرا ہوتا جارہا ہے ۔ وہ اپنا خیمہ گاڑ کر کھانا تیار کرتے ہیں ۔ خاموش اور سرد رات چھا جاتی ہے ۔

از :- وی بورلن

اس کے بعد کیا ہُوا؟

اگلے مہینے کے نونہال میں پڑھئے

بہشتی مکھی مار

پرندے کتنے اچھے ہوتے ہیں! اور ان کی حرکتیں کتنی پیاری! اپنے چکنے چمکدار پروں میں وہ اتنے شاندار نظر آتے ہیں کہ سب انھیں پسند کرتے ہیں۔ ہندوستان کے حسین اور خوشنما پرندوں میں ایک بہشتی مکھی مار ہے۔ یہ ہندوستان بھر میں پہاڑوں پر اور میدانوں میں پایا جاتا ہے۔ بعض بعض حصوں میں تو یہ صرف سیر کے لئے آتا ہے اور کہیں کہیں آشیانے بنا کر رہنے لگتا ہے۔ رہنے کے لئے وہ سائے دار درختوں کا کنج یا خوب سینچا ہوا باغ چنتا ہے۔ اسے آدمیوں کے ساتھ رہنا بھی پسند ہے نر کا رنگ مادہ سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ وہ بہت شاندار ہوتا ہے جیسے کوئی مہاراجہ اپنے شاہی کپڑوں میں ہو۔ اس کا سر سیاہ ہوتا ہے اور اس پر ایک چوٹی ہوتی ہے۔

لیکن اس کا بقیہ جسم چاندی کے رنگ کا ہوتا ہے۔ اس کی دم میں دو سفید رنگ کی جھنڈیاں سی ہوتی ہیں جنکی لمبائی پندرہ انچ تک ہوتی ہے۔ مادہ کے سیاہ سر پر بھی چوٹی ہوتی ہے جس میں رنگوں کے دھبّے ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے جسم اور دُم کا رنگ سرخی مائل بھورا ہوتا ہے اور سامنے کا حصّہ سفید ہوتا ہے۔ چونکہ بہشتی مکھی مار کے پیر کافی مضبوط نہیں ہوتے اس لئے وہ زمین پر

نہیں چل سکتا۔ پھر اس کی لانبی خوبصورت دم خراب ہونے کا ڈر ہے۔ وہ اپنا سارا وقت درختوں پر گزارتا ہے یا شان کے ساتھ ہوا میں پریوں کی طرح اڑ کر کیڑوں کے شکار ہیں۔ اس کی یہ دلچسپ حرکتیں دیکھنے میں بڑا لطف آتا ہے۔

جب گھونسلہ بنانے کا وقت آتا ہے تو وہ اور اس کی مادہ دونوں مل کر گھاس کا پیالہ سا بناتے ہیں۔ انھیں آموں کے جھنڈ میں اپنا آشیانہ بنانا بہت پسند ہے۔ ایک وقت میں ان کے ہاں تین چار یا پانچ بچے پیدا ہوتے ہیں ؞

فارم ممبری برائے "نوڈے لیگ"

خریداری نمبر ____________________

چندہ بھیجنے کی تاریخ ____________ چندہ ختم ہونیکی تاریخ ____________

نام ____________________

تاریخ مہینہ اور سال پیدائش ____________________

سرپرست کا نام ____________________

پورا پتہ ____________________

____

دستخط ____________

تاریخ ____________

کیا آپ جانتے ہیں

دنیا کا سب سے پرانا مجسمہ کہاں ہے؟

مصر میں جیزہ کے مقام پر ابوالہول کا بت دنیا کا سب سے پرانا مجسمہ سمجھا جاتا ہے۔ اس کی اونچائی سو فٹ سے زائد ہے دنیا بھر میں پتھر سے تراشی ہوئی کوئی ایک شکل اتنی بڑی نہیں ہے۔ یہ پتھر کی ایک چٹان سے تراش کر بنائی گئی ہے۔ صرف پنجوں کی جگہ پتھر کے علیحدہ ٹکڑے لگائے گئے ہیں۔

بعض کیڑے اپنے آپ کو نگاہوں سے چھپا سکتے ہیں؟

کیکڑے سے ملتی جلتی ایک مکڑی ہوتی ہے جس کے بدن پر چاروں طرف آئینے سے ہوتے ہیں۔ یہ آئینے ایسے زاویوں سے لگے ہوتے ہیں کہ ان میں وہی رنگ نظر آتا ہے جو آس پاس کی چیزوں کا ہوتا ہے۔ اس وجہ سے یہ مکڑی نظر نہیں آتی۔ مثلاً اگر مکڑی پیلے پھول پر بیٹھ جائے تو پیلی نظر آتی ہے اور نیلے پھول پر بیٹھ جائے تو نیلی۔ اس طرح اپنا رنگ بدلے بغیر یہ مکڑی اس عجیب و غریب طریقے سے اپنے آپ کو چھپاتی ہے۔

شہد کی مکھیاں تاوان دیتی ہیں؟

شہد کی مکھیاں شہد کی تلاش میں پھولوں پر جاتی ہیں تو کبھی کبھی پھول کے اندر گرفتار ہو جاتی ہیں۔ اس قید سے چھوٹنے کے لئے انھیں تاوان دینا پڑتا ہے۔ بیج پیدا ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ایک پھول کا زیرہ دوسرے پھول میں جائے۔
ایک پھول سے دوسرے پھول تک زیرہ لے جانے کا کام شہد کی مکھیاں اور دوسرے کیڑے کرتے ہیں۔

ایک جنگلی پھول کی بناوٹ ایسی ہوتی ہے کہ جب تک مکھی اسکے بالکل اندرونی حصے میں نہ جائے شہد نہیں حاصل کر سکتی۔ وہاں جا کر وہ گرفتار ہو جاتی ہے اور تاوان دئے بغیر باہر نہیں نکل سکتی۔ یہ تاوان اس زیرے کی شکل میں ہوتا ہے جو مکھی دوسرے پھولوں سے لے آتی ہے۔ اس مقصد کے لئے وہ پھول کے ان حصوں پر رینگتی ہے جہاں زیرے کی ضرورت ہوتی ہے۔ زیرہ دینے کے بعد وہ آزاد ہو جاتی ہے اور اڑ سکتی ہے۔

ایک جانور دیکھتے دیکھتے زمین میں گھس سکتا ہے؟

آسٹریلیا میں ایک جانور پایا جاتا ہے جو اشیڈنا کہلاتا ہے۔ یہ بط منقار سے ملتا جلتا ہوتا ہے۔ اس کے ہر پیر میں پانچ پانچ انگلیاں ہوتی ہیں۔ اسکے پنجے اتنے لمبے اور مضبوط ہوتے ہیں کہ یہ زمین کو حیرت انگیز تیزی کے ساتھ کھود سکتا ہے اور بہت تھوڑے عرصے میں زمین کے اندر داخل ہو سکتا ہے۔

ہوا میں کیا ہے؟

ہوا میں ۰۳ء۰ فیصدی کاربن ڈائکسائڈ، ۹۳ء۰ آرگن، ۲۱ فیصدی آکسیجن، ۷۸ فیصدی نائٹروجن کے علاوہ چھ اور گیسیں تھوڑی مقدار میں پائی جاتی ہیں۔ اگر ہوا میں آکسیجن کی مقدار ۱۸ فیصدی سے کم ہو جائے تو آدمی کا دم گھٹنے لگتا ہے۔ ۲

کل کی باتیں

پیرس میں صلح کانفرنس ہو رہی ہے اور تمام دنیا میں یہ کوشش کی جارہی ہے کہ آئندہ کوئی لڑائی نہ ہونے پائے۔ بہت سے مرد اور عورتیں جو فوجی کاموں میں تھے اب اپنے گھروں کو واپس لوٹ رہے ہیں۔ لیکن جنگ ختم ہونے سے یہ مطلب نہ سمجھنا چاہئے کہ اب ہمیں کوئی لڑائی نہ لڑنی پڑے گی۔ کل کے ہندوستان کو خوش حال بنانے کے لئے ہمیں بہت سخت لڑائیاں لڑنی پڑیں گی۔ یہ اور بات ہے کہ یہ لڑائی دوسرے ملکوں یا دوسرے انسانوں کے خلاف نہ ہو۔ ہمیں ان تمام چیزوں کو دبانا ہے جو دنیا میں مصیبت اور تباہی کا باعث ہوتی ہیں۔

ایک بہت بڑا دشمن جسے ہمیں شکست دینی ہے وہ جہالت ہے۔ اسے ہرانے میں بچے بوڑھے مرد عورتیں سب ہی حصہ لے سکتے ہیں۔ جہالت کو کئی سروں والی بلا سے تشبیہہ دی جاسکتی ہے جس کا ذکر تم نے کہانیوں میں اکثر پڑھا ہوگا۔

اس بلا کا ایک سر تو ناخواندگی ہے۔ (یعنی ان پڑھ ہونا) بے پڑھے لکھے لوگ بہت جلد بدمعاشوں کے دھوکے میں آجاتے ہیں، اور نئی نئی باتیں سیکھنا ان کے لئے مشکل ہوتا ہے۔ وہ ہر غلط بات کا آسانی سے اعتبار کرلیتے ہیں۔ ہندوستان میں ۹۰ فیصدی لوگ ان پڑھ ہیں اور کہا جاتا ہے کہ ہندوستان کے تمام لوگوں کو پڑھانے کے لئے ۲۵ یا ۵۰ برس چاہئیں۔ لیکن یہ ضروری نہیں۔ کیونکہ اس وقت ہر ۱۰۰ میں سے ۱۰ پڑھے لکھے ہیں۔ اگر یہ دسوں آدمی ایک ایک آدمی کو پڑھائیں تو سال بھر بعد ۲۰ آدمی پڑھے لکھے ہو جائیں گے۔ پھر اگر یہ ۲۰ ایک ایک آدمی کو پڑھائیں تو دوسرے سال ۴۰ پڑھے لکھے ہو جائیں اسی طرح اگلے سال ۸۰ اور چوتھے سال تک ہندوستان کے سب لوگ سوائے بیماروں اور بوڑھوں یا اندھوں کے پڑھنا لکھنا سیکھ جائیں گے۔

ایک اور چیز جس کے متعلق لوگوں کو ناواقفیت ہے وہ صحت کے اصول ہیں۔ صرف بنگال ہی میں ہر سال ۱۰۰۰ آدمی ملیریا کا شکار ہوتے ہیں۔ ان میں سے اکثر یہ نہیں جانتے کہ کونین کیا چیز ہے اور ملیریا کی روک تھام کس طرح ہوسکتی ہے۔ لیکن تمہیں معلوم ہے تم اوروں کو بتاؤ۔ اس کے علاوہ ٹپ دق میں ہر سال ہزاروں آدمی مرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص بس میں یا سڑک پر تھوکے یا کپڑے

کنوئیں کے پاس دھوئے یا کھانے کی چیزوں پر مکھیاں بیٹھنے دے تو خاموش مت رہو۔ نہایت تمیزداری سے بتاؤ کہ انھیں ایسا کرنے سے کیا نقصان ہونے کا خطرہ ہے۔
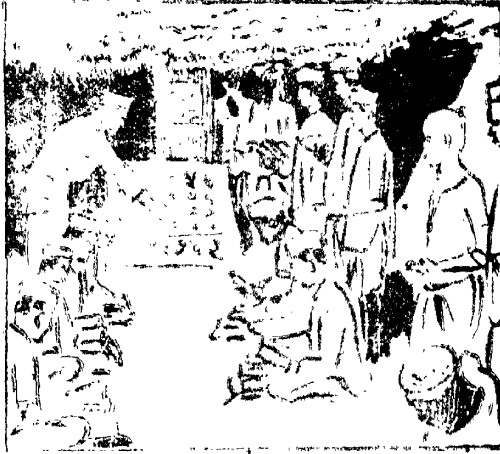
دادا کے وقت سے ہی ہوتا آیا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ سب پرانی رسمیں بیکار ہیں۔ بلکہ تم خود غور کر کے معلوم کرو کہ کون سے رواج نقصان دہ ہیں اور ترقی کی راہ میں رکاوٹ ڈالتے ہیں۔

ہندوستان میں لاکھوں بچے ۱۲ برس کی عمر پہنچنے سے پہلے ہی ختم ہو جاتے ہیں ان کو بچانے کے لئے بہت سے ڈاکٹروں اور نرسوں کی ضرورت ہے۔ اور تم میں سے اکثر ڈاکٹر یا نرس بننے کی خواہش دل میں رکھتے ہو گے۔

اس بلا کا ایک اور سر توہم پرستی ہے یہ بھی بہت کچھ تباہی کا باعث ہوتی ہے۔

اس کی وجہ سے لوگ خود کو بھی نقصان پہنچاتے ہیں اور دوسروں کو بھی۔ پرانے رسم و رواج بھی بعض دفعہ بہت پریشان کرتے ہیں۔ بعض کام لوگ محض اس وجہ سے کرتے ہیں کہ باپ

جہالت کی بلا کا ایک اور سر دوسروں کے متعلق لاعلمی ہے۔ بعض دفعہ یہ بھی بہت نقصان پہنچاتا ہے۔ اگر کوئی شخص تم سے قوم و ملک کے لحاظ سے مختلف ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کی ہر بات غلط ہوگی۔ اگر تم لوگوں میں دلچسپی لے کر ان میں اچھی باتیں ڈھونڈنا چاہو تو تمہیں ضرور ملیں گی۔ اور تمہاری ترقی میں مدد دیں گی۔

اسلئے علم و عقل کا علَم بلند کر کے جہالت کا قصّہ پاک کرو۔

ای۔ کے۔ مترا

نوٹ :- اگر تمہارا دل چاہے تو صفحہ ۱۳ اور ۱۴ پر دی ہوئی تصویروں میں رنگ بھر سکتے ہو۔ نہی اوکو سرخ رنگ کا چرمی کوٹ پہنے ہے۔ نیلا پاجامہ اور کالی چوٹیاں اسکی بہن اروبین اور رسیاں کا پاجامہ بھی نیلا ہے لیکن انکے کوٹ اور جوتے عنبر کیلیے رنگوں کے ہیں۔ دیوار سرخ رنگ کی اور پتنگ سفید ہے۔ کنیڈا کی این عنابی چارخانے کا پلاؤز پہنے ہے۔ اور اسکے بھائی کی قمیص نیلے چارخانے کی ہے۔ انکی ٹوپیاں اور لڑکے کی پتلون خاکی رنگ کی ہیں۔ سبز انا، کارخا اور بھولا کے جسم پر رنگین لنگوٹی اور بھوری کھال کے سوا کچھ نہیں۔ پیت اور لولا کی تنکوں کی ٹوپیاں نارنجی، سبز، عنابی یا سرخ رنگ کی ہونی چاہئیں۔ گدروں نیلے رنگ کے لباس پر پھولدار ایپرن پہنے ہوئے ہے۔ الزبتھ کی ایپرن نارنجی رنگ کی ہے اور اس میں عنابی اور سبز دھاریاں ہیں۔ گیٹے عنابی دھاریوں کے لباس پر کافوری ایپرن پہنے ہوئے ہے۔

بڑھیا کی بلّی

ایک چھوٹی سی تاریک جھونپڑی میں ایک لنگڑی بڑھیا رہتی تھی۔ اس نے ایک بلّی پال رکھی تھی جس کا نام تھا کٹی۔ اس بلّی کو اپنی عمر میں کبھی اچھا کھانا چکھنا نصیب نہ ہوا تھا۔ اکثر وہ حسرت بھری نگاہوں سے کیچڑ میں چوہوں کے پنجوں کے نشانوں کو دیکھتی اور کبھی کبھی اسے چوہوں کی خوشبو بھی آجاتی لیکن کوئی دن ہی ایسا ہوتا ہوگا کہ وہ چوہے کا شکار کرسکتی۔ ایسے موقعوں پر کٹی کا چہرہ خوشی سے اس طرح چمک اُٹھتا گویا اسنے دنیا کی دولت پالی ہو۔

اس چوہے کو وہ ہفتہ بھر تک چلاتی۔ اور اپنے چٹکیاں لے کر دیکھتی کہ یہ خواب ہے یا حقیقت۔ اسے یقین نہ آتا تھا کہ وہ چوہا کھا رہی ہے۔

بیچاری کٹی اتنی کمزور اور دُبلی پتلی تھی کہ دور سے وہ محض ایک ڈھانچہ سا نظر آتی تھی۔ ایک دن وہ چھت پر چڑھی تو برابر والے مکان کی دیوار پر ایک موٹی تازی بلّی کو اترا اترا کر چلتے دیکھا۔ موٹاپے کی وجہ سے بلّی کو چلنا دوبھر ہو رہا تھا۔ اس کی چال دیکھکر معلوم ہوتا تھا گویا وہ کسی جلوس میں جا رہی ہے۔

کٹی موٹی بلّی کے پاس گھسٹتی ہوئی پہنچی۔ اور پوچھا "اے عالیشان بلّی آپ کہاں سے تشریف لائی ہیں اور اس قدر شان سے اٹھلاتی ہوئی کدھر تشریف لیجارہی ہیں"۔ موٹی بلّی نے حقارت سے کٹی کی طرف دیکھا اور کہا۔ "نے مرجیونی بلّی! میں بادشاہ کے محل سے آرہی ہوں۔ میں وہاں تیار گوشت اور مزیدار کیک کھایا کرتی ہوں"۔ کٹی موٹی بلّی کے قریب کھسک آئی اور پوچھا۔ "تیار گوشت کیا چیز ہے۔ اسکا مزا کیسا ہوتا ہے۔ میں نے تو پتلے پانی شوربے یا سوکھے سڑے چوہوں کے علاوہ آجتک کوئی بھی چیز نہیں چکھی"۔

اخاہ۔ موٹی بلّی نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "اب میں سمجھی

جبھی تو ۔۔۔! اگر تمہارے دم اور کان نہ ہوتے تو بالکل گھڑ معلوم ہوتیں۔ بیچاری کٹی رونے لگی۔ اور بولی: "خدارا مجھے بھی اپنے ساتھ محل لے چلو۔ موٹی بلّی کو کٹی کی حالت پر رحم آیا اس نے وعدہ کیا کہ وہ دوسرے دن اسے محل میں لیجائیگی۔ کٹی خوش خوش دوڑی ہوئی اپنی مالکہ کے پاس آئی اور سب حال کہہ سُنایا۔

بڑھیا نے بہتیرا سمجھایا کہ دنیا داروں کی باتوں پر مت جاؤ۔ میری اُجڑی جھونپڑی میں جو آرام و سکون تمہیں مل سکتا ہے وہ کہیں نہ ملیگا۔ یہ معلوم محل جا کر کیا واقعہ پیش آجائے۔

لیکن کٹی نے بڑھیا کی ایک نہ سنی۔ رہ رہ کر اسکے منہ میں کیک اور گوشت کے خیال سے پانی آرہا تھا۔ دوسرے دن وہ محل پہنچی لیکن دروازے تک ہی پہنچی تھی کہ ایک تیر اسکے سینے میں آکر لگا اور کلیجہ کے پار ہوگیا۔

بات یہ تھی کہ کئی دن سے بلّیوں نے بادشاہ کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ بادشاہ نے ان کے شور وغل سے تنگ آکر اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ جو بلّی نظر آئے اسے مار ڈالو۔

چیل نے یہ کہانی باز کو سنا کر کہا کہ اس سے سبق حاصل کرو۔ جو کچھ تمہارے پاس ہے اسی پر قناعت کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ لالچ کرنے کی وجہ سے جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ بھی جائے۔

بچوں کا اخبار

زیر ادارت ——— عزیز احمد

بچوں نے ریلوے بنائی

یوگوسلاویہ کے نوجوانوں کی تحریک کے ہزاروں لڑکوں اور لڑکیوں نے طے کیا ہے کہ وہ ساٹھ میل لمبی ریلوے بنائیں گے جس کے ذریعہ بوسینیا میں برسکو کے مقام سے کوئلہ سارے یوگو سلاویہ میں پہونچایا جائے۔ پچھلی گرمیوں سے وہ ہنرمند کاریگروں کی نگرانی میں کام کر رہے ہیں۔

سیام کا کمسن بادشاہ

حال میں سیام کے بادشاہ کی وفات ہوئی اور اس کی جگہ اس کا چھوٹا بھائی فومبین اڈولڈٹ سیام کا بادشاہ ہوا۔ اسکی عمر صرف اٹھارہ سال ہے۔

بچوں کی یو۔ این۔ او

پچھلے دنوں بلجیم میں ایک زبردست اسکاؤٹنگ کیمپ منعقد ہوا جس میں مختلف ملکوں کے چھ ہزار اسکاؤٹوں نے شرکت کی اور ہمدردی اور بھائی چارے کا سبق لیا۔

شاباش ملایا!

ملایا کو آزاد ہوئے ابھی صرف ایک سال گزرا ہے۔ اس مختصر عرصے میں ملایا کے بچے بڑی تیزی سے اسکولوں میں داخل ہو رہے ہیں اور اب تک تقریباً ساڑھے تین لاکھ طالب علموں کا داخلہ ہو چکا ہے۔ کوالالمپور سے بچوں کے لئے ایک اچھا اخبار بھی نکلا ہے جس کا نام "ینگ ملایا" ہے۔ ملایا کے بچے اپنے اسکولوں اور اخبار کے ذریعے باہر کی دنیا کے متعلق بہت کچھ سیکھ رہے ہیں۔

ایک سال بغیر حادثے کے

نورویچ کی پولیس نے سڑکوں پر چلنے والے بچوں کی حفاظت کی تحریک شروع کی تھی۔ حال میں بارہ مہینوں کا ایک وقفہ مکمل ہوا جس کے دوران میں پندرہ سال سے کم عمر کا ایک بچہ بھی نورویچ کی سڑکوں پر نہیں مرا۔ ۱۹۱۶ء کے بعد یہ پہلا سال تھا جو بغیر حادثے کے گزرا۔

بچوں کی لائبریری

پچھلی مئی میں ولیعہد ریاست رام پور نے رامپور میں بچوں کی ایک لائبریری کا افتتاح کیا۔ یہ لائبریری ہندوستان میں اپنی قسم کی دوسری ہے۔ پہلی بڑودہ میں ہے۔

لندن میں ٹرانسپورٹ

لندن میں آنے جانے والوں کی تعداد اتنی ہے کہ روزانہ ڈیڑھ پنس کے تقریباً ساڑھے سینتیس لاکھ ٹکٹ بکتے ہیں۔

ہندوستان کے لئے انجن

گلاسگو کی کمپنی نارتھ برٹش لوکوموٹو ورکس نے جنگی ضروریات کی چیزوں کے بجائے زمانہ امن کے استعمال کی چیزیں بنانی شروع کر دی ہیں۔ آجکل وہ ہندوستان کے لئے ریلوے انجن بنانے میں مصروف ہے۔

عجیب و غریب دوستی

شیر بندر کے گوشت کے بڑے شوقین ہوتے ہیں لیکن ایک چڑیا گھر میں ایک شیرنی اور بندریا کے درمیان عجیب دوستی دیکھنے میں آئی۔ کسی نے شیرنی کے پنجرے میں بندریا چھوڑ دی۔ سب کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ دونوں میں گہری دوستی ہوگئی۔ اس کے بعد بندریا کو ایک برش اور کنگھا دے دیا گیا جس سے وہ شیرنی کے بال سنوارا کرتی تھی۔

یو این او کے لئے ریڈ انڈین وفد

امریکن ریڈ انڈین قبیلوں نے تین ممبر چنے ہیں تاکہ وہ یو این او کے سامنے اپیل کر کے امن و سلامتی کی کونسل میں ریڈ انڈین فرقے کے لئے ایک جگہ محفوظ کرا لیں۔ ان کے نام یہ ہیں (۱) سردار تیرتی ہوئی مچھلی۔ (۲) شہزادی سات ہلالوں کا سُرخ بازو (۳) بلند سرجادات کا بازو۔

دنیا کا سب سے تیز ٹائیسٹ

پچھلے دنوں شکاگو میں ٹائپ کرنے کا ایک مقابلہ ہوا جس میں سب سے تیز ٹائپ کرنے پر مس اسٹیلا پاجو کو تین انعامات ملے۔ انھوں نے ایک منٹ میں ۱۴۰ الفاظ ٹائپ کئے۔

جاپانی شہزادہ اسکول میں

جاپان کی تاریخ میں پہلی دفعہ ولیعہد نے عام بچوں کی طرح اسکول میں حاضری دی۔ ان کا نام آکاہی ٹو ہے۔ جاپان پر اتحادیوں کے قبضے کے بعد اسے ایک اسکول میں داخل کر دیا گیا ہے۔

تیل کا نیا ذخیرہ

پتہ چلا ہے کہ ایکیلس کی مشرقی پہاڑیوں کے پاس پیہرہ کے مقام پر مٹی کے تیل کا اتنا ذخیرہ موجود ہے کہ غالباً یہ دنیا کا سب سے بڑا ذخیرہ ثابت ہوگا۔

انگلستان کا سب سے پرانا اسکول

انگلستان کے سب سے پرانے اسکول "کنگز اسکول" کو حال میں ملکِ معظم کی طرف سے نیا پروانہ ملا۔ یہ اسکول تیرہ سو برس پہلے قائم ہوا تھا۔

جیبی دھوپ گھڑیاں

بعد جنگ کی دوسری مشکلات کے ساتھ ساتھ جرمنی میں گھڑیوں کا کال پڑ گیا ہے۔ برطانوی مقبوضہ علاقے کا ایک جرمن کارخانہ یہ کمی پوری کرنے کے لئے دس ہزار فی ماہ کی رفتار سے جیبی دھوپ گھڑیاں تیار کر رہا ہے۔

انگریز بچے کی بہادری

بارہ سالہ انگریز بچے رولینڈ سے سائمنڈس کو بہادری کا بوائز بریگیڈ ڈبلو مالا ملا ہے۔ وہ بارہویں اسکاؤٹ کمپنی کا ممبر تھا اور ایک ننھے بچے کی جان بچانے کے لئے کپڑوں سمیت دریائے اسک کے تیز دھارے میں کود پڑا تھا۔

نئی نئی کتابیں

حالی پبلشنگ ہاؤس دہلی نے بچوں کے لئے عمدہ عمدہ کتابوں کا ایک سلسلہ شروع کیا ہے۔ ان میں سے چند کتابوں پر ہم پچھلے کسی مہینے میں تبصرہ کر چکے ہیں۔ اس مہینے ہم چند اور کتابوں کا ذکر کریں گے۔ یہ کتابیں بچوں کے مشہور ادیب شاعر مولوی شفیع الدین نیّر کی لکھی ہوئی ہیں۔

۱۔ وطنی نظمیں

(۸۸ صفحے۔ قیمت ۱۳/) یہ نیّر صاحب کی ۴۴ میٹھی اور سُریلی نظموں کا مجموعہ ہے۔ یہ سب نظمیں حب الوطنی کے جذبے کے ماتحت لکھی گئی ہیں۔ ان میں بہت سی نظمیں پہلے ہی چھپ کر مقبول ہو چکی ہیں اور کئی اخباروں نے لکھا ہے کہ ان گیتوں کو قومی جلسوں میں گانا چاہئے۔ سارے گیت ہلکے پھلکے اور دلنشین بحروں میں لکھے گئے ہیں اور زبان بڑی میٹھی اور پیاری ہے۔ یہ اس لائق ہیں کہ بچے انھیں زبانی یاد کرلیں۔ اور تنہا اور مل جل کر انھیں گایا کریں۔ "جاگو اور جگاؤ" کا ترانہ اتنا مقبول ہوا ہے کہ آل انڈیا ریڈیو کا بچوں کا پروگرام اکثر اسی سے شروع ہوتا ہے۔ جامعہ ملیہ دہلی نے بھی اسے اپنا لیا ہے اور کئی خاص جلسوں میں پڑھا جا چکا ہے۔ نیّر صاحب کی نظموں میں ہندو مسلم اتحاد اور بھائی چارے کی تلقین اور محبت اور یگانگت کی ترغیب ملتی ہے۔

۲۔ اسلامی نظمیں

(۲۷ صفحے۔ قیمت ۱۰/) ان نظموں میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو وطنی نظموں میں ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ یہ خاص طور پر مسلمان بچوں اور بچیوں کے لئے لکھی گئی ہیں۔ مسلمان بچوں اور بچیوں کو چاہئے کہ انھیں زبانی یاد کرلیں اور مل جل کر گایا کریں۔

۳۔ کھلّو میاں

(۵۶ صفحے۔ قیمت ۸/) یہ ایک باہمت اور نڈر بچے کی کہانی ہے جس نے ایک شہزادی کی جان بچانے کے لئے اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر ایک دیو کو مارا تھا۔ کہانی کا پلاٹ اچھوتا تو نہیں لیکن دلچسپ ضرور ہے۔ زبان اور انداز بیان بہت دلکش اور شگفتہ ہے۔

۴۔ طلسمی مینا

(۴۰ صفحے۔ قیمت ۵/) یہ ایک طلسمی مینا کی کہانی ہے۔ جن، پریوں کی دوسری کہانیوں کی طرح اس میں بھی دیو، جادوگر اور پریوں وغیرہ کا ذکر ہے لیکن نیّر صاحب نے کہانی بڑے دلچسپ انداز میں بیان کی ہے۔ جس بچے کی زبانی کہانی بیان کرائی گئی ہے اس کی برجستگی اور سادگی نے کہانی میں بڑی جان پیدا کر دی ہے۔

۵۔ منّی کا پرستان

(۳۵ صفحے۔ قیمت ۵/) یہ منّی نامی ایک بھولی اور نیک بچی کی کہانی ہے جسے ظفر بھائی نے گھر ہی میں پرستان کی سیر کرا دی تھی۔ کہانی بڑی دلچسپ اور مزے دار ہے۔

یہ ساری کتابیں سفید چکنے کاغذ پر بڑی خوبصورتی سے چھاپی گئی ہیں۔ اور چھپائی بہت عمدہ ہے۔ سرورق آرٹ پیپر پر رنگین چھپا ہوا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ بچوں کے لئے ایسی خوبصورت کتابیں بہت کم چھپی ہیں۔ حالی پبلشنگ ہاؤس نے یہ کتابیں چھاپ کر بچوں کی بڑی خدمت کی ہے۔

یہ کتابیں حالی پبلشنگ ہاؤس، کتاب گھر۔ اردو بازار دہلی سے منگائی جاسکتی ہیں۔

تعلیم جدید

یہ ریاست رام پور کے محکمہ تعلیم کا ماہانہ رسالہ ہے جس میں تعلیم کے متعلق بہت مفید اور کارآمد مضمون شائع ہوتے ہیں۔ اپریل کا پرچہ جو ہمارے پاس رائے کے لئے آیا ہے اس میں ۶۷ صفحے ہیں اور قیمت آٹھ آنے۔ استادوں اور تعلیم سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے اس کا مطالعہ مفید ہوگا۔

(ع۔ ا)

انڈونیشیا

بقیہ صفحہ ۲۰

سماترا میں Pedang اور بورنیو میں Medan, Tarakan اور سیلبس میں مکاسر قابل ذکر ہیں۔

انڈونیشیا میں چار قسم کے باشندے آباد ہیں (۱) جزیروں کے قدیم باشندے (۲) یورپین (۳) چینی اور (۴) دوسرے ایشیائی لوگ (عرب اور ہندوستانی) زیادہ تر آبادی مسلمان ہے لیکن بدھ، ہندو اور عیسائی بھی موجود ہیں۔

انڈونیشیا میں آرٹ، فن تعمیر اور ادب نے کافی ترقی کی ہے۔ دو چیزیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں جنکے بغیر ان جزائر کی کہانی ادھوری رہیگی۔ اوّل بورو بدور پرچھائیں کے کھیل۔ بورو بدر جاوا میں ایک مشہور و معروف یادگار ہے اور فن تعمیر کا ایک زبردست کارنامہ۔ چار ڈھلواں چبوترے نقاشی اور آرائش میں بے مثل ہیں۔

پرچھائیں کے کھیل انڈونیشیا کے عوام کے تھیٹر کی حیثیت رکھتے ہیں اور وہاں کی تہذیب و تمدن پر روشنی ڈالتے ہیں۔ گتے یا لکڑی سے بڑی بڑی گڑیوں کی طرح شکلیں بنائی جاتی ہیں۔ جن پر کھال منڈھ دی جاتی ہے اور ایک بڑے پردہ پر ان کے سائے ڈالکر ناٹک کھیلا جاتا ہے۔

شکلیں نہایت دلچسپ لیکن بے ڈھنگی اور بے سرو پا سی ہوتی ہیں۔ عام طور پر رامائن اور مہابھارت کے قصے کھیلے جاتے ہیں جس سے ہندوستان کی پرانی تہذیب کا اثر معلوم ہوتا ہے۔

انڈونیشیا کے رہنے والے ہمارے سب اچھے پڑوسی ہیں۔ پچھلے سال کے قحط میں انھوں نے ہمارے لئے کافی مقدار میں چاول بھیجا۔ مسٹر نہرو نے حال ہی میں نشر کرتے ہوئے کہا کہ انڈونیشیا کے رہنے والے ہمارے دوست ہیں۔

بچوں کے قلم سے

کھیلو کھیل

رِم جھِم رِم جھِم بوندیں آئیں
آؤ کھیلیں جھائیں مائیں

ہاتھ ملا کر گھیرا باندھو — گھیرا باندھ کے چکر کھاؤ
دونوں ہاتھ اٹھاؤ اوپر — نیچے پھر دونوں کو گراؤ

رِم جھِم رِم جھِم بوندیں آئیں
آؤ کھیلیں جھائیں مائیں

سیدھا پیر بڑھاؤ آگے — الٹا پیر ہٹاؤ پیچھے
اپنے سر کو آگے بڑھا کر — جھکتے جاؤ نیچے نیچے

رِم جھِم رِم جھِم بوندیں آئیں
آؤ کھیلیں جھائیں مائیں

سینہ تان کے دوڑتے جاؤ — دوڑو اتنا کہ تھک جاؤ
منہ بند کر کے سانسیں لو تم — ڈنڈ اور بیٹھک کرتے جاؤ

رِم جھِم ......
رِم جھِم ......

رفعت قدیر جیلپوری (لکھنؤ)

لائف بوائے کی
عادت سیکھی ہے
وہ اسکول جا رہا ہے۔ وہاں سے وہ کیا لے کر آئے گا؟ نئی معلومات، نئے الفاظ اور شاید
کسی بیماری کے جراثیم۔ ماں اپنے چھوٹے سے بچے کو ان سب چیزوں کی حفاظت میں بھیجتی ہے
جو اس نے اسے سکھائی ہیں۔ سب سے زیادہ اہم لائف بوائے صابن کا روزانہ استعمال ہے،
جو میل کے اس خطرہ سے حفاظت کرتا ہے جو تندرست سے
تندرست بچوں کو بھی جراثیم اور بیماری کے متعلق لاحق رہتا ہے۔
لائف بوائے ایک اچھا صابن ہی نہیں بلکہ
ایک اچھی عادت ہے۔
L 78-23 UD
LEVER BROTHERS (INDIA) LIMITED

عزیز بھانجو اور بھانجیو!

ستمبر میں میں نے ہسپتال کے بیمار بچوں کے لئے تصویروں کی کتابیں بنانے کے لئے کہا تھا۔ کچھ بھانجوں اور بھانجیوں نے کتابیں بنا کر بھیجی ہیں۔ مجھے انھیں دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی۔ ان میں سے کچھ بڑی صاف ستھری ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ تم نے محنت اور خوشی سے کام کیا ہے۔ کچھ کتابیں تو بہت ہی خوبصورت ہیں۔ ان میں تصویروں کی سجاوٹ اور ترتیب خوب ہے۔ سردار اکرام، تمہارا بہت شکریہ، تمہاری کتاب بہت خوبصورت ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ سوچ سمجھ کر تیار کی گئی ہے۔ صفیہ بیگم، تمہارا بھی شکریہ۔ تمہاری کتاب کے خوبصورت پھول اور جانور دیکھکر بیمار بچوں کو بڑی خوشی ہوگی۔ بھوپندر ناتھ دتّا، تمہاری کتاب اچھی اور رنگین ہے۔ ہم تمہارا نام اردو اور ہندی دونوں زبانوں میں لکھ دیں گے۔ سندر لعل ورما کی کتاب بہت عمدہ خوبصورت اور دلکش ہے۔ بیمار بچے ریڈیو کی طرف دیکھ کر بڑا مزا لیں گے جیسے اس میں سے سچ مچ گانے کی آواز آرہی ہو اور وہ سُن رہے ہوں۔ سلیم اختر نے بڑا اچھا کیا کہ چار عمدہ خوبصورت کتابیں بھیجیں۔ سلیم تمہارا شکریہ۔ ابرار احمد زبیری نے بڑی خوبصورت چھوٹی سی کتاب بھیجی ہے جو بہت محنت سے پنسل کے رنگوں سے بنائی گئی ہے۔ اسمٰعیل محمدؐ کو خوب سوجھی کہ بیمار بچوں کو گدّ میاں کے لطیفوں سے بہلائیں۔ ان کی کتاب بھی خوب رنگ برنگی ہے۔ سیف الدّین، حفیظ احمد جنجوعہ، بشریٰ خاتون اور فرخ عثمان کا بھی بہت بہت شکریہ کہ انھوں نے تصویروں کی کتابیں بھیجیں۔

مجھے ان تمام خوبصورت کتابوں کو دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی۔ جب میں انھیں اروِن ہسپتال نئی دہلی میں بچوں کے وارڈ میں لے کر جاؤں گی تو وہاں کے بیمار بچے بھی بہت خوش ہوں گے۔

تم سب کا شکریہ

چند نئے ممبروں کے نام یہ ہیں:-

(۲۳۸) ثرّیا جبیں۔ ناگپور۔ (۲۳۹) صفیہ بیگم۔ حیدرآباد۔ (۲۴۰) جمیل الرحمٰن احمد، کوئٹہ۔ (۲۴۱) آر۔ سنتھا منی۔ سلیم ٹاؤن (۲۴۲) ملقیس بانو اسرار۔ مونگیر (۲۴۳) ثرّیا جبیں، جہلم (۲۴۴) ظفر سلطانہ۔ جہلم۔ (۲۴۵) چندراوتی۔ آگرہ۔ (۲۴۶) صفیہ خاتون۔ مونگیر۔ (۲۴۷) محمدؐ سلیم خالد۔ لاہور (۲۴۸) سیّد محمد علی رضوی۔ پٹنہ۔ (۲۴۹) سجندر کما روربا۔ کوٹہ۔ (۲۵۰) ایم۔ ریاض الدین احمد ریاض۔ گجرات۔ (۲۵۱) ایم، ضیاء اللہ حمیدی۔ مظفرپور۔ (۲۵۲) اَپّا صاحب سی انگدی۔ گرگ۔ (۲۵۳) حفیظ احمد۔ قادیان (۲۵۴) حسن پاشا۔ سکندرآباد (۲۵۵) جہانگیر خاں۔ حیدرآباد (دکّن)۔ (۲۵۶) لچھمن داس۔ حصار۔ (۲۵۷) شہناز افتخار۔ حیدرآباد (دکن)۔ (۲۵۸) امرناتھ۔ پٹھانکوٹ۔ (۲۵۹) نجیب اللہ ملتان۔ (۲۶۰) زکریا ابوبکر عبدالکریم۔ بمبئی (۲۶۱) شوکت محمود۔ لاہور۔ (۲۶۲) شمیم احمد خاں۔ گکھڑ۔ (۲۶۳) مہرالنساء بیگم۔ جالنہ۔ (۲۶۴)۔ ایس۔ ایم۔ اسمٰعیل۔ کلکتہ۔ (۲۶۵) امرجیت گل۔ کراچی۔ (۲۶۶) پرویز اکرام بھادیپور (۲۶۷) نصیر اقبال۔ کیٹن۔ نجیب آباد۔ (۲۶۸) محمدؐ زبیر بھادل نگر۔

تمہاری خالہ

مسرت

ل۔ ی۔ 166 ۔ دہلی۔

خفیہ پیغام

حض نیم بتمب نناذ ے مناذ گفقوسب نپ زد بگہ

چڑیا بناؤ

ایک انچ مکعب کارک کا ٹکڑا لو اور اسے چاقو سے کھرچ کر ایسا بناؤ جیسا کہ تصویر میں دکھایا گیا ہے۔ پھر چپٹی طرف سُننے کی سلائی سے بارہ تیرہ سوراخ دائرے کی شکل میں بنا ڈالو۔ یہ احتیاط رہے کہ کارک پھٹ نہ جائے۔ اگر کارک اتفاقاً پھٹ جائے تو سریش سے جوڑ دو۔ پھر مرغی یا کبوتر کے پر لے کر انھیں برابر کا تراش لو۔

اب ہر سوراخ میں سریش کی ایک ایک بوند ٹپکا کر اس میں پر جماتے جاؤ۔ پر باہر کی طرف جھکے ہوئے اور ایک کے اوپر ایک چڑھے ہوئے ہوں۔ جیسا کہ تصویر میں دکھایا گیا ہے۔

اب مضبوط ڈورا لے کر اُنھیں باندھو۔ جہاں سے پروں کی ڈنڈی شروع ہوتی ہے۔ وہاں ہر پر کے گرد پھندا لگاتے جاؤ۔ کارک کے گرد ایک فیتے کا ٹکڑا چپکا دو۔ چڑیا تیار ہے۔

کراس ورڈ معمہ نمبر ۲

کا

حل

۱ ک	۲ ا	۳ ن	■	۴ ب	۵ س
۶ ا	ب	ا	ئی	■	و
۷ ن	ر	م	■	۸ م	ن
پ	■	■	۹ ا	ن	ا
۱۰ و	ر	۱۱ ا	ث	ت	■
ر	■	۱۲ م	ر	ر	ق

مراکو کا جادوگر

ہاتھ کو کھڑا کر کے چوتھی اور پانچویں انگلی کو موڑو۔ انگوٹھا آگے رہے کلمہ کی انگلی بالکل سیدھی کھڑی رہے۔ اور بیچ کی انگلی ذرا سی جھکی ہوئی جیسا کہ تصویر میں دکھایا گیا ہے۔ کلمہ کی انگلی کے پہلے جوڑ پر سیاہی سے آنکھ ناک اور منہ بنا لو۔ پھر رومال کے کونے میں گرہ دے کر کلمہ کی انگلی کے سرے پر ٹوپی کی طرح چڑھا کر رومال کا باقی حصہ جبّہ کی طرح ہاتھ پر ڈال لو۔ اگر رومال رنگین ریشم کا ہو تو کیا کہنے۔ جادوگر تیار ہے۔ اب اس کا کوئی عجیب و غریب نام رکھ کر اپنے دوستوں سے اس کا تعارف کراؤ۔

پچھلے مہینے کے معمے

"پہچان جائیے"

کا

حل

۱ اور ۵ بالکل ایک سی ہیں

جادو کی جمع

نیچے چند رقمیں دی ہوئی ہیں جن کا حاصل جمع ۱۲۴۰ ہے۔ کیا کوئی صورت ایسی ہو سکتی ہے کہ ایک یا دو رقمیں نکال دینے کے بعد بھی حاصل جمع ۱۲۴۰ رہے۔

318
303
300
104
215
1240

سات سکّے
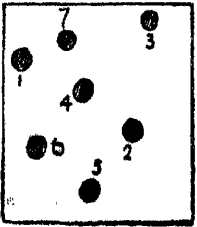
دئے ہوئے مربع میں ۷ سکّے دکھائے گئے ہیں۔ ان سکوں کو سیدھی لائنیں کھینچ کر الگ الگ خانوں میں کرنا ہے لیکن تین سے زیادہ لائنیں نہ کھینچی جائیں۔

پچھلے مہینے کے معمے "بنائیے" کا حل

نونہال

دسمبر ۱۹۴۶ء
جلد ۴ — نمبر ۲

چندہ سالانہ تین روپے
قیمت فی پرچہ چار آنے

کیرالا

ایک جلوس

راس کماری

جلد ۳ — نونہال۔ دسمبر ۱۹۴۶ء — نمبر ۲

آؤ دنیا نئی بنائیں	۲	بچوں کا اخبار	۱۳
پولیس کی داستان (حصہ دوم)	۳	دو بیوقوفوں کی کہانی	۱۴
موسم کی پیشینگوئی	۶	کیا آپ جانتے ہیں؟	۱۵
روما افغانستان کی سیر کو جاتی ہے	۷	آسیب زدہ برفانی چٹانیں	۱۶
کرد میاں	۸	نوڈے لیگ	۲۰
کل کی باتیں	۹	بچوں کے قلم سے	۲۱
اتاترک	۱۰	رومال کی گڑیا	۲۲
کیرالا	۱۱	معمے	۲۳

ایڈیٹران

مسرت جہاں بیگم تیموری — ناجوبی جے بلیموریا

عزیز احمد — ہیم لتا چودھری

آرٹ ایڈیٹران

دی بودرلن — بی۔ ڈی شرما

آج میں تمہیں ایسے آدمیوں کی جماعت کے متعلق بتاؤنگی جو نئی دنیا کی تعمیر میں بہت محنت سے کام کر رہے ہیں اور جنکی محنت کی وجہ سے بہت مفید نتیجہ برآمد ہو رہا ہے۔ اس جماعت کو بین الاقوامی مزدور سبھا، کہتے ہیں۔ اسکی ابتدا پہلی جنگِ عظیم کے بعد امن قائم کرنے کے لئے جو معاہدے کئے گئے تھے ان کے ذریعہ سے ہوئی تھی اور اسکے بعد سے یہ برابر مفید کام کرتی رہی اور دوسری جنگِ عظیم کے درمیان بھی اس نے اپنا کام جاری رکھا۔ آئی ایل او یعنی بین الاقوامی مزدور سبھا کے قیام کی دو بڑی وجہ ہیں۔ پہلی یہ کہ اگر مزدور مرد اور عورتیں کی اتنی بڑی برادری کے لئے رہنے اور کام کرنے کے لئے اچھی حالت پیدا نہ کی گئی تو سیکڑوں جھگڑے پیدا ہوں گے اور اس طرح دنیا کا امن خطرے میں پڑ جائیگا۔

دوسرے یہ کہ ہر ایک ملک اپنے ملوں اور کارخانوں میں نہ صرف ایسی چیزیں بناتا ہے جو اسکے اپنے کام آئیں بلکہ دوسرے ملکوں کی ضرورت کی چیزیں بھی ہر ملک میں بنتی ہیں تاکہ دنیا کے بازاروں میں بک سکیں۔ اگر ایک ملک اپنے مزدوروں کے حق میں مہربان اور انصاف پسند ہے، انھیں اچھی مزدوری اور اچھے مکان دیتا ہے۔ بیماری اور دوسری ضرورتوں کے وقت انکی امداد کرتا ہے تو اس ملک میں چیزیں بنانے پر بہت زیادہ لاگت آئیگی۔ اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ دنیا کے بازاروں میں اس ملک کے بنے ہوئے سامان کی قیمت دوسرے ملک کے بنے ہوئے سامان سے کہیں زیادہ ہوگی جہاں مزدوروں کی خوشحالی کی طرف کم توجہ دی جاتی ہے اور انھیں بہت کم اُجرت ملتی ہے۔

گاہک ہمیشہ سستی چیزیں خریدنا چاہتے ہیں اسلئے ایک برا ملک اپنی بنائی ہوئی چیزیں اچھے ملک کے مقابلہ میں زیادہ فروخت کر سکیگا۔ اس بری بات کو روکنے کے لئے دنیا کے سب ملکوں کو جہاں تک ممکن ہو سکے ایک ہی معیار مقرر کرنے پر رضا مند ہونا چاہیئے۔ یہ کام بین الاقوامی مزدور سبھا بہت کامیابی سے کر رہی ہے۔ ہر سال اسکا ایک سالانہ جلسہ ہوتا ہے جس میں اس بات پر بحث ہوتی ہے کہ کیا ہونا چاہیئے اور پھر ایک فیصلہ ہوتا ہے کہ یہ ہونا چاہیئے۔

مثال کے طور پر ان ۲۷ برسوں میں جب سے کہ ۱۹۱۹ء میں یہ جماعت قائم ہوئی یہ طے کیا گیا کہ کارخانوں میں کام کرنیوالوں سے قانوناً ایک ہفتہ میں ۴۸ گھنٹہ سے زیادہ کام نہ لیا جائے اور ہفتہ میں ایک دن کی چھٹی دی جائے۔ ۱۵ سال سے کم عمر کے بچوں کو ملوں، کانوں یا جہاز پر اور عورتوں کو کانوں کے اندر یا کارخانوں میں رات کے وقت کام کرنیکی اجازت نہ ہونی چاہیئے۔

اس نے یہ بھی طے کیا کہ اگر کوئی کاریگر کارخانہ میں کام کرتے ہوئے زخمی ہو جائے تو اسے کارخانہ سے امداد ملنی چاہیئے یعنی جبتک وہ اچھا ہو کر خود کام کرنیکے قابل نہ ہو جائے اسے اپنی زندگی گذارنے کے لئے کارخانہ سے روپیہ ملنا چاہیئے۔

یہ فیصلے کنونشن کہلاتے ہیں اور اب تک بین الاقوامی مزدور سبھا نے ایسے ۷۶ فیصلے کئے ہیں۔ اس جماعت کا دوسرا کام یہ ہے کہ دنیا کے سب ملکوں کو ان فیصلوں پر عمل کرنے کے لئے تیار کرے جب اسکا سالانہ جلسہ ہوتا ہے (اس سال اسکا سالانہ جلسہ مانٹریل میں جو

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

یولیسس کی داستان

حصّہ دوم

یولیسس ٹرائے سے روانہ ہوا۔ وہ دل میں خوش تھا کہ اب وہ اپنے بچّے اور بیوی سے جا کر ملیگا۔ یونان کے جنوبی حصّے میں پہنچنے کے بعد صرف چند دن کا سفر رہ جاتا تھا۔ لیکن طوفانی ہوائیں اسکے جہازوں کو اڑا کر لے گئیں۔ اور جہاز بہتے بہتے افریقہ کے شمالی ساحل پر اس ملک میں جا پہنچا جسے ہم اب لیبیا کہتے ہیں۔ یہاں کے لوگ بہت متواضع نکلے انھوں نے جہازیوں کی پھلوں سے خاطر کی۔ یہ پھل بہت مزے دار تھے۔ لیکن ان میں کچھ ایسا اثر تھا کہ جہازی گھر جانے کا خیال بالکل دل سے بھلا بیٹھے۔ اور انھوں نے اسی جزیرے میں عمر گذارنے کا فیصلہ کر لیا۔

لیکن یولیسس سختی سے اپنے ارادے پر قائم رہا۔ اس نے جہازیوں کے ہاتھ پیر باندھ کر انھیں جہاز میں ڈال دیا اور گھر کی طرف روانہ ہوا۔

لیکن جلد ہی انھیں کھانے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اور یولیسس کو ایک نئے جزیرے میں اترنا پڑا۔ اس جزیرے میں بہت سی بکریاں چر رہی تھیں۔ جہازیوں نے بکریوں کو ذبح کیا اور سمندر کے کنارے آگ سلگا کر دعوت اڑائی۔ دوسرے دن وہ کچھ کھانا اور شراب لے کر جزیرے کی سیر کو نکلے کچھ دور جا کر انھیں ایک بڑا سا غار نظر آیا جس میں دودھ کی بہت سی بالٹیاں اور ٹوکریاں کی ٹوکریاں پنیر کی رکھی تھیں۔ یولیسس اور اسکے ۱۲ ساتھی اس غار میں ٹھیر گئے۔ اور باقی آدمیوں کو انھوں نے جہاز پر واپس بھیج دیا۔

یولیسس اور اس کے ساتھی مزے سے دودھ اور پنیر کھا رہے تھے کہ یکایک انھیں ایک دیو آتا دکھائی دیا۔ اسکی صرف ایک آنکھ تھی یہ پولیفمس تھا۔ سمندر کے دیوتا نیپچون کا بیٹا۔ پولیفمس کے کندھوں پر ایک درخت لدا ہوا تھا جو وہ جنگل سے اکھیڑ کر لایا تھا۔ درخت لا کر اس نے غار میں پھینک دیا۔ اور اپنی بھیڑوں کو اندر کر کے اس نے غار کے منہ پر ایک پتھر رکھ دیا۔ یہ پتھر اتنا بھاری تھا کہ کئی آدمی اور کئی گھوڑے تک اسے مل کر نہ ہٹا سکتے تھے۔

پولیفیمس دیو کو انسانی گوشت بہت پسند تھا جب اس نے یونانی جہازیوں کو دیکھا تو فوراً دو چٹ کر لئے اور پھر سو گیا۔

یولیسس بہت ہوشیار تھا اسلئے اس نے دیو کو سوتے میں نہیں مارا۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ اگر دیو مر گیا تو وہ غار میں ہی رہ جائیں گے۔ غار کا پتھر اٹھانا ان کے بس کی بات نہ تھی۔ یولیسس نے دیو کے ڈنڈے کا بھالا بنایا اور پھر اس نے تیز شراب سے ایک پیالہ بھرا اور دیو کو پیش کر دیا۔ دیو ساری شراب چڑھا گیا پھر اور مانگی۔ "تیرا کیا نام ہے۔" دیو نے پوچھا تا کہ میں تجھے انعام دے سکوں۔ "میرا نام کوئی نہیں ہے" یولیسس نے کہا۔ "بہت اچھا۔ میاں کوئی نہیں تمہارا انعام یہ ہے کہ میں تمہیں سب سے آخر میں کھاؤنگا۔"

یہ کہکر دیو نے باقی شراب چڑھائی اور نشہ میں بےحس ہوکر پڑگیا۔

یولیسس نے بھالے کو گرم کرکے دیو کی آنکھ میں بھونک دیا۔ دیو تکلیف کے مارے چنگھاڑتا ہوا اٹھا۔ آنکھ میں سے بھالا کھینچ کر نکالا اور پڑوسیوں کو مدد کے لئے پکارنے لگا۔ "مدد مدد۔ کوئی نہیں مجھے مارے ڈالتا ہے۔" "اگر تمہیں کوئی نہیں مار رہا تو چیخ کیوں رہے ہو؟" پڑوسیوں نے کہا اور اپنے اپنے بستروں میں دبک گئے۔

اندھے دیو نے غار کا پتھر اٹھایا اور دروازے پر آکر بیٹھ گیا۔ اس نے سوچا کہ جب یونانی باہر نکلیں گے تو وہ ان کو ایک ایک کرکے کھا جائیگا۔ لیکن یولیسس کی چالاکی کا مقابلہ کرنا آسان نہ تھا۔ اس نے دیو کی تین بھیڑوں کو ایک ساتھ نکالا اور بیچ کی بھیڑ کے پیٹ کے ساتھ اپنے ایک ایک آدمی کو باندھ دیا پھر سب سے موٹی بھیڑ کے بال پکڑ کر اس کے پیٹ سے خود چپک گیا۔

صبح کے وقت جب بھیڑیں باہر نکلیں تو دیو نے ان کی پیٹھ پر ہاتھ پھیر کر دیکھا۔ وہ سمجھا کہ یونانی ان پر سوار ہو گئے۔

پیٹ ٹٹولنے کا اسے دھیان بھی نہ آیا۔ اس طرح یولیسس اور اس کے ساتھی بچ نکلے اور اپنے جہازوں میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔ سمندر کے دیوتا نیچون نے جو پولیفیمس کا باپ تھا یولیسس سے بدلہ لینے کی ٹھانی اور اسے دس برس تک سمندر میں پریشان پھرایا۔

ہواؤں کا جزیرہ

یولیسس ایک بہتے ہوئے جزیرہ پر پہنچا جہاں ہوا کا بادشاہ رہتا تھا۔ یہاں وہ ایک مہینہ تک رہا جزیرے کا بادشاہ اس پر بہت مہربان ہوگیا۔ اور چلتے وقت اس نے یولیسس کو پُروا ہوا تحفہ میں دی تاکہ وہ اسے آرام سے گھر تک پہنچا دے۔ اور جو ہوائیں یونانیوں کو تنگ کرتیں اس نے ایک چمڑے کے تھیلے میں قید کرکے جہاز کی نچلی منزل میں بند کر دیں۔

یولیسس خوشی خوشی گھر روانہ ہوگیا۔ دسویں دن انھیں اپنا وطن اتھیکا نظر آیا۔

جہاز جزیرے کے قریب پہنچ رہے تھے اور اتھیکا کے باشندے چٹانوں پر آگ روشن کئے بیٹھے تھے۔ تمام راستے یولیسس نے پلک تک نہ جھپکائی تھی۔ اب اس نے اطمینان کا سانس لیا اور سوگیا۔ جہازیوں نے آپس میں چہ میگوئیاں شروع کر دیں۔ جہاز کے ہولڈ میں چاندی کے تسمہ سے بندھا ہوا جو تھیلا رکھا تھا وہ اس کی باتیں کرنے لگے۔ انھوں نے سوچا کہ اس میں ضرور سونا چاندی بھرا ہوگا جبھی تو یولیسس نے اسے اتنی حفاظت سے رکھ چھوڑا ہے۔ وہ سب مال ہتھیانا چاہتے ہے۔ جہاں کہیں یولیسس جاتا ہے لوگ پسند کرنے لگتے ہیں اور اسے ہر جگہ سے تحفے تحائف ملتے رہتے ہیں۔ لیکن ہمیں کوئی نہیں پوچھتا۔ جلو دیکھیں ہوا کے بادشاہ نے اسے کیا دیا۔ چنانچہ انھوں نے بیل کی کھال کے تھیلے کو کھولا۔ تمام ہوائیں آزاد ہو گئیں اور انھوں نے پھر جہاز کو طوفانی لہروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔

بہت مصیبتوں اور خطروں میں سے گزرنے کے بعد انھیں ایک اور جزیرے میں پناہ ملی۔ یہاں ایک حسین خاتون سرسے نامی رہتی تھی یہ ایک جادوگرنی تھی۔ جنگل میں درختوں کے سائے تلے اسکا خوشنما محل تھا جہاں سے سمندر اور پہاڑیوں کے حسین مناظر

نظر آتے تھے اور محل کے آس پاس جادو کے زور سے رام کئے ہوئے شیر اور بھیڑیئے چکر لگایا کرتے تھے اور جادو کی چڑیاں اپنی میٹھی آواز میں گا گا کر اپنا خوبصورت جالا بنتی تھیں۔ سرسے مسافروں کو گھیر کر اپنے محل لے آئی اور بہت خاطر و مدارات سے پیش آئی لیکن کھانے میں اس نے کوئی ایسی دوا ملائی کہ جہازیوں پر نشہ طاری ہو گیا۔ اور پھر سرسے نے جادو کے زور سے انھیں جانور بنا دیا۔

ایک جہازی کو سرسے کی نیت پر شبہ ہو گیا تھا اسلئے وہ اور سب کے ساتھ اندر نہ گیا بلکہ یولیسس کو جا کر سب حال کہہ سنایا۔ یہ خبر سنکر یولیسس فوراً اپنے آدمیوں کو آزاد کرانے کے لئے چل کھڑا ہوا۔ راستے میں مرکری دیوتا ملے انھوں نے یولیسس کو ایک بوٹی دکھائی جسکی جڑ سیاہ تھی لیکن پھول دودھ جیسے سفید۔ مرکری نے کہا کہ اس بوٹی کو اکھاڑنا بہت مشکل ہے لیکن اگر یہ تمہارے پاس ہو تو تم سرسے کے محل میں بے کھٹکے داخل ہو سکتے ہو اور وہ تمہارا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے گی۔

چنانچہ یولیسس بوٹی لیکر سرسے کے چمکدار محل میں داخل ہو گیا اور دوا ملا ہوا کھانا کھایا۔ لیکن اس پر سرسے کے جادو کا کچھ اثر نہ ہوا۔ اور سرسے کو مجبور ہو کر سب جہازیوں کو اصلی حالت پر لانا پڑا۔

جب یولیسس اور اس کے ساتھی واپس جانے لگے تو سرسے نے انھیں بہت سی کام کی باتیں بتائیں اور راستے کے خطروں سے آگاہ کیا۔ پہلی بات تو یہ بتائی کہ یونانیوں کے راستے میں موسیقاروں کا جزیرہ پڑیگا۔ موسیقار سمندر کے کنارے بیٹھ کر جادو کے گیت الاپتے تھے اور جو یہ آواز سن لیتا تھا کبھی لوٹ کر گھر نہ واپس جا سکتا تھا۔ جادو کے اثر سے وہ کنارے کی طرف کھنچا چلا جاتا تھا۔ اسکا جہاز تباہ ہو جاتا تھا اور وہ خود ڈوب کر مر جاتا تھا اسلئے سرسے نے یولیسس کہا کہ تم موسیقاروں کے جزیرے کے پاس سے اپنا جہاز جلدی سے نکال لیجانا جزیرے تک پہنچنے سے پہلے اپنے آدمیوں کے کانوں میں موم بھر دینا۔ اگر تم خود گیت سننا چاہتے ہو تو جہازیوں سے کہنا کہ وہ تمہیں ستون سے باندھ دیں۔

جب یولیسس موسیقاروں کے جزیرے میں آیا تو اس نے وہی کیا جو سرسے نے بتایا تھا۔ اسکے آدمیوں پر جادو کا کچھ اثر نہ ہوا کیونکہ ان کے کانوں میں موم ٹھنسا ہوا تھا۔ یولیسس جو ستون سے بندھا ہوا تھا سب گیت سن رہا تھا۔ اسکا دل چاہا کہ

(باقی صفحہ ۱۹ پر)
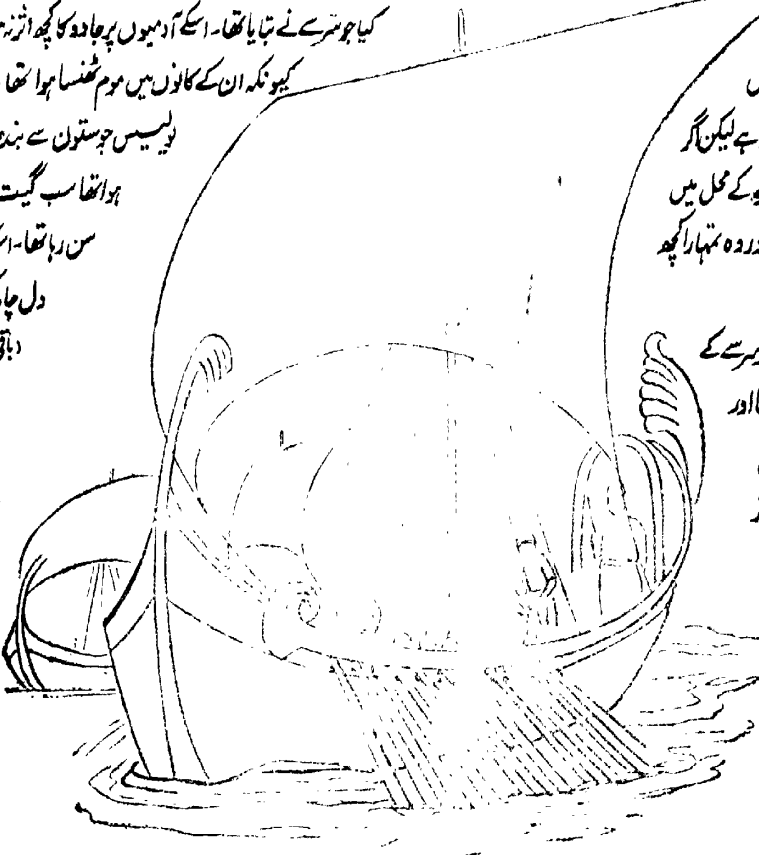
موسم کی پیشینگوئی

نہ صرف ریڈیو پر بلکہ اخباروں میں باقاعدہ طور سے موسم کے متعلق پیشینگوئی ملتی ہے۔ سیر سپاٹے کے شوقین اسے اسلئے پڑھتے ہیں کہ موسم اچھا ہو تو سیر کو جائیں۔ ہواباز اور ملّاح آنیوالے طوفانوں سے بچنے کے لئے انھیں دیکھتے ہیں۔

اگر غور سے فضا کا مشاہدہ کریں تو آسانی سے ہم سب موسم کے متعلق تھوڑی بہت پیشگوئی کر سکتے ہیں بعض علامات ایسی ہیں جن سے پتہ چل جاتا ہے کہ موسم کیسا رہیگا۔ اگر ہوا میں نمی ہو تو معلوم ہو جاتا ہے کہ بارش آئیگی۔ اگر صبح کے وقت آسمان سرخ ہو تو بارش یا آندھی کا خطرہ ہے۔ لیکن اگر شام کے وقت آسمان پر سرخی نظر آئے تو موسم خوشگوار رہیگا۔ شام کے وقت آسمان پہ زردی ہونا بارش کا پیش خیمہ ہے۔ اگر رات کو ستارے بہت زیادہ روشن معلوم ہوں تو دوسرے دن بارش آنیکا امکان ہے۔ جانوروں کے مشاہدہ سے بھی موسم کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ خراب موسم سے پہلے بلّیاں اکثر اپنے کان کھجایا کرتی ہیں۔ شہد کی مکھیاں بارش سے پہلے اپنے چھتوں میں گھس کر بیٹھ جاتی ہیں۔ اور مور شور مچانے لگتے ہیں۔ آندھی سے پہلے مکڑیاں اپنا جالا تان لیتی ہیں۔ ابابیلیں اگر نیچی اڑیں تو سمجھ لو کہ موسم اچھا نہیں رہیگا۔

اکثر پہاڑی پھول مثلاً پُٹنٹلا بارش سے پہلے اپنا منہ بند کر لیتے ہیں۔ لیکن یہ سب اندازے صحیح بھی ہو سکتے ہیں اور غلط بھی کیونکہ ان کی بنیاد مشاہدے پر ہے کسی سائنٹیفک قانون پر نہیں۔ لیکن ریڈیو پر جو موسمی پیشگوئیاں براڈکاسٹ کی جاتی ہیں وہ سائنٹیفک مشاہدے کی بنا پر ہوتی ہیں جو علم موسم کے حالات جانچنے میں ہماری رہنمائی کرتا ہے اسے میٹرولوجی کہتے ہیں۔ یہ نام یونانی زبان کے ایک لفظ میٹر سے لیا گیا ہے جسکے معنی ہیں فضا سے متعلقہ کوئی چیز۔ بارش۔ دھوپ، طوفان سب کا تعلق فضا سے ہے اسلئے اسکا یہ نام رکھا گیا ہے۔

یہ معلوم کرنے کے لئے کہ اگلے ۴۸ گھنٹوں میں موسم کیسا رہیگا۔ تین چیزوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ ہوا کا وزن۔ اسکا درجۂ حرارت اور نمی کی مقدار۔ اس کام کے لئے بیرومیٹر۔ تھرمامیٹر اور ہائی گرومیٹر کی ضرورت ہوتی ہے۔

بیرومیٹر سے ہوا کا دباؤ معلوم ہوتا ہے۔ اگر دباؤ کم ہو تو پارہ گر جاتا ہے۔ اور اس کے معنی ہیں کہ طوفان آنیوالا ہے۔

تھرمامیٹر سے حرارت ناپی جاتی ہے۔ اس کے متعلق تم نونہال میں پڑھ چکے ہو۔

موسم کی حالت معلوم کرنے کے لئے ہائیگرومیٹر بہت ضروری چیز ہے۔ حالانکہ اس کا نام عجیب سا ہے لیکن در اصل یہ بالکل سیدھا سادا سا آلہ ہے۔ اس میں برابر برابر دو تھرمامیٹر ہوتے ہیں جن کے بلب پر پتلی فلالین کا ٹکڑا لپٹا ہوتا ہے۔ فلالین کا ایک ٹکڑا تو خشک رہتا ہے اور دوسرا تر۔ گیلے ٹکڑے میں سے نمی بخارات بنکر اڑتی رہتی ہے۔ اور چونکہ پانی کے اڑنے سے حرارت گھٹ جاتی ہے۔ اسلئے گیلے بلب والا تھرمامیٹر سوکھے کی نسبت کم درجہ حرارت نوٹ کرتا ہے۔ ہوا جتنی خشک ہوگی اتنی ہی جلدی گیلی فلالین کا پانی اڑ جائیگا۔ اور دونوں تھرمامیٹروں کے پارے میں اتنا ہی زیادہ فرق نوٹ ہوگا۔ موسم کا حال بتانے کے علاوہ میٹرولوجیکل آفس اور بہت سی باتیں معلوم کرتا ہے۔ یہاں پر خاص لیبارٹریاں ہیں جہاں سب تجربوں کے نتیجوں کا ریکارڈ رہتا ہے، بہت سی باتیں موسم ہی کے متعلق ایسی ہیں جو ہمیں معلوم نہیں مثلاً ۴۸ گھنٹے سے زیادہ کے متعلق موسمی پیشینگوئی نہیں کی جاسکتی اور اس عرصے کے متعلق بھی یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ موسمی پیشگوئی لفظ بلفظ درست ہوگی۔ اس آفس میں رات دن ان قوانین قدرت کو معلوم کرنیکی کوشش ہوتی ہے جنکا موسم پر اثر پڑتا ہے۔ کیونکہ موسم کے متعلق پیشگوئی اس وقت ہی کارآمد ہو سکتی ہے جب مہینوں بلکہ برسوں پہلے آنیوالے واقعات کا علم ہو جائے اور تمام دنیا کے کاشتکاروں ملاحوں اور ہوابازوں کے کام اور سلامتی کا دارومدار موسم پر ہے ٭

روما افغانستان کی سیر کو جاتی ہے

روما کلکتہ میں رہتی تھی اسکے والد سرکاری دفتر میں تھے۔ ایک دن جب وہ گھر آئے تو انھوں نے بتایا کہ انکا تقرر کابل کے سفارتخانے میں ہوگیا ہے۔ روما بہت خوش ہوئی۔ اسے نئی نئی جگہیں دیکھنے کا بہت شوق تھا۔ پشاور تک وہ ریل میں گئے پھر موٹر میں بیٹھ کر خیبر پاس کے لئے روانہ ہوگئے۔ افغانستان کی پہاڑیاں خوبصورت تھیں لیکن دارجلنگ کی سرسبز پہاڑیاں دیکھنے کے بعد روما کو وہ کچھ چٹیل سی نظر آئیں۔

روما نے ہمالیہ کی برفانی چوٹیاں بھی دیکھی تھیں لیکن افغانستان جاکر اس نے برف گرنے کا منظر بھی دیکھا۔ یہ روئی کے گالوں کی طرح نرم تھی۔ روما کو اس سے کھیلنے میں بہت مزا آتا تھا۔ جاڑے میں افغانستان میں بہت بارش ہوتی ہے اسلئے سخت سردی پڑتی ہے۔ لوگ فر کے کوٹ پہنے ہیں جنکے بال اندر کی طرف ہوتے ہیں اور اوپر خوبصورت کام بنا ہوتا ہے۔ یہ کوٹ بھیڑ کی کھال کے ہوتے ہیں۔ اور پوستین کہلاتے ہیں۔

افغانستان میں گھونگریالے بالوں والی بھیڑیں ملتی ہیں جنھیں کراکل کہتے ہیں۔ یہاں دنبے بھی کثرت سے ملتے ہیں جنکی چکتیاں اکثر فٹ بھر چوڑی ہوتی ہیں۔

افغان لوگ کھیلوں کے بہت شوقین ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اکثر فٹ بال کی قسم کا ایک کھیل کھیلتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ یہ گھوڑے پر سوار ہوکر کھیلا جاتا ہے، اور گیند بھیڑ کی کھال کی ہوتی ہے۔

افغانستان میں بہت سے قبیلے ہیں۔ درانی، غلزئی، ہزارہ اور قزلباش۔ درانی کہتے ہیں کہ وہ مدت ہوئی فلسطین سے آئے تھے انکے نقش ونگار بھی یہودیوں سے ملتے ہیں۔ افغان عموماً مضبوط قدآور اور جفاکش ہوتے ہیں۔ انکا رنگ گورا اور ناک لمبی ہوتی ہے۔ یہ لوگ بہت جنگجو اور مہمان نواز ہوتے ہیں۔ مذہب انکا اسلام ہے اور پیشہ زراعت۔ یہاں فارسی یا پشتو بولی جاتی ہے۔

جب روما کابل پہنچی تو بہار کا موسم تھا۔ درختوں پر بادام کے شگوفے کھل رہے تھے۔ افغانستان میں مزیدار پھل اور میوے کثرت سے پیدا ہوتے ہیں۔ روما نے کئی جگہوں کی سیر کی پہلے کابل کی۔ یہ جدید طرز کا شہر ہے اور افغانستان کا دارالخلافہ ہے۔ کسی زمانے میں بابر نے بھی اسے دارالخلافہ بنایا تھا۔ یہیں سے بابر ابراہیم لودھی کو شکست دینے آیا تھا اور پانی پت کی مشہور لڑائی جیت کر سلطنت مغلیہ کی بنیادیں کھڑی کی تھیں۔

روما غزنی بھی گئی۔ محمود غزنوی جس نے گیارہویں صدی میں ہندوستان پر حملے کئے یہیں کا رہنے والا تھا

ایک دن روما نے غوری کی بھی سیر کی جو محمد غوری کا وطن تھا۔ محمد غوری نے بارہویں صدی میں ہندوستان میں اسلامی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔

پہلے افغانستان الگ حکومت نہ تھی لیکن ۱۷۴۷ء میں ایران کے بادشاہ نادرشاہ کی وفات کے بعد ابدالی قبیلے کے ایک نوجوان نے افغانستان کی حکومت قائم کی اور خود بادشاہ بن بیٹھا۔

قندھار اور ہرات دو بڑے صوبے ہیں جنہوں نے خود مختار ہونا چاہا۔ لیکن عبدالرحمٰن نے ۱۹۰۱ء میں اپنی وفات سے پہلے انھیں کابل کی حکومت کے ماتحت کرلیا۔ افغانستان کے موجودہ فرمانروا ہز میجسٹی شاہ ظاہر شاہ ہیں۔ یہ ۱۹۳۳ء میں تخت پر بیٹھے۔ آجکل افغانستان میں تعلیم بہت زوروں پر پھیلائی جارہی ہے اور ملک میں کئی کالج اور اسکول کھل رہے ہیں۔

کدو میاں

(۲)

کدو میاں ایک بہت دلچسپ ننھے گدھے ہیں۔ ان کے سلیٹی رنگ کے بال ہیں بڑی آنکھیں ہیں اور لمبے لمبے حسین کان ہیں۔ ان کی آواز بھی بہت گرج دار ہے۔ کدو میاں بہت رحم دل ہیں۔ لیکن ان میں ایک کمزوری ہے۔ وہ سوچتے بعد میں ہیں اور کام پہلے کرتے ہیں۔ اور تمہیں معلوم ہی ہے یہ طریقہ الٹا ہے۔

کدو میاں مچھلی کے شکار کو جاتے ہیں

کدو میاں کی چھٹی تھی۔ انہوں نے سوچا۔ مچھلی کے شکار کو چلیں۔ وہ خود تو مچھلی نہیں کھاتے تھے لیکن انکی سہیلی ٹیٹو بلی کو مچھلیاں بہت پسند تھیں۔ چنانچہ کالو بندر اور وہ ایک بڑے ٹمن کیریر میں کھانا لے کر دریا کی طرف چل کھڑے ہوئے۔

دونوں دریا کے کنارے جاکر بیٹھ گئے۔ "یہاں کی سکون بخش فضا اسکول سے کتنی مختلف ہے" انہوں نے دل میں سوچا۔ تھوڑی دیر میں انہیں بھوک لگی۔ اور انہوں نے کھانا کھایا۔ پھر کدو میاں سو گئے۔

یکایک ان کی آنکھ کھلی۔ ان کی ڈور بھاری معلوم ہوئی۔ "کالو۔ کالو" مچھلی۔ وہ چلائے اور جلدی سے ڈور کھینچ لی۔ معلوم ہوتا ہے دس بارہ سیر کی مچھلی پھنسی ہے۔ کتنی بھاری ہے۔ لیکن کالو کو ساری حقیقت معلوم تھی وہ کدو میاں کی پہنچ سے باہر درختوں میں چھپا بیٹھا تھا۔

کل کی باتیں

مفلسی
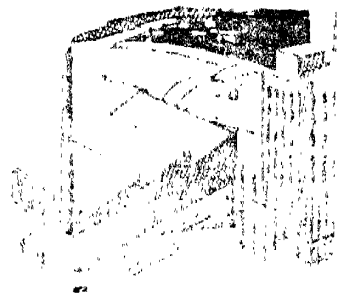
عزیز بھانجو اور بھانجیو!

اس دفعہ ہم سب کو مل کر اپنے ایک اور دشمن سے لڑنا ہے وہ ہے مفلسی یا غربت۔ خواہ ہم بڑے شہروں میں رہیں خواہ چھوٹے چھوٹے قصبوں میں۔ ہمیں ہر جگہ اسکے مارے لوگ نظر آتے ہیں لیکن مفلسی ہے کیا چیز؟ تم کہو گے اسکے معنیٰ ہیں کافی روپیہ نہ ہونا۔ ایک حد تک تمہارا جواب صحیح ہے لیکن کس چیز کے لئے روپیہ نہ ہونے کو غربت کہتے ہیں۔ موٹریں۔ مرغن کھانے یا عیش و عشرت کے سامان کے لئے کافی روپیہ نہ ہونا مفلسی نہیں۔ اصلی مفلسی تو وہ ہے جب ہمیں ضروریاتِ زندگی مثلاً ڈھنگ کا کھانا اور ڈھنگ کے کپڑے بھی نصیب نہ ہوں۔ نہ ہم پڑھنے کے لئے اسکول جا سکیں نہ ہمارے پاس صاف ستھرا مکان ہو۔ اگر تم شہروں کے گنجان محلوں میں یا گاؤں میں جاکر دیکھو تو تمہیں بہت سے لوگ ایسے ملیں گے جو صحیح معنوں میں غریب کہلائے جا سکتے ہیں تم دیکھو گے کہ چھ سات اور آٹھ آدمی ایک چھوٹے سے تنگ و تاریک کمرے میں جس میں نہ ہوا کا گزر ہے نہ دھوپ کا اپنی زندگی کے دن پورے کر رہے ہیں۔ ان کے تن ڈھانکنے کو کپڑا ہے اور نہ پیٹ کو روٹی بچے سوکھے، مریل بیمار اور چڑچڑے ہیں۔

یہ ہے ہندوستان کے لاکھوں کروڑوں آدمیوں کی زندگی اور یہ کوئی اچھی زندگی نہیں۔ سب لوگ چاہتے ہیں کہ وہ خود اور ان کے آس پاس رہنے والے آرام چین سے عزت کی زندگی بسر کر سکیں۔ لیکن ایسا کرنے کے لئے ہاتھ پیر ہلانے کی ضرورت ہے۔

سب سے پہلے گاؤں کے لوگوں کو لو۔ کیونکہ ہر دس ہندوستانیوں میں سے ۹ گاؤں میں رہتے ہیں اور ان ۹ میں سے ۷ کا پیشہ کاشتکاری ہے۔ اسلئے اگر ہم اپنے ملک کے لوگوں کی حالت بہتر بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں گاؤں والوں اور کاشتکاروں سے ہی کام شروع کرنا پڑیگا۔ ان کی مصیبت کی وجہ یہ ہے کہ جتنا اناج وغیرہ وہ زمین سے پیدا کرتے ہیں وہ انکی محنت اور خرچ کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔

زراعت کے ماہر بتاتے ہیں کہ زمین میں کئی نمک ایسے ہوتے ہیں جو فصل کی پیداوار کے لئے بہت ضروری ہیں لیکن ہر فصل کے ساتھ انکی مقدار کم ہوتی جاتی ہے۔ ایسی زمین میں جو کچھ بو یا جائے پیداوار اچھی نہیں ہوتی۔

اچھی فصل پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ زمین میں یہ نمک دوبارہ ملائے جائیں کھاد میں یہ نمک موجود ہوتے ہیں اسی لئے زمین میں کھاد دی جاتی ہے۔ گوبر نہایت عمدہ کھاد ہے۔ لیکن ہمارے کاشتکار اسے زمین میں ملانے کی بجائے اپلے بنا کر جلا ڈالتے ہیں محض اس وجہ سے کہ ایندھن خریدنا نہ پڑے لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا۔ گوبر جلا کر وہ اپنی فصل خراب کرتے ہیں اور زیادہ نقصان اٹھاتے ہیں۔ جن لوگوں کو یہ باتیں معلوم ہیں انکا فرض ہے کہ کاشتکاروں کو سکھائیں انھیں اور درخت لگانیکی ترغیب دیں تاکہ ان کی لکڑی ایندھن کے طور پر کام آسکے درختوں سے ایک فائدہ اور بھی ہوگا وہ یہ کہ بارش کا پانی زرخیز مٹی بہا کر ساتھ نہ لیجا سکیگا۔ درختوں کی جڑیں مضبوطی سے اسے تھامے رہیں گی۔

اسکے علاوہ کوآپریٹو سوسائٹیاں بنائی چاہئیں جو کسانوں کو قحط اور مصیبت کے وقت میں قرض دے سکیں۔ آبپاشی کا انتظام بھی ٹھیک ہونا چاہئیے۔ اور بہت سی نہریں۔ تالاب اور کنوئیں بنانے چاہئیں کیونکہ بغیر پانی کے اچھے بیج اور کھاد بیکار ہیں۔

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

اتاترک

یہ اس شخص کی کہانی ہے جس نے اپنی ساری عمر اپنے وطن اور ہموطنوں کی خدمت میں گزار دی۔

مصطفےٰ کمال ترکی حکومت کے محکمہ جنگی کے ایک افسر کا بیٹا تھا۔ اس نے بہت کچھ اپنی ماں سے اور اپنے سکول "حربیہ" سے سیکھا یہ ایک فوجی کالج تھا۔ وہ بچپن سے ہی بہت ہوشیار تھا۔ حساب اور تمام فوجی مضمونوں جو حساب سے تعلق رکھتے ہیں مثلاً توپ چلانے اور گولے وغیرہ پھینکنے کے علم سے اسے خاص دلچسپی تھی۔ اس زمانے میں ترکی پر سلطان عبدالحمید کی حکومت تھی۔ ترکی چاروں طرف سے دشمنوں کے نرغے میں تھا جس میں روس۔ بلغاریہ یونان اور سربیا شامل تھے۔ ترکی حکومت بہت سی مختلف نسلوں اور قوموں پر مشتمل تھی لیکن اس میں اب اتنا دم نہ رہا تھا کہ سب کا شیرازہ باندھ کر رکھ سکے۔ یہاں تک کہ فرانس جو ترکی کا پڑوسی نہیں تھا۔ اس کے خلاف ہو گیا تھا۔

مصطفےٰ کمال اس زمانے میں لڑکا ہی تھا لیکن اسے صاف معلوم تھا کہ ترکی میں اتحاد اور مضبوط قومی حکومت کی ضرورت ہے۔ اسی قسم کے خیالات ایک اور نوجوان کے تھے جس کا نام تھا انور پاشا۔ مصطفےٰ کمال نے انور پاشا سے مل کر کام شروع کیا اور اسی عمر میں بھی اسکا مقولہ تھا۔ بہادری دکھاؤ۔

فوجی کالج میں تعلیم سے فراغت پاکر مصطفےٰ نے شام میں مختلف جگہوں پر فوجوں کی کمان سنبھالی۔ پچھلی جنگِ عظیم میں اس نے بہت بہادری سے اپنے فرائض انجام دئے۔ انا فارٹا اور گیلی پولی کی جنگ مصطفےٰ کمال نے ہی جیتی۔ لیکن چونکہ اس جنگ میں ترکی جرمنی کا ساتھی تھا اسلئے بعد میں ترکی کی شکست ہوئی۔ لڑائی کے بعد ترکی پر بہت مصیبت آئی۔ مصطفےٰ کمال نے مادرِ وطن کو بچانیکا فیصلہ کر لیا۔ وہ ترکی سے نکل کر ایشیائے کوچک میں پہنچا اور وہاں جاکر بہت سے لوگوں کو جمع کیا ان میں افسر، پروفیسر، مصنف اور سب قسم کے لوگ شامل تھے۔ یہ تمام لوگ اپنے ملک سے محبت رکھتے تھے ترکی کو دوبارہ طاقت پہنچانے کے کام میں وہ ہر قسم کی مدد کے لئے تیار ہو گئے۔ کافی مشکلوں کے بعد اس نے ترکی کی ری پبلک کا اعلان کر دیا۔ اور دارالخلافہ قسطنطنیہ کی بجائے انگورا جسے انقرہ بھی کہتے ہیں مقرر ہوا۔

مصطفےٰ کمال اس جمہوریت کا صدر بنایا گیا۔ وہ رات دن کام میں لگا رہتا تھا۔ کیونکہ اب اسے ملک کے کئی دشوار مسئلوں کو حل کرنا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ فوجوں سے لڑائی تو ختم ہوئی لیکن اب ہمیں ان چیزوں سے لڑنا ہے جو ہماری ترقی کی راہ میں روڑا اٹکاتی ہیں ترکی کا اصلی دشمن جہالت ہے۔ اور دوست علم۔

مصطفےٰ کمال سب ملکوں سے دوستی کا رشتہ قائم رکھنا چاہتا تھا۔ اس نے کئی تعلیمی انتظامی اور سیاسی اصلاحات کیں۔ ملک میں رومن رسم الخط کو رواج دیا۔ کیونکہ یہ زیادہ آسان تھی۔ ملک کے نوجوانوں کو بھی اس نے نہیں بھلایا۔ مصطفےٰ کمال کی یہ خواہش تھی کہ ملک کے نوجوان صنعتوں اور سائنس میں ترقی کریں۔ ترکی کے کسانوں کی اخلاقی اور تعلیمی حالت سدھارنے کے لئے نوجوان کو چھٹیوں میں گاؤں گاؤں جانا پڑتا تھا۔ اس طرح ترکی کے طالب علم اپنے ملک کے لوگوں کے حالات سے باخبر رہتے تھے۔ اور اپنے لوگوں کی زندگی بنانے میں ہاتھ بٹا سکتے تھے۔

کیرالا (تاڑ اور خلیجوں کا علاقہ)

(از 'مایا')

کیرالا کا صوبہ جس میں کوچین اور ٹراونکور کی ہندوستانی ریاستیں اور برطانوی مالابار شامل ہیں۔ ہندوستان کے جنوب مشرقی ساحل پر ایک بیحد خوبصورت علاقہ ہے۔

کیرالا اپنے مندروں، جھیلوں، دریاؤں اور تاڑ کے درختوں کی وجہ سے بہت مشہور ہے۔ لیکن اس کی زیادہ شہرت کا باعث یہاں کی نہریں اور ساحلی جھیلیں ہیں۔

کیرالا میں مختلف قسم کے سوداگر اور سیاح پانی کے ان ذخیروں کے گرد و پیش اپنے اپنے کاموں سے سفر کرتے ہیں۔ یہاں کے صاف شفاف پانی، خلیجوں کے کنارے قطار در قطار اُگے ہوئے لمبے لمبے تاڑ کے درخت، کہیں کہیں چھوٹے چھوٹے جزیرے نما اور رنگ کی کھاڑیاں اور ان سب کے ارد گرد بہت سے چھوٹے چھوٹے خوبصورت مکان نہایت ہی حسین منظر پیش کرتے ہیں۔

تاڑ کے درخت نہ صرف خوبصورت بلکہ کارآمد بھی ہوتے ہیں پانی پر اس طرح چھائے ہوئے ہیں کہ ان کے سائے میں نہایت آرام سے لوگ اپنی کشتیوں میں بیٹھے کیرالہ کے دلکش کشتی کے راگ گاتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔

کیرالا کا دیس بہت قدیم ہے اور سمراٹ اشوک کے فرمانوں میں اسکا ذکر کیرالا پتر' یعنی 'کیرالا کا بیٹا' کے نام سے ملتا ہے۔ کیرالہ نے بڑے بڑے انقلابات دیکھے ہیں۔ یہاں چولوں، مدورا کے نائک راجاؤں، وجے نگر کے حاکموں، مسلمانوں پھر ڈچوں اور پرتگالیوں اور سب سے آخر میں انگریزوں نے اپنا قبضہ جمایا۔ لیکن محض برطانوی مالابار ہی برطانیہ کے تسلط میں ہے اور باقی پر ہندوستانی راجاؤں کی حکومت ہے۔

کیرالا ہندوستان کا ایک بے حد دلچسپ حصّہ ہے کیونکہ اس میں قسم قسم کے لوگ آباد ہیں جن میں مختلف مگر بہت دلچسپ رسم و رواج پائے جاتے ہیں۔ کیرالا کے باشندوں کی زبان ملیالم ہے۔ جسکے معنی ہیں 'پہاڑوں کا دیس' مالابار کے نمبودری برہمن جو زیادہ تر پجاری، عالم فاضل اور بڑے زمیندار ہیں یہاں کی سب سے اونچی ذات سمجھے جاتے ہیں۔ قدیم ہندوستان کے مشہور فلسفی شنکراچاریہ مالابار کے ہی نمبدری برہمن تھے۔ یہ برہمن قدیم ہندوستانی طریقۂ علاج پر چلتے ہیں اور مذہبی معاملات میں بہت کٹر ہوتے ہیں۔ وہ ایسے لوگوں سے جنہیں وہ اپنے مقابلہ میں کم ذات سمجھتے ہیں بالکل الگ تھلگ رہتے ہیں۔ کیرالا کے ہندوؤں کی اکثریت نائر لوگوں کی ہے۔ جو ہمیشہ سے بہت اچھے سپاہی ہوتے آئے ہیں اور اب بھی ہیں۔ نائر بچوں کو کشتی، بنوٹ اور کسرت کے فن شروع ہی سے سکھائے جاتے ہیں۔ نائر لوگ اپنے 'ماتا راج' کے اصول کی وجہ سے بہت مشہور ہیں جسکا مطلب یہ ہے کہ بجائے باپ کے ماں یا اُسکا بھائی گھر کا سب سے بڑا ہوتا ہے۔ جب ایک مرد کا انتقال ہوجاتا ہے تو وہ اپنے بچوں کے لئے ترکہ نہیں چھوڑتا بلکہ اپنے بھانجوں یا بھانجیوں کے لئے چھوڑتا ہے۔ جب ٹراونکور کے ایک مہاراجہ کا انتقال ہوجاتا ہے تو اسکا اپنا بیٹا جانشین نہیں ہوتا بلکہ اسکا بھانجہ تخت نشین ہوتا ہے۔ سماج میں عورت کے اس اہم درجہ کا نتیجہ یہ ہے

کہ نائر عورتیں زیادہ آزاد اور ترقی یافتہ ہوتی ہیں بہ نسبت ملک کے کسی دوسرے حصّہ کی عورتوں کے۔

کیرالا میں اور خاص طور سے ٹراونکور میں عیسائیوں کی بہت بڑی آبادی ہے یہ عیسائی سیرین عیسائی کہلاتے ہیں کیونکہ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ پہلی صدی عیسوی میں سیریا سے آکر یہاں آباد ہوئے تھے۔ یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ پادری ٹامس ہندوستان میں آئے تھے اور انھوں نے مالا بار میں ۵۲ صدی عیسوی میں پہلا گرجا قائم کیا تھا۔ سیرین عیسائی اکثر کافی تعلیم یافتہ ہوتے ہیں اور ہندوستان کی دوسری قوموں کی نسبت انہیں تعلیم کا زیادہ چرچا ہے۔

مالا بار کی دوسری دلچسپ قوم یہودی ہیں جنہیں سفید اور بھورے دونوں شامل ہیں۔ دوسری قسم کے یہودی قدیم ترین قوموں میں سے ہیں جنکے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے بھی پہلے بابل اور اسپین سے آکر یہاں آباد ہو گئے تھے۔ یہ لوگ مذہب کے بہت پکّے ہوتے ہیں اور قوم یہود کے پرانے رواج اور اصولوں پر عمل کرتے ہیں۔

کیرالا کے مسلمانوں کو موپلا کہتے ہیں انکے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ یہ ان عرب سوداگروں کی نسل سے ہیں جو بہت زمانہ گزرا مالا بار میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ یہ لوگ بہت جفاکش اور مہمان نواز ہوتے ہیں ان کا پیشہ زیادہ تر تجارت ہے۔

کیرالا کے باشندے بہت سے شاندار تہوار مناتے ہیں مثال کے طور پر اونام کا تہوار جو برسات کے ختم اور فصل کے شروع پر منایا جاتا ہے۔ یہ لوگ ڈرامائی قصّہ گوئی کے بہت شائق ہوتے ہیں جسے کتھاکلی کہتے ہیں اسے ایک ایکٹر دو سازندوں کی مدد سے ادا کرتا ہے اس میں کوئی مذہبی کہانی ناچ اور گانے کی صورت میں دہرائی جاتی ہے لیکن ڈرامائی فن کی سب سے زیادہ مشہور مثال جسے ساری دنیا میں شہرت حاصل ہے کتھاکلی کہلاتی ہے۔

کتھاکلی استادانہ ناچ کی بالکل مکمل مثال ہے جسکے ذریعہ سے کوئی مذہبی کہانی ہاتھ اور بدن کے دوسرے حصوں کے اشاروں سے ادا کی جاتی ہے۔ کتھاکلی کے ناچنے والے سب کے سب مرد ہوتے ہیں جو ناچتے وقت بہت زیادہ بھڑکیلے اور عجیب فرضی مصنوعی چہرے لگا لیتے ہیں۔

قدیم زمانہ میں کیرالا اور خاص طور پر کوچین بہت زیادہ مالدار زرخیز اور تجارتی علاقہ تھا اور بیرونی ملکوں سے بڑے پیمانہ پر تجارت کرتا تھا ان ملکوں میں چین خاص طور پر شامل تھا۔ مالا بار کی روزانہ استعمال کی چیزیں مثلاً ماہی گیروں کے دھان کی تیلیوں سے بنے ہوئے بڑے کنارے والے ہیٹ میں، مچھلی پکڑنے کے جال ہیں، چھتریوں میں، مکانوں کی ڈھلواں چھتوں میں تمہیں بہت بڑی حد تک چینی طرز کے اثرات نمایاں طور پر دکھائی دیں گے۔

کیرالا سے باہر جانیوالی چیزوں میں زیادہ تر مصالحے، لونگ، سیاہ مرچ، شکر، چائے، ربڑ، چھالیہ، صندل کی لکڑی، چیڑ کی لکڑی اور ناریل کے درخت سے بنی ہوئی چیزیں خاص قسم کی چٹائیاں، رسیاں اور کھوپرا شامل ہیں۔

کیرالا کے مشہور شہر یہ ہیں۔ منگلور ایک بندرگاہ ہے جہاں حیدر علی مرحوم اور سلطان ٹیپو مرحوم نے لکڑی کے جہاز بنائے تھے۔

کالی کٹ راجہ زمورن کی راجدھانی تھی۔ بہت عرصہ ہوا یہاں پرتگالی بھی آئے تھے۔ یہ شہر اپنے سوتی کپڑے کی وجہ سے جسے اس شہر کی نسبت سے کیلیکو کہتے ہیں زیادہ مشہور ہے۔ کوچین اور ارناکلم مشہور بندرگاہیں ہیں۔

کوئلون ایک بہت قدیم شہر ہے اور مارکوپولو نے اسے

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

بچوں کا اخبار

زیر ادارت: ——— عزیز احمد

کبوتر کا اعزاز

انگلستان کے ایک پالتو کبوتر کو قیمتی جنگی خدمات کے صلے میں ڈکن میڈل عطا کیا گیا ہے۔ ۱۹۴۲ء میں یہ کبوتر ایک اڑان میں راستہ بھول گیا اور تھکا ماندہ ہالینڈ میں پایا گیا۔ پھر ایک ڈچ محبِ وطن نے اس کی معرفت ایک قیمتی جنگی اطلاع لنکا شائر بھیجی۔ کبوتر اکیلا چار سو میل اڑ کر سمندر پار گیا اور اطلاع فوجی افسروں کے حوالے کی۔

سال بھر شاندار خدمات

پچھلے سال برٹش اوورسیز ائیرویز کارپوریشن کے ہوائی جہازوں نے تیس کروڑ میل کا فاصلہ طے کیا اور ۵۰،۹۳۴ مسافروں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہونچایا۔ اس عرصے میں کوئی ایسا حادثہ نہیں ہوا جس سے کوئی مسافر زخمی ہوا ہو یا مرا ہو۔

فیصل اسکاؤٹ پٹرول میں

عراق کے گیارہ سالہ بادشاہ فیصل حال میں انگلستان گئے وہاں انھوں نے تین دن سرے میں ایک اسکاؤٹ ٹروپ کے ساتھ گزارے۔ وہ ایک پٹرول کے ممبر بھی ہو گئے۔ ٹروپ کے سارے ممبر بادشاہ کو ان کا نام لے کر یعنی فیصل کہہ کر پکارتے تھے۔

وائے قسمت!

ایک انگریزی اخبار نے خبر شائع کی ہے کہ کنٹ کا ایک لڑکا مچھلی پکڑنے کے مقابلے میں حصہ لینے کے لئے رات بھر جاگتا رہا لیکن ایک مچھلی بھی نہ پکڑ پایا۔

عجائب خانوں کی یو۔ این۔ او

امریکن عجائب خانوں کی انجمن نے ایک تجویز تیار کی ہے کہ دنیا بھر کے بڑے بڑے عجائب خانے مل جل کر کام کریں۔ اس کام کے لئے ایک ادارہ قائم کیا جائے گا جو عجائبات کے تبادلے کا انتظام کرے گا اور عجائب خانوں میں کام کرنے والوں کے لئے ایک بین الاقوامی اسکول چلائیگا۔ ابتدائی کاموں کے لئے کئی کمیٹیاں بن گئی ہیں۔

بلی کتے کی بہادری

رسالہ "اسکاؤٹ" نے انگلستان کے ایک بُل ٹیریر کتے بلی کی بہادری کی داستان شائع کی ہے۔ اس نے دوسروں کی جان بچانے کی خاطر اپنی جان دے دی۔ وہ ایک سرکس میں گیا ہوا تھا۔ وہاں ایک شیرنی پھر کر قابو سے باہر ہو گئی اور اس نے سرکس کے ملازم کو پٹک کر اس کی ٹانگ توڑ ڈالی۔ دوسرے ملازم زخمی آدمی اور تماشائیوں کو بپھرے ہوئے جانور کے رحم و کرم پر چھوڑ کر بھاگ گئے۔ بلی نے خطرے کا اندازہ کر لیا اور لمحہ بھر ضائع کئے بغیر وہ پنجرے میں گھس گیا اور شیرنی پر حملہ کر دیا۔ اس سے شیرنی کی توجہ ہٹ گئی اور دوسرے ملازموں کو اسکا موقع مل گیا کہ وہ زخمی آدمی کو باہر نکال کر پنجرے کا دروازہ بند کر دیں۔ لیکن بلی اپنی بہادری کی قیمت ادا کر چکا تھا۔ شیرنی نے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے۔

جزائر فیجی کی مردم شماری

جنوبی بحر الکاہل کے جزائر فیجی کی مردم شماری کا انتظام کیا جا رہا ہے۔ یہ کام بہت مشکل ہے کیونکہ ساری آبادی سیکڑوں چھوٹے چھوٹے جزیروں پر پھیلی ہوئی ہے۔ آدھے باشندے تو فیجی کے ہیں جنکے باپ دادا گنّے کی کاشت کے لئے وہاں جاکر آباد ہو گئے تھے۔

نیوزیلینڈ میں خرگوشوں کی آبادی

اندازہ لگایا گیا ہے کہ نیوزیلینڈ میں دو کروڑ چالیس لاکھ خرگوش ہیں۔ یہ اندازہ کسانوں نے لگایا ہے جنکا کہنا ہے کہ وہاں ہر سال ایک کروڑ بیس لاکھ جنگلی خرگوش مارے جاتے ہیں۔

ریڈیو آرٹسٹ کی تنخواہ

امریکہ کا مشہور گانے والا بنگ کروسبی، جو ریڈیو کی رسموں کو ناپسند کرنے کی وجہ سے کئی نوکریاں ٹھکرا چکا تھا، اب اس نے ایک پیشکش منظور کر لی ہے۔ اسے ایک دفعہ گانے کے لئے ستائیس لاکھ روپیہ تنخواہ ملے گی۔ ریڈیو میں اتنی تنخواہ آج تک کسی کو نہیں دی گئی۔

ہندوستان کی جنگی کوششوں کے مورخ

مسٹر کومپٹن میکینزی جو ہندوستان کی جنگی کوششوں کی تاریخ لکھنے کے لئے بلائے گئے ہیں، ہندوستان پہونچ گئے۔

دو بیوقوفوں کی کہانی
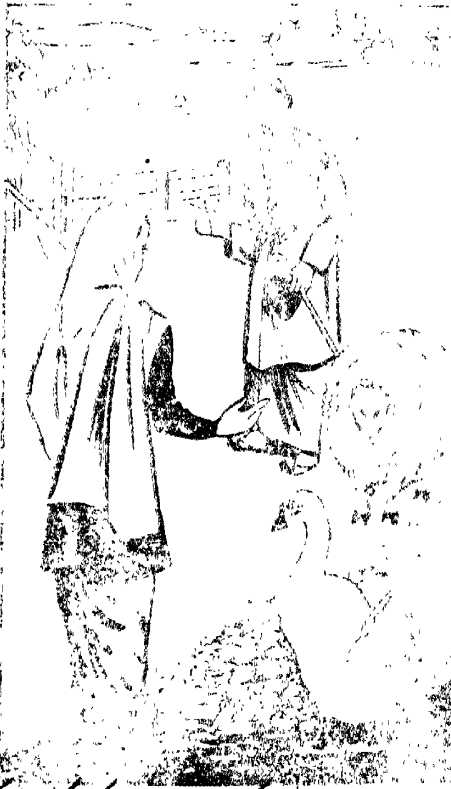
ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک بیوقوف تھا انکی بیوی بھی تھیں۔ لیکن وہ بیوقوفی میں ان سے بھی ایک قدم آگے تھیں اتفاق سے ان کے پاس ۵۵ روپے جمع ہو گئے۔

بیوی نے میاں سے کہا کہ تم بازار جاؤ اور ان روپوں سے ایک بھیڑ خرید لاؤ۔

چنانچہ بیوقوف صاحب چل کھڑے ہوئے۔ منڈی جاکر ایک موٹی سی بھیڑ خریدی۔ اور اسے ہنکاتے ہوئے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ رستے میں انھیں ایک عورت ملی جو ایک سفید بطخ لئے جا رہی تھی۔ بطخ کی قیں قیں بیوقوف صاحب کو بہت پسند آئی اور انھوں نے دل میں سوچا میں نے برا کیا جو بطخ نہ خریدی۔ اسکے پروں سے میری بیوی ایک نیا تکیہ بنا لیتی۔

پھر انھوں نے بڑھیا سے پوچھا: "بڑی بی کیا تم اپنی بطخ اس بھیڑ سے بدلوگی۔

بڑی خوشی سے۔ بڑھیا نے کہا۔ کیونکہ اس سودے میں نفع ہی نفع تھا۔ لہٰذا بڑھیا نے بطخ بھیڑ سے بدل لی۔ بیوقوف صاحب بطخ بغل میں دبا آگے روانہ ہو گئے۔ راستے میں انھیں ایک لڑکا کتے کا پلّا لئے نظر آیا۔ کتا خوشی سے اچھلتا کودتا لڑکے کے ساتھ ساتھ جا رہا تھا۔ بیوقوف نے سوچا میں نے کتا کیوں نہ خریدا یہ بڑا ہو کر میرے گھر اور بیوی کی رکھوالی کرتا۔ انھوں نے لڑکے سے پوچھا کیا تم یہ کتا میری بطخ سے بدلوگے۔

بڑے شوق سے۔ لڑکے نے کہا۔ بیوقوف صاحب نے بطخ لڑکے کے حوالے کی اور اسکا پلّا لیکر چلے ہی تھے کہ انھیں ایک ڈھول والا نظر آیا۔ بیوقوف اسے دیکھکر بہت خوش ہوئے۔ میں نے ڈھول کیوں نہ خریدا۔ اسے بجا کر میں کھیت سے کووں کو بھگا سکتا تھا۔

یہ سوچ کر انھوں نے ڈھول والے سے ڈھول مانگ لیا ڈھول بہت بھاری تھا اور ڈھول والا اسے لادے لادے تھک گیا تھا اس نے غنیمت جانا کہ یہ عذاب سر سے اترگیا۔ چنانچہ اس نے ڈھول بیوقوف کی نذر کیا اور کتا لے اپنے رستے ہو لیا۔

تھوڑی دیر تک تو بیوقوف ڈھول بجا بجا کر خوش ہوتے رہے لیکن کہاں تک ذرا دیر میں تھک گئے اتنی ہی دیر میں انھیں آئس کریم والا نظر آیا وہ سوچنے لگے کہ یہ شخص کیا بیچ رہا ہے۔

انھیں دیکھ کر آئس کریم والا بولا "ذرا چکھ کر دیکھو" اور ایک چمچہ بھر کر اس نے بیوقوف کو دیا۔"

(باقی صفحہ ۱۹ پر)
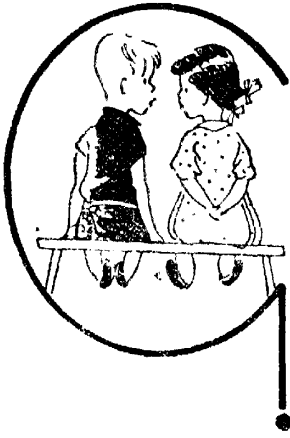
سانپ بھینس کو مار سکتے ہیں؟

جنوبی امریکہ میں ایک سانپ "بوا کانسٹرکٹر" ہوتا ہے۔ یہ اتنا طاقت ور ہوتا ہے کہ بھینس کے بچے کو دبا کر اسکی جان نکال لیتا ہے۔ اس سانپ کا رنگ بھورا ہوتا ہے اور اس پر کالے اور پیلے نشان ہوتے ہیں۔ عام طور پر اس کی لمبائی دس پندرہ فٹ ہوتی ہے لیکن پچاس فٹ لمبے سانپ بھی دیکھے گئے ہیں۔

کچھ مچھلیاں گھونسلے بناتی ہیں؟

عام طور پر جو مچھلیاں تم تالابوں میں پکڑتے ہو وہ "اسٹکل بیک" نسل کی ہوتی ہیں۔ یہ ننھی ننھی خوبصورت مچھلیاں گھونسلوں میں رہتی ہیں۔ نر مچھلی تالاب یا دریا میں کوئی مناسب جگہ تلاش کر لیتی ہے اور پھر محنت کرکے گھونسلا بناتی ہے جس میں انڈے دئے جاتے ہیں۔

"منطقہ حارہ کا دیو" کون ہے؟

جزائر جمائیکا کے شہر "اسپینش ٹاؤن" میں کپاس کا ایک درخت ہے جو "منطقہ حارہ کا دیو" کہلاتا ہے۔ اس کی عمر کسی کو نہیں معلوم لیکن تین سو برس پرانی کتابوں میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ اس کا تنا اور اس کی شاخیں اتنی مضبوط ہیں کہ یہ شدید سے شدید طوفان کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ اس کے سائے میں ایک ہزار آدمی بیٹھ سکتے ہیں۔

کچھ جڑیں انجن کے برابر طاقت ور ہیں؟

ایک دفعہ مغربی آسٹریلیا کے ایک ریگستان میں ایک کان کھودنے والے کو زمین سے اسی فٹ کی گہرائی میں جڑیں نظر آئیں۔ جس درخت کی یہ جڑیں تھیں وہ بیس فٹ اونچی مرجھائی ہوئی سی جھاڑی تھی۔ اس ریگستان میں عام طور پر سات سال میں ایک دفعہ سے زیادہ بارش نہیں ہوتی اسی لئے زمین کے اندر بڑی گہرائی تک مٹی خشک رہتی ہے چنانچہ نمی حاصل کرنے کی خاطر درخت کی جڑیں بہت نیچے گہرائی تک جاتی ہیں اور وہاں سے نمی سطح اوپر کھینچتی ہیں جس طرح پانی کا زبردست پمپ پانی کھینچتا ہے۔

ڈولفن میل ٹرین سے تیز سفر کرتا ہے؟

ڈولفن وہیل کی نسل کا ایک سمندری جانور ہے۔ وہیل کے مقابلہ میں یہ بہت چھوٹا ہوتا ہے۔ اسکی لمبائی آٹھ فٹ سے زیادہ نہیں ہوتی۔ اس کا گزارہ چھوٹی چھوٹی مچھلیوں پر ہے۔ یہ سمندری جانوروں میں سب سے تیز تیرتا ہے یعنی ساٹھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے۔

دنیا کا سب سے بڑا محرابی پل کہاں ہے؟

سڈنی بندرگاہ کا پل دنیا بھر میں سب سے بڑا پل ہے جو محراب کی شکل کا ہے۔ یہ بندرگاہ کے اوپر ۱۶۵۰ فٹ کی لمبائی میں پھیلا ہوا ہے۔ اسکی اونچائی ۴۴۰ فٹ ہے۔ اصل محراب کا وزن چالیس ہزار ٹن ہے۔ محراب میں ایک ۵۷ فٹ چوڑی سڑک ہے۔ چار راستے ریلوں کے لئے ہیں۔ دو دس دس فٹ چوڑی سڑکیں پیدل چلنے کے لئے ہیں۔ یہ سب ملا کر پل کی چوڑائی ۱۶۰ فٹ ہو جاتی ہے۔ پانی کی سطح سے پل کی اونچائی ۱۷۰ فٹ ہے اور بڑے...

ے لاور حسن چونک کر اٹھ بیٹھتے ہیں۔ باہر گیدڑ شور مچا رہا ہے۔
نیا کے اس حصے میں گیدڑ!

وہ باہر دیکھتے ہیں۔ آسیب زدہ چٹان کے آسیب سامنے نظر آتے
ہیں اور وجے اپنا پستول داغ دیتا ہے۔ خیالی تصویر غائب ہو جاتی ہے۔

وہ لمبی رات نیند کے بغیر جاگتے ہوئے گزار دیتے ہیں۔ آخر صبح ہوتی ہے۔ انہ
یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ خیمے کے باہر خیمہ ٹوٹا پڑا ہوا ہے۔ حسن کہتا
کہ اگر آسیب بہادر ہو سکتے ہیں تو ہم بھی ہو سکتے ہیں۔

سلا کی پہلی کرن پڑتے ہی برفانی چٹان کا شاندار حسن چمک اٹھتا ہے
طے کرتے ہیں کہ ابتدائی تحقیقات شروع کی جائے۔

وہ قلعی چٹان پر چلنا شروع کرتے ہیں۔ اچانک وجے چلاتا ہے
"دیکھو تو۔ سونا۔ سونا!"

وجے نے جملہ ختم بھی نہ کیا تھا کہ پتھر کے پیچھے سے دو آدمیوں
نے ان پر حملہ کر دیا۔

ضرور اُس نے
لائف بوائے کی
عادت سیکھی ہے!

(بقیہ صفحہ ۲)

کناڈا میں واقع ہے، ہوا تھا) تو ہر ایک ملک جو اسکا ممبر ہے اپنے چار نمائندے بھیجتا ہے دو تو اس ملک کی حکومت کے نامزد کئے ہوئے ہوتے ہیں، ایک کارخانوں کے مالکوں کی طرف سے اور ایک مزدوروں کی طرف سے ہوتا ہے۔ کسی قانون کے بننے سے پہلے سب کے سب نمائندے علیحدہ علیحدہ پوری طرح اس پر بحث کرتے ہیں اور اسکے بعد سارے نمائندوں کی دو تہائی اکثریت کے ووٹ سے اسکا فیصلہ ہوتا ہے کہ یہ تجویز اکثریت کے فیصلہ سے کنونشن بن گئی ہے۔ اب تم اچھی طرح سمجھ جاؤ گے کہ فیصلہ وہی ہے جس پر قریب قریب سب کے سب ممبر متفق ہوں۔ اسکے بعد ہر ایک حکومت اپنی پارلیمینٹ یا مجلس قانون ساز کے سامنے کنونشن کو رکھتی ہے اور پارلیمینٹ یا مجلس کو اختیار ہے کہ اسے منظور کرے یا نا منظور۔

اگر وہ اسے منظور کر دیں تو کہا جائیگا کہ "کنونشن کی تصدیق" ہوگئی ہے۔ جب ایک دفعہ وہ اسکی تصدیق کر دیں تو ان پر لازم آتا ہے کہ یہ دیکھیں کہ انکے ملک کے ہر کارخانہ اور مل میں اس پر عمل درآمد کیا جائے۔

اور جب اگلے سال بین الاقوامی مزدور سبھا کا سالانہ جلسہ ہو تو انہیں انھیں رپورٹ دینی پڑتی ہے کہ جس کنونشن کو انھوں نے منظور کر لیا تھا ملک میں اس پر پوری طرح عمل ہو رہا ہے یا نہیں لیکن اکثر موقعوں پر چند ملکوں کے لئے کسی کام کی خصوصی اجازت مل جاتی ہے مثال کے طور پر ہندوستان کو فی الحال "مخصوص حالات" کی وجہ سے بجائے ۴۸ گھنٹے کے ہفتہ میں ۶۰ گھنٹہ کام لینے کی اجازت ہے۔

ان ۶۷ کنونشنوں میں سے جو مزدوروں کے فائدے کیلئے بنی ہیں کچھ ملکوں نے سب کی تصدیق کر دی ہے کچھ نے کم کی، ہندوستان نے ۱۴ کی تصدیق کی ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ باقی ۵۳ کنونشنوں کے بارے میں ہندوستان نے بالکل کچھ نہیں کیا۔ کنونشن محض خیالات نہیں ہوتے بلکہ ان کی عمارت مزدوروں، مالکوں اور حکومتوں تینوں کے ذاتی تجربوں کی بنیاد پر کھڑی کی جاتی ہے۔ اسی لئے ان کو ایک معیار سمجھا جاتا ہے اور ہر ایک ملک اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ اس معیار پر اپنا کام پہونچا دے۔

اس کے علاوہ ہر سال جب سالانہ جلسہ ہوتا ہے تو اس میں مختلف مسئلوں پر بحث ہوتی ہے۔ دوسرے ملک بتاتے ہیں کہ انھوں نے سال بھر میں کیا کیا ہے، اور چونکہ کوئی بھی ملک دوسرے سے پیچھے رہنا پسند نہیں کرتا اس لئے ہر ایک اس بات کی پوری پوری کوشش کرتا ہے کہ تصدیق شدہ معیار کو حاصل کرے۔ اس طرح دنیا کے ہر ایک طبقہ کے مزدوروں کی خوشی، صحت اور ترقی کی طرف بین الاقوامی مزدور سبھا کے قیام کے طفیل زیادہ توجہ اور کامیابی ممکن ہے۔

(ای۔ کے متراؔ)

کل کی باتیں

بقیہ صفحہ ۹

جس زمانے میں کھیت میں کچھ کام نہیں ہوتا کسانوں کو کوئی چھوٹی موٹی دستکاری مثلاً بننا۔ جوتیاں بنانا۔ برتن بنانا۔ کھلونے بنانا۔ ٹوکریاں بننا۔ یا ہاتھی دانت اور پتھر کا کام شروع کر دینا چاہیئے۔

اگر ہم یہ چاہیں کہ ہم باہر سے چیزیں نہ خریدیں تو پھر بڑی دستکاریوں کی طرف بھی توجہ دینی ضروری ہے۔ ہمیں اپنی مشینیں، انجن اور دوسرا سامان خود تیار کرنا پڑیگا۔ ان دستکاریوں میں بہت سے آدمیوں کی کھپت ہو جائیگی جو کاشتکاری نہیں کرتے۔ اپنے ملک میں تیار کی ہوئی مشینیں وغیرہ نسبتاً سستی ہوں گی۔ ان دستکاریوں کو چلانے کے لئے ماہر کاریگروں کی ضرورت ہوگی۔ اور ان کی ٹریننگ کے لئے صنعتی تعلیم کے مرکز کھولے جائیں گے۔

اگر ہم واقعی مفلسی کا خاتمہ کرنا چاہیں تو عورت مرد اور بچوں سب کو روپیہ بچانا چاہیئے۔ ایک پیسہ بھی فضول خرچ مت کرو۔ کوئی چیز چاہے کتنی ہی سستی کیوں نہ ہو جب تک اسکی ضرورت نہ ہو مت خریدو۔ سب بچایا ہوا روپیہ بینک میں رکھنا چاہیئے۔

مفلسی کا خاتمہ کرنے کے لئے ہمیں اپنے پہلے دشمن جہالت کا بھی صفایا کرنا ہوگا۔ کیونکہ جہالت بھی مفلسی کا ایک بڑا سبب ہے لیکن یہ جنگ جیتنا آسان کام نہیں اسکے لئے ہمیں نہایت ہوشیاری سے کام کرنا پڑیگا۔

تمہاری خالہ:۔ مسرت

(بقیہ صفحہ ۵)

کنارے پر جائے۔ اس نے ناخدا سے کہا کہ مجھے کھول دو لیکن اس نے یولیسیس کو اور بھی کس کر باندھ دیا۔ جب وہ خطرہ سے باہر ہو گئے تو جہازیوں نے کانوں سے موم نکال لیا۔ اور یولیسیس کو کھول دیا۔ اسطرح وہ موسیقاروں سے بچ کر نکل آئے۔

لیکن جلد ہی انھیں ایک اور خطرے کا سامنا کرنا پڑ گیا۔ اس سے بھی سرسے نے انھیں آگاہ کر دیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ راستے میں دو چٹانیں آتی ہیں جو سمندر کے دونوں کناروں پر ہیں۔ لیکن اتنی قریب کہ ایک پر اگر کھڑے ہوکر تیر چھوڑا جائے تو دوسری تک پہنچ جائے گا۔ لوگوں کا خیال ہے کہ سرس کا اشارہ درہ مسینا کی طرف تھا۔ لیکن ہومر نے ٹھیک طرح سے نہیں بتایا کہ وہ چٹانیں کہاں ہیں۔

ایک طرف ایک بہت اونچی پھسلواں چٹان ہے جس پر کوئی نہیں چڑھ سکتا اس میں ایک بہت اندھیرا غار ہے۔ اور اس غار میں ایک سمندری بلا رہتی ہے جس کے چھ سر ہیں۔ بارہ پاؤں اور اسکی آواز ایسی ہے جیسے کوئی کتے کا پلہ رو رہا ہو۔ جب کوئی جہاز ادھر سے گذرتا ہے تو ہر منہ سے وہ بلا ایک ایک مسافر کو پکڑ لیتی ہے۔ دوسرے کنارے پر ایک اور چٹان تھی جسکے پاس ایک انجیر کا درخت تھا۔ جہاں ایک اور بلا رہتی تھی جو دن میں تین دفعہ پانی پیتی اور تین دفعہ ہی منہ سے نکال دیتی ہے جس سے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا کڑھاؤ میں پانی ابل رہا ہے۔ پہلے کا نام سکلا تھا اور دوسری کا نام کارٹبرس

سرسے نے یولیسیس کو یہ مشورہ دیا کہ کارٹبرس سے بچ کر نکلنا کیونکہ اسطرف کی سب چیزیں تباہ ہو جاتی ہیں۔ لیکن سکلا کی طرف چھ آدمیوں کی جان جائیگی۔ یولیسیس نہیں چاہتا تھا کہ اسکے چھ آدمی بھی مارے جائیں۔ لیکن سرسے نے کہا کہ اگرچہ تم بہت بہادر ہو لیکن سکلا کا مقابلہ کرنا آسان نہیں۔ دنیا میں کوئی طاقت اس سے ٹکر نہیں لے سکتی۔ اسکے کاٹے کا کوئی منتر نہیں۔ خلاصہ یہ بات سچ نکلی۔ جب یولیسس دونوں چٹانوں کے درمیان سے گزرا تو سکلا نے اسکے چھ بہترین آدمی چٹ کر لیئے۔

یہ یولیسیس کے دس سال کے سفر کا آخری کارنامہ تھا۔ اگلی کہانی میں یہ بتایا جائیگا کہ وہ آخر کار گھر کیسے پہنچا ؛

دو بیوقوفوں کی کہانی بقیہ صفحہ ۱۴

اخاہ۔ یہ تو بڑے مزے کی ہے۔ اس ڈھول کے بدلے مجھے اور تھوڑی سی دے دو۔

"بڑی خوشی سے" آئس کریم والے نے کہا اور ڈھول کے بدلے ایک پیکٹ آئس کریم کا اسنے بیوقوف صاحب کے حوالے کیا۔ تھوڑی دیر میں وہ گھر پہنچ گئے اور اپنی ساری کارگزاری کہ کس طرح سے انھوں نے آئس کریم حاصل کی۔ بیوی کو سنا ڈالی۔

"تم بھی نرے احمق ہی ہو" اس کی بیوی نے غصّے سے چلا کر کہا۔ کیا ٹھنڈی سی چیز اٹھا لائے۔ لاؤ میں اسے گرم کر دوں۔ یہ کہہ کر انھوں نے پتیلی میں آئس کریم رکھ کر اسے آگ پر رکھ دیا۔ دس منٹ کے بعد انھوں نے دیگچی کھول کر دیکھا تو ساری آئس کریم پگھل گئی تھی۔ بیوقوف صاحب بولے تم مجھ سے بھی زیادہ بیوقوف ہو۔ اور یہ واقعہ تھا ؛

عزیز بھانجو اور بھانجیو!

جن جن بچّوں نے مجھے عید کارڈ بھیجے ہیں ان سب کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔ مجھے اُمید ہے کہ سالنامہ تمہیں پسند آیا ہوگا۔ اور حضور صاحب سالگرہ کا تحفہ۔

اکثر ممبر پوچھتے ہیں کہ کیا وہ مجھ سے ملنے آسکتے ہیں۔ کیوں نہیں بڑے شوق سے۔ مجھے بھی ان سے ملکر بہت خوشی ہوگی۔ ہمارا ارادہ ہے کہ دہلی میں رہنے والے ممبروں کو بلاکر اپنا پریس دکھائیں۔ بچّوں کی لائبریری کھولنے کا انتظام بھی کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

ایک افسوسناک خبر یہ ہے کہ کلکتہ کے ایک ممبر شیخ محمد اسمٰعیل ذبیح ۲۴ راکتوبر کو اس جہان سے سدھار گئے۔ ہمیں مرحوم کے والدین سے دلی ہمدردی ہے۔

دہلی کی بنت ایم یونس کا شکریہ جن کی تصویروں کی کتاب مجھے ابھی ملی ہے۔

نئے ممبران کے نام یہ ہیں:۔

(۲۶۹) ظفر علی منصوری۔ مرادآباد۔ (۲۷۰) نفیس احمد۔ بریلی۔ (۲۷۱) شیام نرائن بدھ راجہ۔ جھنگ۔ (۲۷۲) مہندر سنگھ یگھیانہ۔ (۲۷۳) سودیش رچھونا۔ جہلم۔ (۲۷۴) بھیشم لال جٹانا۔ بھاولپور۔ (۲۷۵) محمد سرفراز۔ جہلم۔ (۲۷۶) میکس فیرد لوزی۔ ایسٹ افریقہ۔ (۲۷۷) حامد حسین۔ بریلی۔ (۲۷۸) برجبش سنگھ بھاٹیہ۔ بجنور۔ (۲۷۹) ضرار عقیل۔ جہلم۔ (۲۸۰) کنج بہاری لیلا دھرجی راٹھی۔ ردکارا۔ (۲۸۱) مقصود احمد۔ حیدرآباد دکن (۲۸۲) جمیل بانو قاسمی۔ کلکتہ۔ (۲۸۳) رکشا ساگر سود۔ عراق۔ (۲۸۴) سکھ ساگر سود۔ عراق۔ (۲۸۵) شیام کماری۔ ناگپور۔ (۲۸۶) ونود چندر شرما۔ ایٹہ۔ (۲۸۷) اطہر حسین۔ مرادآباد۔ (۲۸۸) انور بادشاہ۔ پینا مبوت۔

تمہاری خالہ

مسرّت

فارم ممبری برائے نونہال لیگ

خریداری نمبر ____________________

چندہ بھیجنے کی تاریخ ____________ چندہ ختم ہونے کی تاریخ ____________

نام ____________________

تاریخ مہینہ اور سال پیدائش ____________________

سرپرست کا نام ____________________

پورا پتہ ____________________

____

دستخط ____________________

تاریخ ____________________

بچوں کے قلم سے

گیت

جس وقت ہو کمرے میں ڈیرا
ہو مجھ کو خیالوں نے گھیرا
ہاتھوں میں قلم ہو جب میرا
اس وقت وطن کی یاد آئے

جب وقت پہ پڑھنے جاؤں میں
پڑھ لکھ کر جب گھر آؤں میں
جب بیٹھے بٹھائے گاؤں میں
اس وقت وطن کی یاد آئے

جب صبح کو چڑیاں گانے لگیں
جب کھیت کو دہقاں جانے لگیں
غنچے جب مسکانے لگیں
اس وقت وطن کی یاد آئے

جب شب کو اندھیرا چھا جائے
جب دور سے بجلی لہرائے
ملہار پپیہا جب گائے
اس وقت وطن کی یاد آئے

آکاش پہ چمکیں جب تارے
جب خوف سے کانپیں دکھیارے
جب دل کو لبھائیں نظارے
اس وقت وطن کی یاد آئے

جب مست ہوائیں آتی ہوں
گھنگھور گھٹائیں چھاتی ہوں
پرکیف صدائیں آتی ہوں
اس وقت وطن کی یاد آئے

ثریا جبیں - جہلم

پہیلیاں

(۱)

چار پاؤں کی جھنگا دڑ چھت سے لٹکی جائے
اپنے پیٹ میں کھانا رکھ کے ہم سب کو کھلائے

---

(۲)

سونے کی ڈبیا سونے کی موچھیں
شام کو گم ہوئی ہم کس کس سے پوچھیں

---

(۳)

شیشم کی ڈبیا زمرد کا ڈھکنا سمجھ کر بولو بیہودہ نہ بکنا

---

(۴)

دو کبوتر ہیں ساتھ ساتھ
رنگ ہیں اُن کے کالے کالے
چال ہے ان کی اٹکی مٹکی
رب ہی ان کو پالے

---

(۵)

جل میں رہیں اور جل میں بسیں گائیں راگ خراب
چلیں تو ٹانگیں مار مار کے دریا کے نواب

ظفر سلطانہ - جہلم

جواب الٹ کر دیکھئے۔

(۱) چھینکا (۲) سورج (۳) آنکھ (۴) آنکھ (۵) مینڈک

رومال کی گڑیا

A B C D E F

ایک صاف رومال لے کر اسے میز پر پھیلاؤ ایک طرف سے سختی سے لپیٹنا شروع کرو - یہاں تک کہ آدھا رومال لپٹ جائے۔ پھر دوسرے سرے سے اسی طرح لپیٹنا شروع کرو یہاں تک کہ دونوں بتیاں برابر برابر آجائیں دیکھو (تصویر A)

اب انھیں دوہرا کر لو - لیکن بالکل دوہرا نہیں - ایک طرف کا سرا ذرا سا کھلا رہے - جیسا کہ تصویر C میں دکھایا گیا ہے۔

پھر رومال کو ایک ہاتھ سے دبا کر دوسرے سے رومال کے دونوں کونے نیچے کی طرف کھینچ لو (تصویر D) پھر باقی کے دو کونے باہر کی طرف کھینچو دیکھو (تصویر E) اور رومال کے گرد لے جا کر گرہ دے دو - گڑیا تیار ہے -

---

لکھنے کا انعامی مقابلہ

آسیب زدہ چٹانوں کی کہانی پوری کر کے ہمیں ۱۵ر جنوری ۱۹۴۷ء تک بھیج دیجئے - پہلا اور دوسرا انعام حاصل کرنے والوں کو انعام میں کتابیں دی جائیں گی -

---

کیرالا : بقیہ صفحہ ۱۲

کومُلون کے نام سے یاد کیا ہے۔ کومُلون کی خلیجوں پر اب بھی ماہی گیروں کو تیر کمان کی مدد سے مچھلی کا شکار کرتے ہوئے دیکھا جا سکتا ہے۔

تری وندرم ٹراونکور کی راجدھانی ہے۔ یہ ایک خوبصورت شہر ہے۔ جس میں خوشنما محلات، آرٹ گیلریاں، عجائب گھر اور بہت سے دوسرے قابل دید نظارے ہیں۔ اس شہر میں پدمانابھا سوامی مندر بہت خوبصورت ہے جہاں اب بھی تہوار کے موقعوں پر مہاراجہ جاتا ہے۔ مہاراجہ ایک سنہری رتھ میں بیٹھتا ہے جسے چھ سفید گھوڑے کھینچتے ہیں۔

ہم کیرالا کے دلکش دیس کو اس سے بہتر انداز میں خیرباد نہیں کہہ سکتے کہ ہم کنیا کماری کا ذکر کریں۔ جہاں ہندستان کے وسیع ملک کی سرحد ختم ہوتی ہے جہاں تین سمندر بحیرۂ عرب، بحرِ ہند اور خلیج بنگال ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ سمندر کے کنارے پر ایک خوبصورت مندر ہے جسے کنیا کماری یعنی کنواری دیوی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ جہاں تک نظر کام کر سکتی ہے سوائے ساکن وسیع سمندر کے جو نکلتے سورج کے وقت نیلا دکھائی دیتا ہے اور غروبِ آفتاب کے وقت سبز نظر آتا ہے۔ اور اس خوبصورت سکون بخش منظر کے خاتمہ پر ہم بھی کیرالا کو خیرباد کہتے ہیں۔ کیرالہ جو اصل معنوں میں تاڑ اور خلیجوں کا دیس ہے۔

پچھلے مہینے کے معمے

جادو کی جمع

کا حل

318
707
215
1240

ایک کاغذ پر تمام عدد لکھکر اسے اس طرح موڑو جیسا کہ تصویر میں دکھایا گیا ہے۔

پچھلے مہینے کے معمے

سات سکوں

کا حل
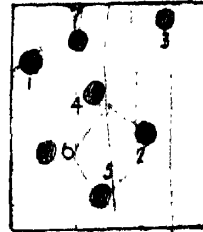
الٹے ہاتھ کے کونے سے ذرا ہٹ کر اوپر کی لائن سے شروع کیجئے لائن نمبر ۱ اور ۷ کے درمیان سے گزرتی ہوئی ۴ کے بائیں طرف اور ۵ کے دائیں طرف ختم ہو۔

دوسری لائن مربع کے نچلے سرے سے شروع ہوکر ۶ اور پانچ کے درمیان سے گزرتی ہوئی۔ ۴ کے دائیں طرف اور ۳ کے بائیں طرف جائیگی۔

تیسری لائن نچلے حصے سے شروع ہوکر ۱، ۷ اور ۳ کے نیچے سے گذرتی ہوئی ۴ کے اوپر جاتی ہے۔

تعداد بتائیے

اس تصویر میں کئی مربعے ہیں ان کی تعداد بتلائیے۔

ایک مربع کم

یہ شکل ۱۱ دیا سلائیوں سے بنائی گئی ہے۔ تین دیا سلائیاں اس طرح ہٹائیے کہ صرف ۲ مربع رہ جائیں۔

جنوری سنہ ۱۹۴۷ء
جلد ۴ —— نمبر ۳

چندہ سالانہ تین روپے
قیمت فی پرچہ چار آنے

یونیسکو

یہ دراصل یو۔این۔او کی ایک شاخ ہے۔ جسکا کام ہے دُنیا میں صلح اور امن قائم رکھنا۔

اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے یو این او نے کئی طریقے اختیار کئے ہیں۔ جنکا ذکر تم نونہال میں پہلے پڑھ چکے ہو۔ یونیسکو کا کام لوگوں کے ذہن میں صحیح سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت پیدا کرنا ہے کیونکہ یہ مانی ہوئی بات ہے کہ لڑائیاں انسان کے ذہن ہی سے شروع ہوتی ہیں۔ ایک قوم دوسری قوم سے بدظن ہوکر اپنے دل میں اسکے متعلق شبہ کرنے لگتی ہے اور رفتہ رفتہ یہ شبہ نفرت کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اور وہ سمجھنے لگتی ہیں کہ دوسری قوم سے نفرت کر کے اور اسے برا بھلا کہہ کر ہی اپنی بڑائی جتائی جاسکتی ہے۔ دوسروں کو اپنے پیر تلے کچل کر یا اپنے فائدے کی خاطر انھیں نقصان پہنچا کر ہی وہ نام پیدا کرسکتی ہیں۔ لیکن قوم بنتی ہے آدمیوں سے۔ اسلئے اگر واقعی ہم امن قائم رکھنا چاہیں تو ہمیں لوگوں کے دلوں میں جو ایک دوسرے کی طرف سے نفرت ہے اسکو ختم کرنا پڑیگا۔ اور اسکے بدلے اُن کے دلوں میں یہ بات بٹھانی پڑیگی کہ ہر قوم کے لوگ چاہے وہ ظاہری طور طریقوں اور عادتوں میں ہم سے کتنے ہی مختلف کیوں نہ ہوں دراصل ہمارے ہی جیسے انسان ہیں۔ اور ان میں بھی ہماری جیسی کئی انسانی خوبیاں ہوسکتی ہیں۔ جتنا زیادہ ہمیں اس بات کا احساس ہوگا اتنا ہی ہم لڑائی سے دور بھاگیں گے۔

یونیسکو نے ہمیں یہی سبق سکھانیکا بیڑا اٹھایا ہے۔ اسکی بنیاد اتحادی قوموں کے تعلیمی وزیروں کی کانفرنس میں پڑی تھی جو جنگ کے زمانے میں لندن میں بھی جاری رہی۔ اس زمانے میں جب لندن پر بمباری ہو رہی تھی۔ ان لوگوں نے تعلیم کے ذریعے امن قائم کرنیکی بہت سی اسکیمیں تیار کیں۔ اور یہ فیصلہ کیا کہ یو این او کی ایک شاخ اس کام کے لئے کھولی جائے۔ یونیسکو کی پہلی کانفرنس فرانس میں پیرس کے مقام پر ہورہی ہے۔ اسمیں ۵ ممبروں کا ہندوستانی وفد بھی شامل ہے۔ ممبروں کے نام ہیں سر ایس رادھا کرشنن۔ خواجہ غلام السیدین۔ راج کماری امرت کور۔ سر جان سارجنٹ اور پرفیسر بھابا۔

یونیسکو کی کانفرنس مختلف ملکوں میں اتحاد کا رشتہ قائم کرنے کے لئے ایسی اسکیمیں تیار کریگی جو قوموں کو ایک دوسرے کو سمجھنے میں مدد دیں۔ یونیسکو استادوں، سائنسدانوں اور طالبعلموں کے لئے دوسرے ملکوں میں جاکر تعلیم حاصل کرنیکی سہولتیں بہم پہنچائیگی۔ مختلف ملکوں کی نقاشی، بت تراشی، موسیقی اور فلموں اور کتابوں کا تبادلہ کرنیکا کام کریگی۔ اس طرح سے اب قوموں کے درمیان جو دیواریں حائل ہیں وہ ٹوٹ جائیں گی اور خوشگوار تعلقات کی بنیاد پڑ سکیگی۔ یونیسکو دنیا کے تمام لوگوں کو پڑھنا لکھنا سکھانیکا کام بھی کریگی۔ اور یہ دیکھے گی کہ جلد از جلد کسطرح دنیا کے سب لوگ پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔ کیونکہ تم جانتے ہی ہو کہ نہ صرف ہندوستان بلکہ اور بہت سے ملکوں میں بھی جاہل ہیں اور جہالت ترقی کی سب سے بڑی دشمن ہے۔

ایک تجویز اور بھی یونیسکو کے سامنے ہے وہ یہ کہ تمام دنیا کی درسی کتابوں کا جائزہ لیا جائے تاکہ ایسی باتیں جو آپس کی نفرت کا باعث ہوسکتی ہیں نکالدی جائیں۔

یونیسکو ایک بین الاقوامی یونیورسٹی اور دنیا کے نوجوانوں کا ایک

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

یولیسس کی داستان

(تیسرا حصّہ)

اس دوران میں یولیسس کی خوب صورت اور وفادار بیوی پینیلوپ پر اس کے جزیرے اتھیکا میں کیا گزر رہی تھی؟ جب بہت دن تک یولیسس واپس لوٹ کر نہ آیا تو آس پاس کے جزیروں کے کئی شہزادوں اور خود اتھیکا کے امیروں نے پینیلوپ کو بہت پریشان کرنا شروع کیا۔ وہ لگاتار اس کو دق کرتے رہے کہ وہ ان میں سے کسی کے ساتھ شادی کرلے۔ وہ کہتے تھے کہ "یولیسس اب کبھی واپس نہ آئیگا۔ اتنے سالوں تک تم نے اتنی محنت سے اس کی ریاست کی دیکھ بھال کی اور اپنے لڑکے تیلی ماچوس کی پرورش کی۔ لیکن اب لڑکا اتنا بڑا ہوگیا ہے کہ خود انتظام کرسکے۔ اس لئے ہم میں سے ایک کو چن لو اور آکر نیا گھر بساؤ۔"

لیکن پینیلوپ نے ہمیشہ شادی سے انکار کیا جب شہزادے پینیلوپ کے سیدھے انکار سے نہ مانے تو اس نے کہا: "اچھا میں یولیسس کے بوڑھے باپ لائرٹیس کے لئے کفن بُن رہی ہوں۔ جب یہ کفن تیار ہوجائیگا تو میں تم میں سے کسی ایک کے ساتھ شادی کروں گی۔" یونان کی تمام عورتوں کی طرح وہ بھی کپڑے خوب بُن لیتی تھی۔ چنانچہ اس نے بہت لمبے تانے بانے کا کپڑا بننا شروع کیا تاکہ وہ بہت دیر میں ختم ہو۔ اس کے علاوہ وہ یہ کرتی تھی کہ صرف دن کے وقت کام کرتی تھی کیونکہ اس وقت لوگ اسے دیکھتے رہتے تھے لیکن رات کے وقت وہ چپکے سے دن بھر کی بُنائی کھول ڈالتی تھی۔ آخر اسکی ایک لونڈی نے بھید کھول دیا۔ اب اس کے پاس یہ بہانہ بھی نہ رہا۔ پینیلوپ بہت پریشان ہوئی۔ شہزادوں نے اسے بے انتہا تنگ کرنا شروع کیا۔ عام طور پر جب کسی ملکہ کے پاس کوئی شخص شادی کا پیغام دینے آتا تھا تو قیمتی تحفے ساتھ لاتا تھا۔

لیکن یہ شہزادے بڑے مغرور اور گستاخ تھے۔ یہ پینیلوپ
کے محل میں آکر خوب کھاتے پیتے اور مزے کرتے تھے اور یولیسس
کی دولت برباد کرتے تھے۔

جب یولیسس نے اتھیکا کے ساحل پر قدم رکھا تو اس
نے ایک وفادار بوڑھے گڈریے کو تلاش کیا۔ گڈریے نے
اس کی آؤ بھگت کی لیکن چونکہ وہ پھٹے پرانے کپڑے پہنے
ہوئے تھا اس لئے اسے پہچان نہیں سکا اور اپنے مالک کو
کوئی بوڑھا فقیر سمجھا۔ اس نے اسے محل تک پہونچادیا۔ وہاں
ایک عجیب بات ہوئی۔ محل کے آنگن میں بوڑھا کتا آرگس لیٹا
ہوا تھا جو یولیسس کے جاتے وقت ننھا سا پلّا تھا۔ وہ فوراً اٹھ
کھڑا ہوا، خوشی سے دُم ہلائی اور کان کھڑے کئے۔ اس نے
اپنے پرانے مالک تک پہونچنے کی کوشش کی۔ یولیسس کی
آنکھ میں آنسو آگئے لیکن وہ اس وقت اپنے آپ کو ظاہر نہ کرسکا۔
اور محل میں چلا گیا۔ کتّے کو اتنی خوشی ہوئی کہ وہ وہیں مرگیا۔

یولیسس نے فقیر کے بھیس میں ان شہزادوں سے کھانا
مانگا جو خود اس کے محل میں حکم چلا رہے تھے۔ ان میں سے ایک
نے بوڑھے آدمی کو مارا۔ ایک اجنبی کے ساتھ یہ برتاؤ بہت شرمناک
تھا۔ جب پینیلوپ کو معلوم ہوا تو وہ بہت ناراض ہوئی۔ یہ برتاؤ
میزبانی کے اصولوں کے خلاف تھا۔ اس نے طے کرلیا کہ وہ
اپنے چاہنے والوں کی تمام بدمعاشیوں کا خاتمہ
کردے گی۔

چنانچہ خوب بناؤ سنگار کرکے اس نے اپنی دو
لونڈیوں کو بلایا اور ان کے ساتھ بڑے ہال میں گئی
جہاں سب شہزادے جشن کر رہے تھے۔ وہ سب
خوبصورت پینیلوپ کے دمکتے ہوئے مکھڑے
کو دیکھ کر مبہوت ہوگئے اور ہر ایک کو یہ امید
ہوئی کہ وہ اسی کو چن لے گی۔ لیکن اس کے بجائے
اس نے اور اسکے لڑکے نے ان سب کو مہمان کے
ساتھ بُرا برتاؤ کرنے پر بہت برا بھلا کہا۔ اس نے
یہ بھی کہا: "جب شہزادے کسی عورت کو شادی
کا پیغام دیتے ہیں تو وہ خود اس کے لئے قیمتی تحفے
لاتے ہیں اور ہر شخص دوسرے سے مقابلہ کرنے
کی کوشش کرتا ہے تاکہ یہ معلوم ہو کہ کس کے تحفے سب
سے شاندار ہیں۔ لیکن آپ لوگ کوئی تحفہ نہیں لائے
اور میرے شوہر کی دولت چٹ کر رہے ہیں۔"

یولیسس نے یہ سب سنا اور پینیلوپ کی
عقلمندی پر بہت خوش ہوا کیونکہ تمام شہزادوں
نے اپنے اپنے گھروں سے تحفے منگا بھیجے۔ زردوزی
کے لباس، سونے کے زیورات، سنہری زنجیریں
پروئے ہوئے عنبر کے دانے، جڑاؤ آویزے
اور نیکلس وغیرہ۔ انھوں نے یہ سب منگا کر
پینیلوپ کو دے دئے۔

پینیلوپ نے بوڑھے اجنبی کو بلایا اور اسے
بڑی خوشی ہوئی جب اس نے بتایا کہ اس نے
سفر میں یولیسس کو دیکھا تھا۔ اس نے کہا کہ وہ
اچھی طرح تھا اور بہت جلد گھر آنے والا تھا۔
لیکن جو حرکتیں اس کے محل میں ہو رہی تھیں
انھوں نے پینیلوپ کو اس قدر افسردہ کردیا
تھا کہ اسے اس اچھی خبر پر یقین نہ آیا۔ اس
نے اپنی لونڈی کو حکم دیا کہ مہمان کے ہاتھ پاؤں
دھلائے اور اسے آرام پہونچائے۔ وہ لونڈی
یولیسس کی آیا تھی اور بچپن میں اسے کھلا چکی
تھی۔ اس نے اسے پہچان لیا لیکن یولیسس
نے اسے منع کردیا کہ کچھ کہے نہیں۔ اب پینیلوپ

نے کہا کہ وہ ان شہزادوں میں سے کسی ایک سے شادی کا وعدہ کرے گی۔ اس نے انھیں ایک کام بتایا۔ اس نے کہا کہ وہ اس کے ساتھ شادی کرے گی جو یولیسس کی زبردست کمان کو موڑ سکے گا۔ بارہ جنگی تیشے برابر برابر کھڑے کر دئے جائیں گے اور تیر انداز کو اس طرح تیر چلانا ہوگا کہ وہ ایک ہی دفعہ میں بارہ تیشوں کے ہتھوں میں ہوکر گزر جائے۔ وہ جانتی تھی کہ یولیسس کی زبردست کمان خود اس سورما کے علاوہ کوئی اور نہیں جھکا سکتا۔

اور یہ بات ثابت ہوگئی۔ تمام چاہنے والوں نے کوشش کی لیکن کوئی بھی کمان کو جھکا نہ سکا آخر پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے اجنبی نے کوشش کرنے کی اجازت مانگی۔ اتنی دیر میں پینیلوپ اپنی لونڈیوں کے ساتھ اوپر کے روشن کمرے میں جاچکی تھی۔ اجنبی نے آسانی سے کمان جھکاکر ایک تیر چلایا جس کے سر پہ کانسی دھات لگی ہوئی تھی تیر سن سے بارہ تیشوں کے ہتھوں کے بیچ سے گذر گیا۔ اس بات سے تمام چاہنے والوں کے چھکّے چھوٹ گئے۔ لیکن اس وقت پینیلوپ وہاں نہیں تھی۔

اس کے بعد یولیسس اور اسکے بیٹے نے اپنے وفادار ساتھیوں کی مدد سے شہزادوں سے لڑائی کی اور تمام غداروں کا خاتمہ کیا پھر محل کے کمروں کو صاف کرا کے انھوں نے عورتوں کو بلوالیا۔ نوکرانی نے بہادر اور عقلمند

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

سورج

آنکھوں کے ذریعے ہم مختلف اجرامِ فلکی کا پتہ لگا سکتے ہیں جو ہماری دنیا سے بہت دور ہیں۔ لیکن دوربینوں کی ایجاد سے پہلے لوگوں کا خیال تھا کہ دنیا ایک جگہ قائم ہے اور تمام سیارے اسکے گرد گھومتے ہیں لبعد میں لوگوں کو خیال پیدا ہوا کہ زمین اور دوسرے سیارے سورج کے گرد گھومتے ہیں۔ کافی عرصے تک اس موضوع پر جھگڑا رہا لیکن نہ تو اسے غلط ثابت کیا گیا نہ صحیح۔ ۱۶۰۸ء میں پہلی دوربین ایجاد ہوئی۔ اسے بلجیم کے ایک عینک ساز نے تیار کیا۔ اسکے بعد گیلی لیو نے ایک دوربین تیار کی جو پہلی دوربین سے بدرجہا بہتر تھی۔ اسکی مدد سے گیلی لیو نے آسمان پر سنہری خاک کی طرح سینکڑوں ستارے بکھرے دیکھے۔ اور چاند کی اصلی حالت معلوم ہوگئی۔ چاند میں اسے کئی پہاڑ نظر آئے جنکا سایہ پڑتا تھا۔ اس بات سے یہ اندازہ لگایا گیا کہ چاند ہماری دنیا جیسا ہی ہے۔ جیوپیٹر کے گرد چار چاند اسی طرح سے منڈلاتے نظر آئے جیسے شمع کے گرد پروانے منڈلاتے ہیں۔ سولہویں صدی میں کوپرنیکس نے نظامِ شمسی کے متعلق یہی خیال ظاہر کیا تھا۔ آج تک اسکا نظریہ ٹھیک مانا جاتا ہے۔ جیوپیٹر کو دیکھنے سے معلوم ہوگیا کہ سارے عالم کا نظام اسی خاکے پر چل رہا ہے گیلی لیو نے وینس کا بھی مشاہدہ کیا۔ اس کی چمکدار سطح بھی چاند کی طرح شکل بدلتی ہے۔ ہلال سے نصف دائرے کی صورت اور پھر پورے چاند کی طرح۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ وینس میں ذاتی چمک نہیں بلکہ سورج کی روشنی منعکس ہوتی ہے اور کوپرنیکس کی یہ بات سچ ثابت ہوگئی کہ سیارے سورج کے گرد گھومتے ہیں۔ اور بطلیموس کا نظریہ کہ دنیا قائم ہے اور دوسرے سیارے اسکے گرد گھومتے ہیں غلط ثابت ہوا۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ سورج کا دنیا سے کیا تعلق ہے اگر رات کو چاند نہ نکلا ہوا اور آسمان صاف ہو تو کہکشاں ہلکی روشنی کی ایک محراب کی طرح آسمان کے ایک سرے سے دوسرے تک پھیلی ہوئی نظر آئیگی یہ اس روشن دائرے کا صرف ایک حصہ ہے جو پٹی کی طرح دنیا کے گرد چھایا ہوا ہے۔ اور جو آسمان کو برابر کے دو حصوں میں بانٹتا ہے۔ اسے اگر آسمانی خط استوا کہا جائے تو بہتر ہوگا۔ لیکن دوربین سے دیکھو تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مدھم ستاروں کا جھنڈ ہے۔ بعد کی تحقیقات سے پتہ چلا کہ ستاروں کے اس جھرمٹ کا ہر ہر ستارہ ہمارے سورج کی طرح ہے اور اسکے گرد کئی کئی سیارے ہیں۔ ابھی تک کوئی دوربین ایسی طاقتور نہ بن سکی جو سورج کے سیاروں کے علاوہ اور سیاروں کا حال بتا سکے۔

کہکشاں کی شکل پہئے جیسی ہے۔ بیچ کے حصّے میں ستاروں کی تعداد زیادہ ہے اور باہر کے رخ کم ہوتی جاتی ہے۔ جو سیارے قریب ہیں وہ زیادہ چمکدار نظر آتے ہیں۔ جو دور ہیں وہ کم۔ اس طرح ان کی چمک سے انکے فاصلے کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ یہ ستارے ہم سے بہت دور ہیں لاکھوں کروڑوں میل دور۔

اب سورج کو لو یہ نظامِ کہکشاں کے بالکل بیچوں بیچ ہے اور دوسرے ستاروں کی نسبت دنیا سے زیادہ قریب ہے اسلئے بہت چمکدار نظر آتا ہے۔ سورج کے گرد کئی سیارے عطارد، زہرہ، زمین، مریخ، مشتری زحل، نیپچون اور پلوٹو ہیں۔ مریخ اور مشتری کے درمیان سینکڑوں ننھے ننھے سیارے ہیں جو اسٹرائڈ کہلاتے ہیں۔ یہ تمام سیارے ۲۰۰۰ لاکھ سال پہلے سورج سے علیحدہ ہوئے تھے۔ سیاروں کے گرد بھی اور سیارے ہوتے ہیں مثلاً دنیا کے گرد چاند۔

سورج دنیا سے ۹۳،۰۰۰،۰۰۰ میل دور ہے اور اسکا قطر ۸۶۶،۰۰۰ میل ہے جو دنیا سے تقریباً سو گنا زیادہ ہے۔ حساب لگانے سے معلوم ہوتا ہے کہ سورج دنیا سے ۱۰ لاکھ گنا بڑا ہے۔ اسکی سطح سے ہر وقت روشنی اور حرارت نکلتی رہتی ہے۔ اسکا درجہ حرارت ۶۰۰۰ سینٹی گریڈ ہے۔ سورج گیس کا ایک بہت بڑا گولا ہے اور ہر منٹ اس میں سے ۵۰ لاکھ ٹن وزن کم ہوتا رہتا ہے۔ سورج کی عمر ۵ بلین سال ہے۔

سورج کی روشن سطح پر اکثر سیاہ داغ نظر آتے ہیں۔ یہ داغ سورج میں کسی اندرونی تبدیلی کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان

(باقی صفحہ ۱۴۸ پر)

لنکا کے اندھیرے جنگل

آغا محمد اشرف

جب میں نے دکاندار کو بتایا کہ میں لنکا جا رہا ہوں تو اسنے نہایت تعجب سے میری طرف دیکھا۔ جیسے میں چاند تک پہنچنے کا ارادہ کر رہا تھا۔ پھر اس نے کچھ سوچ کر کہا۔ صاحب۔ سنا ہے کہ لنکا دیس پہ ہر وقت اندھیرا چھایا رہتا ہے۔ کیونکہ راون پہ فتح پانے کے بعد رام چندر جی نے لنکا پر لعنت بھیجی تھی۔ اور اسی لعنت کا اثر آج تک موجود ہے۔

دکاندار کی یہ بات سنکر میں مسکرایا اور اپنا سودا لیکر گھر آگیا۔

کئی دن کے سفر کے بعد ایک صبح جو آنکھ کھلی تو کیا دیکھتا ہوں کہ چاروں طرف گھنے درخت ہیں اور گنجان جنگل ہا ایسے گنجان کہ چند فٹ کے آگے کچھ نظر ہی نہیں آتا تھا۔ اب میں سمجھا کہ میری گاڑی لنکا کے جنگلوں میں سے گذر رہی ہے۔ اور دہلی کے اس دکاندار نے سچ کہا تھا کہ صاحب لنکا دیس پہ تو اندھیرا چھایا رہتا ہے۔

لنکا کا سب سے مشہور شہر کولمبو ہے۔ اور ہندوستان کے دوسرے شہروں کی طرح کولمبو میں بھی بہت بڑے بڑے بازار ہیں۔ ان بازاروں میں شاندار دکانیں ہیں مگر میں تو آپ کو شہروں کا نہیں بلکہ جنگلوں کا حال سنانا چاہتا ہوں۔

لنکا کے جزیرے کی سب سے بڑی پیداوار چائے اور ربڑ ہے۔ لنکا کی چائے تمام دنیا میں مشہور ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ لنکا میں جتنے خوبصورت چائے کے کھیت اور باغ میں نے دیکھے اس کا مقابلہ کوئی اور جگہ نہیں کر سکتی۔ پہاڑ کی وادیوں میں، پہاڑ کی ڈھلانوں پر اور پہاڑ کی چوٹی پر چائے کے پودے دُور دُور تک نظر آتے ہیں۔ صبح شام ہزاروں عورتیں، مرد اور بچے ان پودوں سے چائے کی پتیاں توڑتے ہیں۔ وہیں چائے کا ایک کارخانہ بھی ہے جہاں چائے کی پتیوں کو سکھایا جاتا ہے۔ اور سکھانے کے بعد ڈبوں میں بند کر کے بکسوں میں بھر کر لنکا کی چائے تمام دنیا میں بھیجی جاتی ہے۔ چائے کے کھیتوں میں کام کرنیوالے مزدور عام طور سے جنوبی ہند کے باشندے ہیں۔

چائے کے بعد لنکا کی دوسری پیداوار ربڑ ہے۔ لنکا کے ربڑ کی تمام دنیا میں مانگ ہے۔ ربڑ ایک خاص قسم کے درخت میں سے دودھ کی طرح نکلتا ہے۔ درخت کے تنے پر تیز دھار کے چھُرے سے شام کو نشان لگا دیتے ہیں۔ اور ان نشانوں میں بانس کی چھوٹی چھوٹی نالیاں لگا کر دوسرے روز صبح دودھ مٹی کے برتنوں میں جمع کر لیتے ہیں۔ پھر اس دودھ کو بڑے بڑے تھالوں میں جما کر ربڑ بناتے ہیں۔ ربڑ بنانیکے کام پر بھی ہزاروں ہندستانی لگے ہوئے ہیں۔

ربڑ کے بعد لنکا میں ناریل کا نمبر ہے۔ خدا جانے اگر لنکا میں ناریل کا درخت نہ ہوتا تو لوگوں کی گذر کیسے ہوتی۔ ناریل کا پھل لیجئے۔ کچے پھل کو توڑ کر اسکے اندر کا پانی لوگ پیتے ہیں۔ اور ناریل کا گودا کھاتے ہیں۔ ڈال کر پکاتے ہیں۔ کھوپرا لنکا سے ہزاروں من باہر بھیجا جاتا ہے۔ کھوپرے کا تیل بھی کھانے پکانے میں کام آتا ہے۔ ناریل کے اوپر جو لمبے لمبے بال ہوتے ہیں ان سے تکئے اور توشکیں بنتی ہیں۔ رسّے بٹے جاتے ہیں۔ ناریل کے پتوں سے جھونپڑیوں کی چھتیں پاٹی جاتی ہیں۔ اور ناریل کی چھال کے پنکھے اور چٹائیاں بناتے ہیں۔ لنکا میں ہر طرف ناریل ہی ناریل نظر آتا ہے۔ اور ناریل کے جنگل ایسے پھیلے ہوئے ہیں کہ ختم ہونیکا نام ہی نہیں لیتے۔

لنکا کے انہی جنگلوں میں ہاتھی بھی ملتے ہیں۔ لنکا کے جنگلی ہاتھی بہت مشہور ہیں۔ اور ان سے مجھے بہت ڈر لگتا تھا۔ کیونکہ اگر یہ ایک دفعہ انسان کو دیکھ لیں تو پھر پیچھا نہیں چھوڑتے۔ ہر سال لنکا میں جنگلی ہاتھیوں کو پکڑا جاتا ہے۔ اور اسکا بہت دلچسپ قصّہ ہے پہلے جنگل میں ایک بڑے علاقے کے گرد بہت مضبوط درختوں کا احاطہ کھینچ دیتے ہیں۔ ایسا مضبوط کہ ہاتھی انھیں توڑ نہیں سکتا۔ اس احاطے کا صرف ایک پھاٹک ہوتا ہے۔ اب بہت سے سدھے ہوئے ہاتھی جنگل میں جا کر چھوڑ دیتے ہیں۔ اور بہلا پھسلا کر جنگلی ہاتھیوں کو اپنے ساتھ اس احاطے کے پھاٹک میں لے آتے ہیں۔ جب ایک دفعہ جنگلی ہاتھی قید ہو جاتے ہیں تو کئی دن تک انھیں اس احاطے میں بھوکا بند رکھا جاتا ہے۔ پھر ہوشیار مہاوت ایک ایک کر کے انھیں رسّوں میں باندھ باندھ کر احاطے سے باہر نکالتے ہیں۔ یہ تماشہ دیکھنے کے لئے ہر سال سینکڑوں لوگ جنگل میں جاتے ہیں اور خیموں ڈیروں کی وجہ سے اس علاقہ میں ایک میلہ سا لگ جاتا ہے۔

لنکا کے جنگلوں میں ہاتھیوں کے علاوہ شیر، ریچھ، چیتے، سؤر اور

(باقی صفحہ ۲۰ پر)

کدو میاں

(۳)

کدو میاں ایک بہت دلچسپ ننھے گدھے ہیں ۔ ان کے مٹیلی رنگ کے بال ہیں ۔ بڑی آنکھیں ہیں اور لمبے لمبے حسین کان ہیں ۔ ان کی آواز بھی بہت گرج دار ہے ۔ کدو میاں بہت رحم دل ہیں ۔ لیکن ان میں ایک کمزوری ہے ۔ وہ سوچتے بعد میں ہیں اور کام پہلے کرتے ہیں ۔ اور تمہیں معلوم ہی ہے یہ طریقہ الٹا ہے ۔
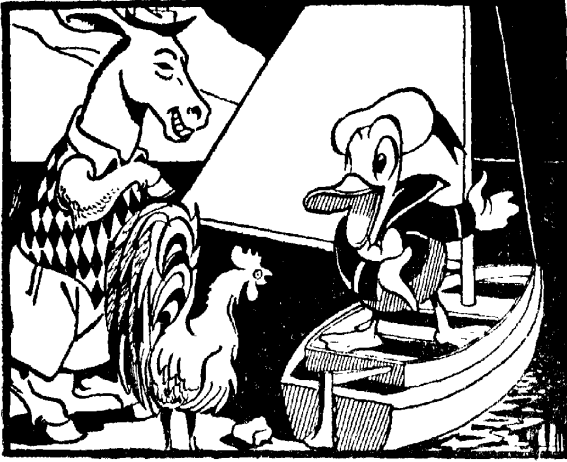
کدومیاں کشتی پر سیر کو جاتے ہیں

کدومیاں اور ان کے دوست شانٹے کلبر مرغ چھٹی منانے نینی تال گئے پہلے دن وہ جھیل کے کنارے گھومتے رہے اور جب انھوں نے دیکھا کہ چھوٹی چھوٹی خوبصورت سفید کشتیاں ادھر ادھر چل رہی ہیں تو انہیں بڑی خوشی ہوئی ۔ وہ فوراً بھاگ کر پانی کے قریب پہونچے ۔ وہاں ڈانلڈ بط ایک کشتی میں بیٹھی ہوئی تھی انھوں نے اس سے سیر کرانے کو کہا ۔
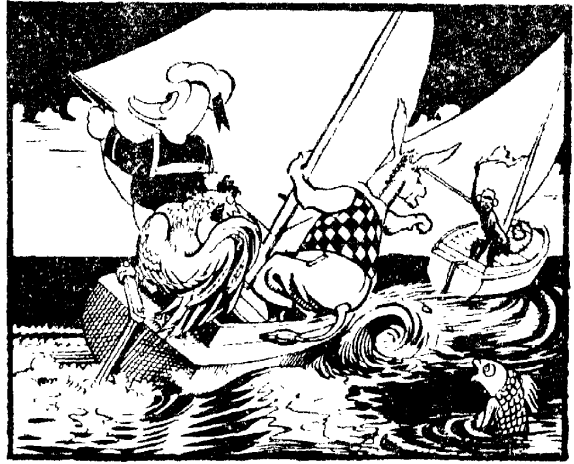
کدومیاں نے دیکھا کہ کالو بندر دوسری کشتی میں ہے ۔ اس نے فوراً ڈانلڈ سے کہا کہ اس کے ساتھ کشتی دوڑاؤ ۔ دوڑ میں بڑا مزا آیا ۔ جب ڈانلڈ کالو سے آگے نکل جاتی تو کدومیاں خوب چلاتے اور شور مچاتے تھے ۔
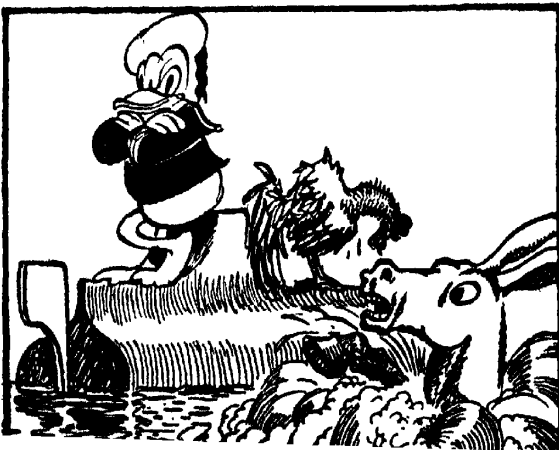
کدومیاں دوڑ میں اتنے منہمک تھے کہ جب ڈانلڈ بط نے بادبان گھما کر کشتی موڑنا شروع کی تو انہیں خیال بھی نہ رہا کہ جھک کر اپنا سر بچائیے ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بادبان کی لکڑی ان کے سر سے اس زور سے ٹکرائی کہ وہ چکرا کر دریا میں گرے اور کشتی الٹ گئی ۔ شانٹے کلبر اور ڈانلڈ بط تو اچک کر کشتی کے پیندے پر بیٹھ گئے لیکن کدومیاں کو سارا راستہ تیر کر طے کرنا پڑا ۔

کل کی باتیں

گندگی

عزیز بھانجو اور بھانجیو!
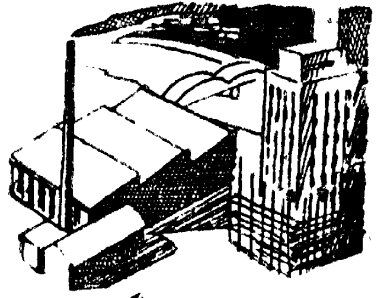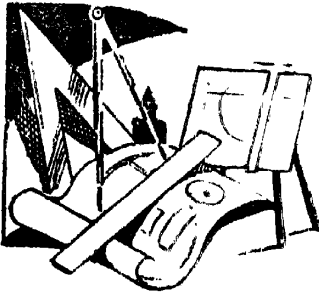
تیسرا دشمن جس کا ہمیں ہندوستان میں مقابلہ کرنا ہے، گندگی ہے۔ اگر ہم اپنے ہم وطنوں کی صحت درست کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں گندگی سے نجات حاصل کرنی ہوگی۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہم اوّل درجے کی قوم بنکر ترقّی کی دوڑ میں دوسری قوموں سے کاندھا جوڑکر چلیں تو ضروری ہے کہ ہم اپنے آپ کو، اپنے گھروں، احاطوں، شہروں، گلیوں اور سڑکوں کو صاف رکھیں۔ تم یہ کہوگے کہ یہ تو حکومت، میونسپل بورڈ یا ڈسٹرکٹ بورڈ کا فرض ہے۔ ٹھیک ہے، یہ ان کا کام ہے لیکن ساتھ ساتھ تمہارا بھی۔ حکومت اور میونسپل بورڈ قاعدے قانون بنا سکتے ہیں لیکن ان پر عمل کرنا تمہارا کام ہے۔ مثال کے طور پر "تھوکنا" لو۔ تم جانتے ہو کہ تمہیں سڑک پر، ریل میں یا کنوئیں میں تھوکنے کی اجازت نہیں ہے اور تم اسکی وجہ بھی جانتے ہو کیونکہ تھوکنے سے بیماری پھیلتی ہے۔ اگر تم اس بات کا خیال رکھو کہ تمہارے پاس ہر وقت ایک صاف رومال رہنا چاہئے جسے تم کھانسی کے کام میں استعمال کرسکو، تو گویا تم نے اپنے دشمن گندگی کے خلاف ایک زبردست لڑائی جیتنی شروع کر دی۔

غالباً اسکول میں تم جونیئر ریڈ کراس کے ممبر ہوگے اور صحت کے سارے اصول جانتے ہوگے۔ تمہارے ماسٹر حفظانِ صحت کے درجے میں بھی تمہیں اسکی بابت بتاتے ہونگے۔ تمہیں چاہئے کہ اس شاندار فوج کے اچھے سپاہی بنجاؤ اور اپنی زندگی میں گندگی کو داخل نہ ہونے دو۔ اپنے جسم، دانتوں، ناخنوں اور آنکھوں کو ہمیشہ صاف رکھو۔ یہ ضرور ہے کہ ہاکی گیند کھیلتے وقت یا ویسے ہی گھاس پر گر کر تمہارے ہاتھ پاؤں میلے ہو جائیں گے۔ لیکن کھیل ختم ہونے کے بعد، چاہے کچھ ہو، کھانا کھانے سے پہلے تمہیں انھیں دھولینا چاہئیے۔ یاد رکھو تمہاری دشمن گندگی تمہیں دِق، کالرا یا ٹائیفائڈ کے ذریعے مارنے کی فکر میں ہے۔ اسے کامیاب مت ہونے دو۔ وہ اپنے خفیہ ایجنٹ یعنی مکھیاں بھیجتی ہے۔ انھیں اپنے کھانے کے قریب نہ پھٹکنے دو نہ اپنے منہ اور آنکھوں پر بیٹھنے دو۔ تمہیں صاف ستھرے کپڑے کتنے پسند ہیں! اور مجھے یقین ہے کہ تم کبھی خوشی خوشی گندے کپڑے نہ پہنوگے لیکن تمہیں چاہئیے کہ دوسرے لوگوں میں یہ شوق پیدا کرو کہ وہ صاف کپڑے پسند کریں۔ ایسا کرنے میں تم ان کی مدد بھی کروگے اور اپنی حفاظت بھی۔ کیونکہ اگر تمہارے نوکروں کے گھروں یا کپڑوں میں کیڑے ہوں یا ان لوگوں کے کپڑوں میں جو سڑکوں پر تمہارے جسم سے رگڑتے ہیں یا ریل پر تم سے مل کر بیٹھتے ہیں تو بڑا خطرہ ہے کہ کہیں تمہیں بھی ٹائفس یا پلیگ جیسی خطرناک بیماری نہ لگ جائے۔

تمہیں تو صاف مکان اور صاف احاطے میں رہنا پسند ہے۔ لیکن میں نے دیکھا ہے کہ لوگ اپنے گھر، برآمدے اور آنگن کی گندگی صاف کرکے کوڑا کرکٹ یا تو اپنے پڑوسی کے احاطے میں پھینک دیتے ہیں یا سڑک پر۔ اور تمہاری دشمن گندگی یہی چاہتی ہے۔ وہ جانتی ہے کہ اس طرح وہ آسانی سے تمہیں شکست دے سکے گی۔ تم اسکے چکر میں مت آؤ۔ دوسرے لوگوں کو اس خطرناک دشمن سے لڑنے میں مدد دو۔ اگر تم کسی کو ایسی باتیں کرتے دیکھو جو صحت کے اصولوں کے خلاف ہوں تو ان سے نرمی سے منع کرو۔ کاغذ، کیلے کا چھلکا، کوڑا ادھر اُدھر مت پھینکو۔ اگر تمہارے محلّے میں کوڑے کا ڈبّہ نہیں ہے تو میونسپلٹی سے کہہ کر رکھاؤ تاکہ سارا کوڑا کرکٹ اس میں ڈالا جا سکے اور جب تک صفائی کا محکمہ اسے وہاں سے نہ ہٹائے تب تک وہ لوگوں کی نگاہوں کے سامنے نہ رہے۔ اپنے اسکول یا اسکاؤٹ کمپنی کے بچّوں میں ایک تحریک چلاؤ جس کا نام اپنے شہر کے نام پر اس طرح رکھو "تندرست دہلی" یا "تندرست مدراس" یا "تندرست پٹنہ تحریک"۔ اور اگر تم اچھی مثال قائم کروگے تو بہت سے لوگ تمہاری طرفداری کریں گے اور تمہارے دشمن گندگی سے لڑنے میں تمہاری مدد کریں گے۔

اگر تم دیہات میں رہتے ہو تو بوڑھے سقراط (تم جانتے ہو کہ اس نے تقریباً ہر ہندوستانی زبان میں گاؤں سدھار پر بہت سی کتابیں لکھی ہیں) سے پوچھو، اسکی رائے پر چلو اور بوڑھے آدمیوں سے بھی مدد لو۔ کھاد کے گڑھے مکانوں سے دور بناؤ۔ مویشیوں کے لئے علیحدہ

ہوپو کی کہانی

[...]زردی مائل بھورے رنگ کی ایک چڑیا [...] مینا سے ذرا ہی چھوٹی۔ کبھی یہ میدان[...] درختوں کے نیچے پھدکتی پھرتی ہے۔ اسکے بازوؤں اور دم پر زیبرا کی طرح سفید اور سیاہ دھاریاں ہوتی ہیں اور یہ اپنی لمبی شبک چونچ سے زمین کھود کر کیڑے مکوڑے تلاش کرتی ہے۔ لیکن اس کے سر پر کیا ہے۔ یہ تو پنسل جیسی معلوم ہوتی ہے جب وہ اڑ رہی ہو تو غور سے دیکھو یہ پنسل پنکھیا کی طرح کھل جاتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے گویا سر پر سنہری تاج دھرا ہے۔ سنو وہ اپنا نام بتا رہی ہے۔ "ہوپو۔ ہوپوپو" یہ ہوپو ہے۔ مالی اور کسان کی دوست۔ کیونکہ یہ باغوں اور کھیتوں میں سے سب کیڑے مکوڑے چن کر کھا لیتی ہے یہ اپنا آشیانہ چھت میں یا دیوار کے کسی موکھے میں بنانا پسند کرتی ہے۔ اور اکثر ۵ یا ۶ بچے دیتی ہے۔

ہوپو کے بارے میں ایک نہایت دلچسپ کہانی مشہور ہے یہ اسکے تاج کے متعلق ہے۔

ایک مرتبہ حضرت سلیمان اپنے ہمراہیوں سمیت صحرا میں سے جا رہے تھے گرمی کا موسم تھا اور سورج ٹھیک ان کے سروں پر چمک رہا تھا۔ اسکی تپش سے حضرت سلیمانؑ اور ان کے ساتھی نیم جان ہو رہے تھے۔ ان کے پاس شاہی چھتر بھی نہ تھا۔ اور دور دور تک کسی درخت کا نشان بھی نہ تھا۔ حضرت سلیمانؑ نے گدھوں کو جو آسمان پر اڑ رہے تھے بلایا اور کہا کہ نیچے ہو کر اڑو تا کہ تمہارے چوڑے بازوؤں کے سائے میں ہم آرام سے جا سکیں۔ لیکن گدھوں نے سنی ان سنی کر دی یہ دیکھ کر ہوپو نیچے اترے اور کہا یا حضرت اگرچہ ہماری کوئی ہستی نہیں لیکن پھر بھی آپ اجازت دیں تو ہم ملکر آپ پر اپنے ننھے پروں کا سایہ کر دیں۔ چنانچہ ہوپو حضرت سلیمان اور ان کے ساتھیوں پر سایہ کئے ہوئے شام تک ان کے ساتھ رہے۔ حضرت سلیمان نے خوش ہو کر انھیں انعام میں ایک ایک سنہری تاج دیا۔ ہوپو اب معمولی پرندے نہ تھے۔ خوبصورتی میں اب شاید ہی کوئی پرندہ مقابلہ کر سکتا تھا۔ لیکن ایک دن حضرت سلیمانؑ اپنے دربار میں بیٹھے تھے کہ کیا دیکھتے ہیں چند ہوپو منہ لٹکائے چلے آ رہے ہیں۔

حضرت نے پوچھا کیا بات ہے۔ میں تمہاری مہربانی اب تک نہیں بھولا ہوں۔ بتاؤ میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں۔

ہوپو بولے۔ ہمارے تاج واپس لے لیجئے کیونکہ لوگ ہمیں سونے کے تاج کے لالچ میں مار ڈالتے ہیں۔

حضرت سلیمان یہ سنکر بہت رنجیدہ ہوئے اور کہا کہ جو چیز میں تمہیں دے چکا ہوں وہ واپس نہیں لے سکتا۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ تمہارا تاج سونے کی بجائے سنہری پروں کا ہو جائے۔ چنانچہ یہی ہوا۔ اور اس کے بعد سے لوگ انھیں نہیں مارتے ::

خفیہ پیغام

وذ ڈ ہثر ذی نوے می کھظبنے نکبا گی نیم خثو
گیمب مو او گہ

کٹاؤ کے پتھروں کا شہر
ٹکسلا

از:- یشودھرا

اگر تم ہندوستان کے نقشے پر شمال مشرق کی طرف نظر ڈالو تو پنجاب اور صوبہ سرحد کی سرحد پر ٹکسلا کا شہر دیکھو گے جو دریائے ہیرو کی خوشگوار وادی میں پہاڑوں سے گھرا ہوا آباد ہے۔ اب یہ شہر اہم نہیں رہا لیکن اگر پتھر کے زبان ہوتی تو یہ پہاڑیاں تمہیں فتوحات اور عالموں کی اتنی دلچسپ داستانیں سنائیں جیسی الف لیلہ کی کہانیاں جو ملکہ شہرزاد نے خلیفہ کو سنائی تھیں۔ یہاں کم از کم تین مشہور اور خوشحال شہر تھے جو اب بھیر مونڈ سرکپ اور سرسکھ کہلاتے ہیں۔ ان وسیع اور پرانے پہاڑوں سے جب پوچھا جاتا ہے کہ ایران کے شہنشاہ دارا کی سلطنت میں ملنے سے پہلے ٹکسلا میں کیا کیا ہوا تھا، تو یہ بھی سر کھجانے لگتے ہیں۔

ٹکسلا یا تکشا شلا کے معنی ہیں "کٹاؤ کے پتھروں کا شہر" یہ ایرانی سلطنت کا سب سے زیادہ خوشحال اور زرخیز صوبہ تھا اور اس زمانے میں بھی علم و فن کا زبردست مرکز تھا۔ ٹکسلا کے ڈاکٹر ایشیا بھر میں مشہور تھے اور ناگ دت ایک ہوشیار حکیم، دارا کا خاندانی معالج تھا۔ عرب اور چین سے لوگ طب پڑھنے ٹکسلا آتے تھے۔ ہندوستان سے باہر جو کچھ بھی ہوتا تھا اسکی خبر سب سے پہلے ٹکسلا آتی تھی اور وہاں سے ملک بھر میں پھیلتی تھی۔

لیکن ۳۲۶ سنہ قبل مسیح میں ٹکسلا کے آس پاس کی پہاڑیوں نے ایک زبردست واقعہ دیکھا۔ پرانے زمانے کا سب سے بڑا فاتح سکندر ایران کے زبردست بادشاہ کو ہرا کر اور اسکی خوشحال اور طاقتور سلطنت کو اپنی سلطنت میں ملا کر ہندوستان آیا۔ ٹکسلا کا راجہ امبھی ایک کمزور آدمی تھا اسلئے اس نے ہتھیار ڈال دئے اور فاتح کی خدمت میں دو سو ٹیلنٹ[لہ] چاندی، تین ہزار بیل، دس ہزار بھیڑیں اور دس ہزار سے زیادہ ہاتھی بطور نذرانہ پیش کئے۔ لیکن پنجاب کے دوسرے بادشاہ امبھی کی طرح نہ تھے۔ انھوں نے ڈٹ کر سکندر کا مقابلہ کیا۔ ان میں سب سے بہادر پورو تھا جس کو یونانی پورس کہتے تھے۔ وہ لمبے قد کا خوبصورت آدمی تھا۔ جب وہ ہار گیا اور سکندر کے سامنے لایا گیا تو زخموں سے چور لہولہان تھا لیکن وہ اس طرح اکڑ کر کھڑا ہوا تھا کہ ہر انداز سے بادشاہ معلوم ہوتا تھا۔ سکندر اس کی رعب دار شخصیت سے بہت متاثر ہوا اور پوچھا کہ تمہارے ساتھ کیسا سلوک کیا جائے؟ جواب ملا "اے سکندر، میرے ساتھ

لہ ایک یونانی وزن۔ ایک ٹیلنٹ چاندی تقریباً ساڑھے تین ہزار روپے کی قیمت کی ہوتی تھی۔

وہ سلوک کرو جو بادشاہ کے ساتھ کیا جاتا ہے" اور سکندر نے ایسا ہی کیا۔ اسکی ریاست جو ٹکسلا کے قریب ہی تھی اسے واپس مل گئی اور پورو سکندر کا بڑا دوست ہو گیا۔

لیکن بہت جلد سکندر مر گیا۔ اسکے گورنروں میں کوئی اس قابل نہ تھا کہ اس کی سلطنت کو بچاتا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر مگدھ (بہار) کے ایک نوجوان چندر گپت موریہ نے ٹکسلا کو فتح کر لیا۔ بہت جلد وہ ایک مشہور فاتح ہو گیا۔ اور ایک بڑی سلطنت قائم کر لی۔ اسکا وزیر چانکیہ بہت ہی چالاک آدمی تھا۔ وہ انتظام سلطنت میں اسکی مدد کیا کرتا تھا اسے کوتلیہ بھی کہتے ہیں۔ اس نے فن حکومت پر ایک کتاب بھی لکھی ہے جس کا نام ارتھ شاستر ہے۔ اگر بڑے ہو کر تم نے سنسکرت سیکھی تو شاید تم اس کتاب کو پڑھ کر لطف اٹھا سکو۔

۳۰۵ ق م میں سلیوکس نکیٹر نامی ایک یونانی نے سکندر کی کھوئی ہوئی سلطنت واپس لینے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ آخر اس میں اور چندر گپت میں صلح ہو گئی اور چندر گپت نے اسکی خوبصورت لڑکی ہیلن سے شادی کر لی۔

حالانکہ چندر گپت ایک بڑا راجہ تھا لیکن اپنے پوتے اشوک اعظم کو نہیں پہونچتا۔ کیونکہ اشوک نے اپنی سلطنت میں نئے نئے صوبے ملانے کے بعد اس نتیجے پر پہونچا کہ لڑائی اور فتح سے سلطنت بڑھانا بڑی بیکار اور شرارت کی بات ہے۔ وہ گوتم بدھ کا معتقد ہو گیا تھا اور اس کا ایمان تھا کہ لوگوں کو زبردستی اور ہنسا سے جیتنے کے بجائے پریم اور کرم سے جیتنا بہتر تھا۔ اپنے باپ بندوسار کی حکومت کے زمانے میں اشوک
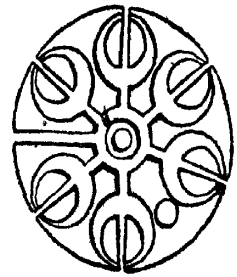
ٹکسلا کا گورنر تھا۔ جب وہ خود بادشاہ ہوا تو اشوک نے امکان بھر کوشش کی کہ لوگ بدھ کی تعلیم کو سمجھیں اور ان پر عمل کریں۔ چنانچہ اس نے سارے شمالی ہندوستان میں لاٹ نصب کرائے جن پر بدھ کی تعلیمات کھدی ہوئی تھیں تاکہ مسافر اور راہ گیر ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے ہوئے انھیں دیکھیں اور ان پر غور کریں۔ اشوک نے بدھ کی یاد میں بہت سے اسٹوپ بھی تعمیر کرائے۔ ان میں سے ایک مشہور اسٹوپ سانچی میں ہے جسکا حال تم نے نومبر کے نونہال میں پڑھا ہے۔ ٹکسلا کا سب سے مشہور اسٹوپ "دھرم راجکا اسٹوپ" کہلاتا ہے۔

موریہ سلطنت کے زوال کے بعد ٹکسلا پر بہت سے باہری حملے ہوئے۔ یونانی باختریوں نے جو افغانستان کے قریب بس گئے تھے ساتھیوں، ساکاؤں نے اور پارتھیائی قوم کے لوگوں نے (وسطی ایشیا سے) حملے کئے۔ سب سے مشہور پارتھیائی بادشاہ گنڈو فرس تھا جس کے دربار میں عیسٰی علیہ السلام کے مرید سنیٹ ٹامس آئے تھے۔ کشن قوم کے لوگ چین کے شمال مغرب سے بھگائے گئے تھے وہ رفتہ رفتہ ہندوستان آ گئے اور سنہ ۶۰ء میں انھوں نے ٹکسلا پر قبضہ کر لیا۔ کشن راجاؤں میں کنشک سب سے مشہور تھا۔ اسکی سلطنت وسطی ایشیا سے بنگال تک پھیلی ہوئی تھی۔ وہ سچا بدھی تھا اور اس نے بدھ مت کی اشاعت کی بڑی کوشش کی۔ پشاور اور متھرا کے عجائب خانوں میں اس کے زمانے کی بنی ہوئی کئی چیزیں ہیں۔

کشنوں کے زوال کے بعد ہنوں نے ٹکسلا کو تباہ و برباد کر دیا۔ اسکے بعد اسے کبھی پہلی سی شان و شوکت نصیب نہیں ہوئی اور تب سے اب تک یہ کھنڈروں کا مجموعہ ہے۔ ان کھنڈروں میں سے بہت سے دلچسپ سکّے، قیمتی پتھر اور خوبصورت جواہرات کھود کر نکالے گئے ہیں جو ٹکسلا کے عجائب گھر میں رکھے ہوئے ہیں۔ ان کو دیکھ کر ٹکسلا کے شاندار اور حیرت انگیز ماضی کی تصویر آنکھوں کے سامنے آ جاتی ہے۔

———·:·———

آسیب زدہ

برفانی چٹان

۔کن دونوں بڑی پھرتی سے جوابی حملہ کرتے ہیں۔ کے بازی میں دونوں
اتی ہیں۔ لڑائی ختم ہوگئی۔ ہمارے دوست جیتے ہوئے نظر
آرہے ہیں ؛

ایک آدمی بیہوش ہوگیا۔ دوسرا گڑگڑا کر معافی مانگ رہا ہے۔ راستے
میں جو سونا بکھرا ہوا ہے اسکی وجہ سے ہم آپکا راستہ روک رہے تھے۔ اب
ہمارے اوپر رحم کھائیے اور ہمیں معاف کر دیجئے ؛

اب آسیب زدہ برفانی چٹان کا بھید کھل گیا۔ دیے اور احسن نے
لالچی آدمیوں کو معاف کر دیا اور ان سے اس جگہ کی دیکھ بھال
اور مطالعے میں مدد لی ؛

تحقیقات کا کام ختم ہوا۔ اب وہ سفر کے لئے روانہ ہوتے ہیں ؛

سٹیشن پر آدمیوں کا ایک مجمع جوش سے انکا استقبال کرتا ہے ؛

وہ تقریر کرتے ہیں۔ "ہم نے ہندوستان کے لئے سونے کا پتہ چلا لیا
کہتا ہے اور احسن کہتا ہے: "سونے کی نئی کانیں مادرِ وطن کی
ہم اس سونے کو ملک کی صنعتی اور تعلیمی ترقی کے لئے استعمال کر

سب سے چھوٹا پرندہ کون ہے؟
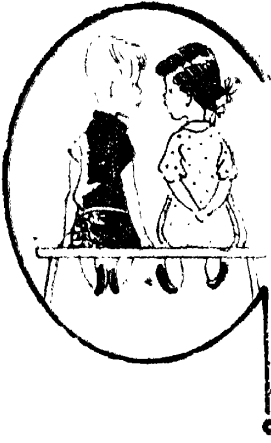
دنیا میں سب سے چھوٹا پرندہ جنوبی امریکہ میں ایکویڈر کے علاقے میں پایا جاتا ہے۔ پروں کے علاوہ اس کا جسم شہد کی مکھی کی ملکہ سے زیادہ بڑا نہیں ہوتا اور وزن اس سے کچھ ہی زیادہ ہوتا ہے۔ یہ چڑیا اڑنے میں بہت ہوشیار ہوتی ہے۔

کچھ جانوروں کے سر پر آنکھیں ہوتی ہیں؟

اکثر دریائی جانوروں کے سروں پر آنکھیں ہوتی ہیں مگرمچھ، دریائی گھوڑا اور مینڈک پانی کے اندر اس طرح رہ سکتے ہیں کہ صرف آنکھیں سطح سے باہر نکلی رہیں۔ اس طرح وہ پانی کے اندر ہی رہ کر اندازہ کر سکتے ہیں کہ ان کا باہر نکلنا مناسب ہے یا نہیں۔

ایک دفعہ چاندنی کی آواز سنائی دی تھی؟

۱۹۳۵ء میں چیکوسلوویکیا کی ایک تجربہ گاہ میں چاند کی کرنوں کی آواز سنی گئی تھی۔ چاندنی کو آواز کی لہروں میں تبدیل کر لیا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دیر تک سریلی آواز سنائی دیتی رہی جو باری باری تیز اور مدھم ہوتی تھی۔ آواز کی ان لہروں کو اسی وقت نشر کیا گیا اور ریکارڈ بھر لئے گئے۔

کچھ جواہرات آسمان سے گرے ہیں؟

بعض سائنس دانوں کا خیال ہے کہ کچھ جواہرات فضا سے گرے ہیں ان سائنس دانوں کے مطابق یہ ان ٹوٹے ہوئے تاروں کی پیداوار ہیں جو جنوبی افریقہ کی بہت بڑی کوئلے کی کانوں کے علاقے کمبرلے میں گرے تھے۔ ٹوٹے ہوئے تاروں کا پگھلا ہوا لوہا جب اچانک ٹھنڈا ہوتا ہے تو سکڑتا ہے اور کاربن کا ثقل ۲ سے ۳۵ ہو جاتا ہے اور وہ جواہرات میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

ایک جانور ٹانگوں کی مدد سے باتیں کرتا ہے؟

ایک خرگوش ایسا ہوتا ہے جو اپنے سارے بدن کا بوجھ اگلی ٹانگوں پر سہارتا ہے اور پچھلے پیروں کو زمین پر پٹک کر آواز پیدا کرتا ہے۔ یہ آواز صاف سنی جا سکتی ہے۔ وہ مختلف انداز میں پیر ٹپکتا ہے اور اس کے مختلف معنی ہوتے ہیں۔ ایک طرح سے پیر ٹپکنے کے "تم سمجھو مجھے ڈر لگتا ہے"۔ دوسری طرح ٹپکنے کے معنی ہیں "ادھر نہ آؤ خطرہ ہے"۔ تیسری طرح ٹپکنے سے مراد ہے "آجاؤ۔ میں تم کو [illegible]"۔

ایک کنبے میں ڈیڑھ کروڑ رکن ہوتے ہیں؟

سائنسدانوں کا خیال ہے کہ پانچ سال پہلے چوہوں کا جو جوڑا پیدا ہوا تھا اس کے بچوں، پوتوں اور پڑپوتوں وغیرہ کی تعداد ڈیڑھ کروڑ تک ہوگئی ہے۔ تم شاید سوچو کہ اگر چوہے اس رفتار سے بڑھتے ہیں تو ہم کو ہر طرف چوہے ہی چوہے کیوں نہیں نظر آتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قدرت یہ ڈیڑھ کروڑ چوہے اسلئے پیدا کرتی ہے تاکہ وہ دوسرے جانوروں کی خوراک بنیں۔ ہزاروں چوہوں کو تو باز پکڑ لیتے ہیں۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ باز کو نہ مارنا چاہئے۔

میگنس اور سفید ریچھ کی کہانی

لیپ لینڈ میں ریچھ کو مارنا بڑا کام سمجھا جاتا ہے۔ ریچھ اس بات سے واقف معلوم ہوتے ہیں اس لئے جہاں تک ہو سکتا ہے دور ہی دور رہتے ہیں۔ کیونکہ اپنی جان دینا یا کسی ساتھی کی موت پر خوشی کے نعرے سننا کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ وہاں جب کوئی ریچھ مارتا ہے تو جشن ہوتا ہے اور مارنے والے کا بڑا اعزاز ہوتا ہے۔ ریچھوں کو یہ بات بالکل پسند نہیں۔ لیکن لیپ لینڈ کے سارے باشندے اس امید میں رہتے ہیں کہ کسی دن لمبے بالوں والے ریچھ کو مار کر شہرت حاصل کریں۔

گنر کے کمسن بیٹے میگنس نے اپنے باپ سے ریچھ مارنے کی اجازت مانگی۔ اس نے جواب دیا "بیٹا تم ابھی بہت چھوٹے ہو" اس کی ماں نے بھی یہی کہا کہ تمہاری جان کا خطرہ ہے۔ اس کے تمام چھوٹے بھائی بہن ماتم مار مار کر رونے لگے۔ اور ایسا شور اٹھا جیسے کوئی ریچھ مارا جا رہا ہو۔ میگنس کے چھوٹے بھائی رولف نے کہا "بھائی کو جانے دو تاکہ وہ ایک ریچھ لے کر آئیں۔ اگلے سال میری باری ہے" گنر بھی چیخ چیخ کر رو رہا تھا۔ اس نے میگنس کو اجازت دے دی اور کہا کہ وہ اپنے کتے پنس کو بھی ساتھ لے جائے۔ اسکا خیال تھا کہ وہ اپنے بیٹے کو پھر کبھی نہ دیکھ سکے گا۔

جب میگنس سفر کو روانہ ہوا تو سارے کنبے نے رو رو کر گھر کو سر پر اٹھا لیا۔ میگنس نے ایک کمان اور ایک چاقو لیا۔ تھیلے میں آگ جلانے کا سامان رکھا اور روانہ ہو گیا۔ سردی کا موسم تھا اس لئے وہ پہاڑی ہرن کی کھال کا لبادہ اور چمڑے کی ٹوپی جس میں پروں کی بیل لگی ہوئی تھی پہنے ہوئے تھا۔

جنگلوں اور جھیلوں کو طے کرتا وہ بڑھتا گیا۔ اسے پانی کی رم جھم، چڑیوں کے چہچہانے اور ہوا کی سائیں سائیں — غرض ہر آواز میں ایسا سنائی دیتا تھا کہ

"ایک سفید ریچھ ایک پہاڑ کا انتظار کر رہا ہے جو آ کر اسے مار دے گا" پھر ایک سوال سنائی دیا۔

"کہاں ہے؟ وہ سفید ریچھ کہاں ہے؟"

اس آواز پر میگنس چونکا کیونکہ یہ بالکل اس کی اپنی آواز کی طرح تھی۔ لیکن یہ اصل نقال چڑیا کی آواز تھی جو میگنس کی نقل اتار رہی تھی۔ پنس نے اوپر دیکھ کر جیسے کہہ رہا ہو "بڑھتے چلو۔ بڑھے چلو"

میگنس جو پنس کی بات سمجھ گیا تھا، بولا۔ "بس، ہاں، راستہ معلوم ہوتے ہی ہم چلیں گے"

اسے بڑا تعجب ہوا جب اس نے دیکھا کہ دو ہاتھ ہوا میں لہرا کر شمال کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ انھوں نے اس کا سر چھوا۔ دو اور ہاتھوں نے اس کی کمان کا ایک سرا پکڑ کر کھینچا۔ پھر ریچھ کے دو پنجوں نے کمان کا دوسرا سرا ہلایا۔ اچانک بہت سے ہاتھ اور پنجے اسے آگے بڑھنے کے لئے مجبور کرنے اور اسکی ہمت بڑھانے لگے۔

میگنس نے کہا: "جن لوگوں کے یہ ہاتھ ہیں، وہ کہاں ہیں؟"

اس کے بعد اس نے ایک آواز سنی جو اس کی اپنی آواز کی طرح تھی۔

اور یہی بات دہرا رہی تھی۔ نقال چڑیا پھر اس کی نقل کرنے لگی ؎

"شمال کی طرف اشارہ کرتی ہوئی انگلیاں، ہاتھ، پنجے اور
ناخن بہادروں کو آگے بڑھا رہے ہیں۔"

تھوڑی دیر بعد چڑیا نے پھر گانا شروع کیا ؎

"سفید ریچھ پولاریل، میگنس کا انتظار کر رہا ہے اس کا شکار
کرو، اسے مارو، دیر ہونے سے پہلے اسے مار دو۔"

"تو ریچھ کا نام بھی ہے!" میگنس نے کہا اور چڑیا نے اس کی نقل اتاری۔ "اور وہ سفید ہے۔" میگنس نے پھر کہا۔

چڑیا نے گانا شروع کیا ؎

"اور دہشت ناک بھی۔
تم آج رات اسے
چمکتی ہوئی مشعلوں کی روشنی میں دیکھو گے۔"

"چہچہانا بند کرو۔" میگنس چلایا۔

"کھٹ کھٹ، کیا بات ہے؟
پٹ پٹ۔ یہ رہی ایک رکابی۔"

"بیکار بات ہے۔" میگنس نے چیخ کر کہا: "اس کا ریچھ سے کیا تعلق؟"

نقال چڑیا نے جواب دیا: "پولاریل کے برابر بڑا اور سفید ریچھ آج تک پیدا ہی نہیں ہوا۔ تم دیکھو گے کہ اسی سے ملنے سے پہلے کھٹ، پٹ، چٹ سب سامنے آئیں گے۔"

اس دوران میں ہاتھ برابر میگنس کو دھکیل دھکیل کر آگے بڑھا رہے تھے۔ اور جب اس کے کانوں پر ایک مکا لگا اور ایک چٹکی محسوس ہوئی تو وہ جھنجھلا گیا۔

وہ پنس کو لے کر بڑی تیزی سے شمال کی طرف دوڑا۔ ایک آواز سنائی دے رہی تھی: "شاباش، شاباش۔ خوب تیز۔ اور تیز۔" اور سارے ہاتھ غائب ہو چکے تھے۔

اندھیرا ہو چکا تھا اور سردی بڑھ رہی تھی اس لئے میگنس برف کی چٹانوں کے پاس بیٹھ گیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے تھیلے سے ہرن کا گوشت نکال کر کھانا شروع کیا اور بوتل سے کچھ پانی پیا۔ اچانک ایک ہاتھ نمودار ہوا جس میں ایک روشن مشعل تھی۔ اس ہاتھ نے مشعل کی روشنی بوتل پر ڈالی۔ وہ بوتل مچھلی کے تیل کی بوتل بن گئی اور میگنس کے دوسرے ہاتھ میں ایک مچھلی آ گئی۔ نقال چڑیا جو میگنس کے ساتھ ساتھ تھی کہنے لگی۔

"ہٹ ہٹ، کیا بات ہے؟
کھاؤ پیو اور موٹے ہو جاؤ۔"

"میں موٹا نہیں ہونا چاہتا۔" میگنس نے کہا۔ "اگر میں موٹا ہو گیا تو میں شکار کرنے کے قابل نہ رہوں گا۔"

بہرحال اس نے خوب ڈٹ کر کھایا اور اس کے بعد چھن، چھن، چھنا چھن رکابیاں چٹانوں سے ٹکرا کر چور چور ہو گئیں۔

"اوہ" میگنس چلایا۔ نقال چڑیا نے پھر گایا۔

"چٹ چٹ، کیا بات ہے؟
رکابی کی بات ٹھیک نکلی نا؟"

اس وقت ایک بار پھر میگنس کو ریچھ کا خیال آ گیا۔

"پولاریل!" نقال چڑیا بولی۔

"تم نے کیسے جانا کہ میں کیا سوچ رہا ہوں؟" میگنس نے پوچھا۔ اس پر اسے جواب ملا۔

"چڑیاں بھید جانتی ہیں۔ چڑیاں بھید بتاتی ہیں۔
لیکن اب مشعلوں کی روشنی تجھے دکھائے گی۔
کہ پولاریل قریب ہے۔"

میگنس چونک پڑا اور اس کے کانوں میں باجوں کی آواز آئی۔ چھ ہاتھ نظر آئے۔ ہر ایک میں چمکتی ہوئی مشعل تھی۔

باجے میں سے ایک جھنکار اٹھی اور اسے ہوا میں دھندلی نظر آئی۔ ایک زبردست سفید ریچھ نمودار ہوا جس کے گلے میں ہار پڑا ہوا تھا۔ پنس ڈر کر بھاگا لیکن میگنس نے ریچھ کا مقابلہ کیا۔

(باقی آئندہ)

بچّوں کا اخبار

زیرِ ادارت ——— ناجو پی جے بلیموریا

پیٹو سیل

امریکہ کے اخباروں میں سان فرانسسکو کے چڑیا گھر کی ایک سیل کے مرنے کی خبر درج ہوئی ہے اس کی موت کی وجہ یہ تھی کہ اسنے تماشائیوں کے پھینکے ہوئے بہت سے سکے کھالئے۔ اس سیل کا نام اوسکر تھا۔ مرنے کے بعد جب اسکا پیٹ چاک کیا گیا تو اس میں سے تین پونڈ اور چودہ اونس وزن کے سکے نکلے۔ جس میں ۱۴۵ پینی ۷۶ نکل ۸۰ ڈائم۔ ایک کینیڈا کی پینی ایک دھات کا بنا ہوا سکہ تھا۔ بعض پینیاں جو لڑائی کے زمانے میں بنائی گئیں وہ جست کی تھیں اور انھیں کی وجہ سے اوسکر کی موت ہوئی۔

ریچھوں نے کسانوں پر پتھر پھینکے

اسپین سے خبر آئی ہے کہ ایک چرواہا زخمی اور چند مویشی مردہ پائے گئے۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ چار ریچھوں نے چرواہے کی بھیڑوں پر حملہ کر دیا تھا اور جب اس نے انکو بھگانا چاہا تو انھوں نے اس پر پتھر پھینکے جسکی وجہ سے اسکی ٹانگ ٹوٹ گئی۔

جنگل کے شوروں کا ریکارڈ

آسٹریلیا کی خبر ہے کہ دو ریڈیو کے ماہر اور ایک عورت ملکر افریقہ کے جنگلی جانوروں اور وہاں کے باشندوں کی لڑائی کے گیتوں کا ریکارڈ بھرنے جا رہے ہیں۔ یہ پارٹی ۲۰۰۰ پونڈ قیمت کا ریکارڈ کرنے کا سامان قاہرہ سے کیپ ٹاؤن تک ساتھ لے جائے گی۔ اس کام میں ایک سال لگیگا۔ جو آوازیں وہ ریکارڈ کرنا چاہتے ہیں وہ جنگلی قبیلوں کے لڑائی کے گیت سانپوں کی پھنکار، شیر اور چیتوں کی دھاڑ اور جنگلی گیت ہیں خاصکر پگمی اور فوتوسی قبیلوں کے گیت۔ اسکا کہنا ہے کہ چاہے ہمیں جان بھی دینی پڑے ہم ان آوازوں کو ریکارڈ کر کے لائیں گے۔

جرّاحی کا کمال

ایک ۱۳ سالہ لڑکے ریمنڈ ٹامس کی کہانی ہے۔ یہ لڑکا جب پیدا ہوا تو اس کے اُلٹے ہاتھ میں کوئی انگلی نہ تھی۔ اب اس کے ہاتھ میں ایک انگلی لگائی جائیگی۔ اگر یہ تجربہ کامیاب رہا تو سب انگلیاں اسی طرح جڑ دی جائینگی۔ آپریشن جون میں شروع ہوا۔ اسوقت ریمنڈ کے پیٹ پر سے کھال کا ایک ٹکڑا اتارا گیا اور انگلی کی شکل بنا کر انگلی کی جگہ اسکا پیوند لگایا۔ بعد میں اس انگلی میں پسلی کا ایک ٹکڑا جڑا جائے گا۔ ڈاکٹر کہتے ہیں کہ ریمنڈ اس انگلی کو استعمال کر سکیگا۔ یہ انگلی بغیر ناخن کی ہے لیکن ظاہرا شکل و صورت سے اصلی معلوم ہوتی ہے۔

خوش قسمت کتّا

ایک کتّے کی لاش کو ملکے نیلے صندوق میں بند کرکے قبرستان کے گرجا میں رکھا گیا اور پھر اسے دفنایا گیا۔ اسکا نام تھا جو جو۔ اور دس برس تک یہ کتا نمائشوں میں اوّل انعام حاصل کرتا رہا اسے مسز روز رتیا نارمن نے ۲۵ گنی میں خریدا تھا۔ اسکا گھر بہت عمدہ بنا ہوا تھا جس میں قالین کا فرش تھا اور چمکدار فرنیچر۔ اس کے سونیکا کمرہ بھی بہت آرام دہ تھا، وہ صرف نہایت اعلیٰ قسم کے کھانے کھاتا تھا اور وہ بھی صرف اپنی مالکہ کے ہاتھ سے جس صندوق میں اسکی لاش رکھی گئی اس میں ہنس کے پر بچھے تھے اور تکیہ سفید ساٹن کا تھا مسز نارمن اسکی موت پر بری طرح روئیں۔ اور کہا کہ وہ اسکے بغیر زندہ نہیں رہ سکیں۔ صرف اسکے چلتے ہوئے کپ اور رِبن وغیرہ باقی رہ گئے ہیں۔ اور اس کی ایک ۲۵ گنی کی تصویر۔

۲۶۰۰۰ سے زیادہ

لندن کے پھولوں کے شوقینوں نے پھول اگانے کا مقابلہ کیا اور اس میں ۲۶۰۰۰ بچّوں نے حصّہ لیا۔

حال ہی میں نووا اسکوشیا کا ایک شلنگ کا ٹکٹ جو ۱۸۵۱ میں چھپا تھا ۹۰ پونڈ میں بکا ہے۔

ہالینڈ اور جرمنی کی سرحد پر ایک گاؤں ہے جسکے بڑے بازار کے بیچوں بیچ دونوں ملکوں کی سرحدیں ملتی ہیں حکومت نے تار کھینچ کر سرحد کو علیحدہ کیا ہے۔ ایک تصویر میں تار کے ایک طرف آٹھ جرمن بچے کھڑے ہیں اور دوسری طرف دو مضبوط ڈچ لڑکے کھڑے ہوئے جرمن بچّوں کو کچھ کھانا دے رہے ہیں۔

سکاٹ لینڈ کے چند دور افتادہ جزیروں میں روپیہ جمع کرانے بینک نہیں جانا پڑتا۔ بلکہ بینک خود لوگوں کے پاس آتا ہے۔ بینک آف سکاٹ لینڈ موٹر میں اس بینک کو بھیجتا ہے۔ م۔

(بقیہ صفحہ ۶)

بات سے معلوم ہوتا ہے کہ سورج ٹھوس مادہ نہیں۔ سورج اپنے محور کے گرد ۲۵ دن میں گھوم جاتا ہے۔

نظامِ شمسی کی ایک اور خصوصیت ہے۔

ایک دھندلا پردہ سا ہے جو سورج کے گرد چھایا ہوا ہے اور یہیں سے روشنی اور حرارت باہر جاتی ہے۔ یہ سورج کی سطح سے لے کر فضا میں کافی دور تک پھیلا ہوا ہے اور اس میں بعض ایسے اجزا پائے جاتے ہیں جو ہماری دنیا میں بھی ہیں۔ سورج ہماری زندگی کے لئے از حد ضروری ہے۔ اسی سے ہمیں روشنی اور حرارت ملتی ہے۔

(بقیہ صفحہ ۲)

کیمپ قائم کرنے کی تجویز پر بھی غور کر رہی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے یہ سب اسکیمیں کس حد تک پوری ہوتی ہیں۔ لیکن جب تک یہ سب تجویزیں عمل میں آئیں ہمیں یہ چاہیئے کہ شک وشبہ اور نفرت کے جذبات کو دل سے نکال کر بھائی چارے کی فضا پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ اس طرح ہم بھی گھر بیٹھے یونیسکو کا ایک حصّہ ہو جائیں گے۔

(بقیہ صفحہ ۵)

مالک کو دیکھ کر خوشی سے پھولے نہ سمائے لیکن پینیلوپ کو اس وقت تک یقین نہ آیا کہ اس کی مصیبتیں ختم ہو گئیں جب تک کہ یولیسس نے اسے بعض ایسے پرانے بھید بتائے جو ان دونوں کے سوا کسی کو نہ معلوم تھے۔ اس کے بعد دونوں خوشی سے رونے لگے۔ پینیلوپ اپنے پیارے شوہر کے صحیح سلامت لوٹ آنے پر روئی اور یولیسس دوبارہ اپنی عقلمند، وفادار اور خوبصورت بیوی سے ملنے پر۔

گھوڑے نے کہہ دیا تو؟

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ پیٹرول کی قلّت کی وجہ سے موٹر کا کرایہ نسبتاً بڑھ گیا تھا اسلئے اسلم اپنی شادی کیلئے گھوڑے پر بیٹھ کر پڑوس ہی کے ایک گاؤں کو چلا۔ گھوڑے کی لگام ہاتھ میں تھامے گھوڑے کا مالک بھی آہستہ آہستہ ساتھ چل رہا تھا۔

اسلم کو دمہ کی بیماری تھی۔ راستہ بھر وہ کھانستا رہا۔ اس نے خیال کیا کہ یہ گھوڑے والا میرے دمہ کے متعلق سب گاؤں کے لوگوں سے کہیگا۔ اور پھر میری شادی ہونا بہت مشکل ہے۔ وہ گھبرا گیا اور اس نے گھوڑے والے سے کہا "میں راستہ بھر کھانستا رہا ہوں۔ گاؤں میں اس کے متعلق کسی سے کچھ نہ کہنا۔ سمجھے۔"

گھوڑے والے نے کہا "میں کاہے کو کہوں؟ تم بالکل بے فکر رہو۔ گاؤں کے کسی شخص سے بھی میں یہ بات نہیں کہوں گا۔ مجھے کیا پڑی ہے؟"

پھر اسلم کی جان میں جان آئی۔ رفتہ رفتہ وہ لوگ گاؤں کے قریب پہنچے۔ گھوڑے والے نے فوراً رومال نکالکر گھوڑے کا منہ باندھ دیا جب وہ لوگ گاؤں میں داخل ہوئے تو ایک شخص نے پوچھا۔

"بھئی یہ کیا بات ہے؟ گھوڑے کا منہ کیوں باندھ دیا ہے؟"

"بات ایسی ہے" گھوڑے والے نے کہا۔ "جناب اسلم صاحب کو ہے دمہ کی بیماری وہ چلے ہیں اپنی شادی کے لئے۔ راستہ بھر وہ کھانستے رہے ہیں۔ میں نے تو وعدہ کیا ہے کہ کسی سے نہیں کہونگا۔ لیکن اگر اس گھوڑے نے کہدیا تو پھر کیا کریں؟ محض اسی لئے اسکا منہ باندھ دیا ہے۔"

نتیجہ کیا ہوا؟ گھوڑے والے کی اس بیوقوفی سے یہ بات اسی طرح سارے گاؤں میں پھیل گئی اور اسلم کی شادی ہونا بھی مشکل ہو گیا۔

اسمٰعیل حسن دہلوی

عزیز بھانجو اور بھانجیو!

تم نے کراس ورڈ معمّے میں بڑی دلچسپی دکھائی اور نوڈے کراس ورڈ معمہ ۲ کے حل کافی تعداد میں آئے۔

تم میں سے کچھ بھانجوں نے خواہش ظاہر کی ہے کہ ہر مہینے ایک معمّہ شائع ہوا کرے۔ مجھے افسوس ہے کہ فی الحال یہ ممکن نہیں ہے۔ اب نتیجہ سنو! نوڈے کے دو انعامات سعید اسلم، بھادل نگر (عمر ۱۳ سال) اور شنکر گووند سہائے بیلگاؤں (عمر ۱۳ سال) کو ملے۔ نونہال کے انعامات یاسمین بانو، سرسا (عمر ۶ سال) اور شیخ نثار احمد، کانپور (عمر ۱۱ سال) کو ملے۔

اب ایک غلط فہمی رفع کردوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم میں سے کچھ لوگوں نے معمّے کے قاعدے غور سے نہیں پڑھے۔ اگر تم انھیں پھر سے پڑھو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ صاف صاف یہ لکھا تھا کہ انعامات ان دو صحیح حل بھیجنے والوں دئے جائیں گے جن کے حل سب سے پہلے کھلیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بہت سے صحیح حل آئے لیکن ان میں انعام صرف دو کو مل سکتے تھے۔

منصور قیصر نے تصویروں کی ایک خوب صورت کتاب بھیجی ہے۔ ان کا شکریہ۔ ارون ہسپتال کے بیمار بچے اسے دیکھ کر بہت خوش ہوں گے۔

تم سب کو نیا سال مبارک ہو

تمہارا ہی خالہ

مسرت

ای۔ بی 166۔ دہلی

فارم ممبری برائے "نوڈے لیگ"

خریداری نمبر ______

چندہ بھیجنے کی تاریخ ______ چندہ ختم ہونے کی تاریخ ______

نام ______

تاریخ، مہینہ اور سال پیدائش ______

سرپرست کا نام ______

پورا پتہ ______

______

دستخط ______

تاریخ ______

اس فارم کے ساتھ آٹھ آنے کے ٹکٹ آنے ضروری ہیں۔

(بقیہ صفحہ ۷)

دوسرے بہت سے جانور بھی ملتے ہیں۔ جب میں لنکا میں تھا تو اخبار میں خبر آئی کہ ایک سرکاری افسر دورے پر جنگل میں گیا ہوا تھا۔ ایک روز تیسرے پہر یہ شخص اپنی لڑکی کے ساتھ ڈاک بنگلے سے سیر کرنے کے لئے نکلا۔ اور رو دونوں اس کے بعد واپس نہیں آئے۔ تمام جنگل چھان مارا مگر اسکا اور اسکی لڑکی کا پتہ نہیں چلا۔ آخر پانچویں دن جنگل میں ایک درخت پر یہ دونوں بیٹھے ملے۔ بھوک سے ان کا برا حال تھا اور کپڑے ان کے بدن پر پھٹ کر تار تار ہوگئے تھے۔ معلوم ہوا کہ یہ دونو سیر کرتے کرتے سڑک سے دور چلے گئے۔ اور پھر انھیں راستہ نہیں ملا۔ جنگل میں اگر ایک دفعہ راستہ کھو جائے تو پھر نہیں ملتا۔ چنانچہ پانچ دن تک یہ راستہ ڈھونڈتے رہے۔ مگر ہر دفعہ یہ پھر جنگل میں کھو جاتے تھے۔ دن بھر یہ راستہ ڈھونڈتے تھے اور رات کو جنگلی جانوروں سے ڈر کر درختوں کی شاخوں پر جا بیٹھتے تھے۔ اب خدا خدا کر کے انھیں لوگوں نے درخت سے اتارا تو ان کی جان میں جان آئی۔

لنکا میں سب سے زیادہ لوگ بدھ مت کے پیرو ہیں۔ اور جگہ جگہ لنکا میں بدھ مت والوں نے بہت خوبصورت مندر بنائے ہیں۔ کینڈی میں ایک بہت بڑا مندر ہے اور اس مندر کی خوبی یہ ہے کہ اس میں مہاتما بدھ کا ایک دانت تبرک کے طور پر رکھا ہے۔ اسکی زیارت کیلئے دور دور سے لوگ آتے ہیں۔ اور سال بھر میں ایک مرتبہ اس دانت کا جلوس بھی نکلتا ہے۔ اس جلوس کی رونق دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ سینکڑوں سجے ہوئے ہاتھی آگے آگے پیچھے پیچھے نفیریاں اور باجے تاشے بجتے ہوئے۔ قندیلوں اور مشعلوں کا ہجوم۔ اور سب سے آخر میں ایک سونے کے بکس میں مہاتما بدھ کا جنم دن تمام لنکا میں بہت دھوم سے منایا جاتا ہے۔ رات بھر دیوالی کی طرح لوگ گھروں پر چراغ روشن کرتے ہیں غریبوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ دوستوں کو دعوت دیتے ہیں۔ اور لنکا کے اندھیرے جنگلوں میں بھی اس کی وجہ سے روشنی ہو جاتی ہے۔

جب میں لنکا کی خوب سیر کر چکا تو ایک روز بہت سویرے سورج نکلنے سے ہی پہلے میں لنکا سے روانہ ہو گیا۔ اب کی دفعہ میں نے ریل میں نہیں بلکہ ہوائی جہاز میں سفر کیا۔

ہوائی جہاز سیدھا ہندوستان کی طرف اڑ رہا تھا۔ نیچے سبز جنگل ہی جنگل نظر آ رہے تھے۔ ابھی تک سورج نہیں نکلا تھا۔ مگر مشرق کی طرف آسمان پر ہلکی ہلکی روشنی پھیلتی نظر آ رہی تھی۔ میں نے ایک دفعہ پھر لنکا کے جنگلوں پر نظر ڈالی اور مجھے دہلی کا وہ دکاندار یاد آ گیا جو چاندنی میں بیٹھا کہہ رہا تھا۔ صاحب سنا ہے کہ لنکا دیس پر ہر وقت اندھیرا چھایا رہتا ہے۔

آسمان کیسے اونچا ہوا

آسٹریلیا کے پراچین باشندوں کی روایات کے مطابق آسمان کسی زمانے میں اتنا نیچا تھا کہ انسان سیدھا کھڑا ہو کر نہ چل سکتا تھا چنانچہ اسی لئے تمام جانور رینگ کر چلتے تھے۔ آسمان جاڑے کے دنوں میں اونچا ہوا۔ اس زمانے میں سانپ عموماً بے حس و حرکت پڑے رہتے ہیں۔ سانپوں کو اس واقعہ کی ذرا بھی خبر نہ ہوئی اور وہ اب تک اسی طرح رینگتے ہیں جیسا کہ پہلے زمانے میں۔

بہت عرصہ گزرا دریائے مربیگی کے کنارے ایک سردار رہتا تھا۔ اس کی بیوی نہایت حسین اور مغرور تھی۔ اس کا نام تھا کردبی۔

اپنے میاں کی ڈانٹ ڈپٹ سے گھبرا کر کردبی پاس کے قبیلے کے ایک ڈاکو کے ساتھ بھاگ کھڑی ہوئی جب سردار کو خبر لگی تو وہ ان کے تعاقب میں نکلا۔ ٹکی ہوئی پتیاں اور اپنی جگہ سے ہلا ہوا ایک ایک کنکر راستہ بتانے کو کافی تھا۔

جب کردبی اور اس لٹیرے کو معلوم ہوا کہ ان کا پیچھا کیا جا رہا ہے تو انھوں نے تمام نشان مٹا دئے۔ سردار نے روحوں سے مدد مانگی۔ پہلے اس نے ایک کنگرو مارا پھر گیلی مٹی سے اس نے اپنے جسم پر کچھ نقوش کھینچے اور ان پر کنگرو کی کھال اوڑھ کر سونے کے لئے لیٹ گیا۔ رات کے وقت روحیں اس کے پاس آئیں اور انھوں نے کہا کہ سردار کھاڑی کے کنارے کنارے جائے پھر وہ دریا تک پہنچے گا اور پھر پانی کی بہت بڑی چادر نظر آئے گی۔

بہت لمبا سفر طے کرنے کے بعد وہ اس جگہ پہنچا جس کا روحوں نے ذکر کیا تھا۔ یہاں اس نے درخت کے تنے سے ایک کشتی بنائی اور اس میں بیٹھ کر بھاگے ہوئے جوڑے کی تلاش میں چلا۔ لیکن کشتی میں پانی بھر گیا اور وہ آگے نہ بڑھ سکی۔ اس نے دوبارہ روحوں سے مدد مانگی۔ روحوں نے کہا کہ پانی میں غوطہ لگاؤ۔ تہ میں تمہیں ایک سونے کا ڈنڈا ملے گا۔ اس سے تم آسمان کو اوپر اٹھانا۔

سردار نے روحوں کی بات پر عمل کیا اور سنہری ڈنڈا باہر نکال کر آسمان کو اس سے اونچا کیا۔ ایک بڑی عجیب بات ہوئی۔ ڈنڈا بڑھتا گیا اور آسمان اس جگہ پہنچ گیا جہاں اب ہے۔ جو پرندے آسمان سے چپکے رہتے تھے وہ بھی اونچے ہوتے گئے ہم انھیں کبھی نہ دیکھتے لیکن انھیں دکھانے کے لئے نیچے آنا پڑا۔ اب بھی بہت سے پرندے آسمان پر واپس جانا چاہتے ہیں۔ جہاں وہ پہلے رہتے تھے۔ بہت سے اپنے آسمان سے لگے رہے لیکن بعد میں انھیں بھی نیچے آنا پڑا۔

ڈنڈا سردار کے ہاتھ میں بڑھتا گیا۔ سردار اس منظر کو دیکھ کر اتنا حیران ہوا کہ اپنی بیوی کی تلاش اور انتقام سب کچھ بھول گیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ اب بھی ڈنڈے کو اسی طرح لئے بیٹھا ہے لیکن کبھی کبھی جب اسکے ہاتھ تھک جاتے ہیں تو آسمان پھر نیچے آجاتا ہے اور ہمیں ایسا معلوم ہوتا ہے گویا دنیا پر کہر اور بادل چھائے ہوئے ہیں۔

(آسٹریلین ہائی کمشنر کے شکریے کے ساتھ)

وہ دُم ہلاتا ہے

اس کتے کی دم اور سر دونوں ہلتے ہیں۔ اگر تمہارے پاس فرٹ سا ہو تو نہایت آسانی سے یہ کتا تیار ہو سکتا ہے۔

سر اور دُم ایک ہی تختے میں سے کاٹے جائیں گے۔ جسم دو ٹکڑوں سے بنے گا۔ ان دونوں ٹکڑوں کو بالکل ایک شکل کا کاٹنا چاہیئے۔ لیکن نقطے دار لائن کی جگہ ایک تیسرا ٹکڑا ہے۔ جو کہ جسم کے دونوں حصّوں کو الگ کرتا ہے۔ کتا گوند سے جوڑ کر ایک تختے پر جڑ دیا جاتا ہے۔ اس تختے میں دو سوراخ ہوتے ہیں۔ جس میں سے ڈورا پرو کر باہر نکالا جاتا ہے۔ پہلے جسم کے دونوں حصّوں کے درمیان تیسرا ٹکڑا رکھ کر چار پانچ پنوں سے جوڑو۔ پھر جسم کے دونوں حصّوں میں اور سر اور دم میں سوراخ کرکے انھیں کیل سے اپنی جگہ جڑ دو۔ سوراخ ذرا بڑے ہوں تاکہ لکڑی آسانی سے ہل جُل سکے۔ کیل کے دونوں سروں کو موڑ دو تاکہ وہ نکل نہ جائے۔

اب سر اور دُم میں ایک ایک سوراخ اور کرکے اس میں ڈورا باندھ دو۔

اور اسے نچلے تختے میں سے پرو کر نیچے نکال لو۔ تختے کی لمبائی کے برابر ڈورا تختے سے نیچے لٹکتا رہے۔ پھر ان دونوں ٹکڑوں میں گرہ دے کر ایک پتھر باندھ دو۔

اب یہ تختہ میز کے کنارے پر جڑ دو۔ پھر پتھر کو جھکولا دو۔

پتھر کے ادھر ادھر ہلنے سے کتے کی دم اور سر دونوں ہلنے لگیں گے۔

کتاب کا کیڑا

تمہیں معلوم ہی ہے کہ شیلف پر کتابیں کس طرح رکھی جاتی ہیں ۔ ہمارے ایک دوست کے پاس انسائیکلو پیڈیا تھا ۔ جس کی تین جلدیں تھیں ۔ ایک دن جو انھوں نے ایک کتاب اٹھائی تو دیکھا کہ دیمک نے کتابیں کھالی ہیں ۔ دیمک نے پہلی جلد کے پہلے صفحے سے لے کر آخری جلد کے آخری صفحے تک ایک سرنگ سی بنالی تھی ۔ اب یہ بتاؤ کہ یہ سرنگ کتنی لمبی تھی ہر کتاب کی جلد ½ انچ موٹی ہے اور ہر کتاب کے صفحوں کی موٹائی ایک ایک انچ ہے ۔

قیمت بتائیے

ایک آدمی نے ایک بطخ ۔ دو مرغابیاں اور تین تیتر ۱۶ روپے میں خریدے ۔ دو مرغابیوں اور تین تیتروں کی قیمت ملاکر اتنی ہی ہے جتنی ایک بطخ کی ۔ اور تین تیتروں کی قیمت اتنی ہے جتنی دو مرغابیوں کی ۔ بتاؤ ہر ایک کی قیمت الگ الگ کیا تھی ۔

پندرہ کا کھیل

لکڑی کے ۱۵ چوکور ٹکڑے لے کر ان پر ایک سے پندرہ تک نمبر ڈالو ۔ پھر انھیں ایک ڈبے میں رکھو جس میں ۱۶ خانے ہوں ۔ جیسا کہ تصویر نمبر ا میں دکھایا گیا ہے ۔
اب ان ٹکڑوں کو بغیر ڈبے سے اٹھائے اس طرح سرکاؤ کہ ان کی ترتیب ٹھیک ہو جائے ۔ یہ بات یاد رہے کہ شروع میں ٹکڑے کسی ترتیب میں رکھے جا سکتے ہیں ۔ یہی کھیل گتے کے ٹکڑوں سے بھی کھیلا جا سکتا ہے ۔
ڈبے کے بدلے کاغذ جس پر ۱۶ خانے کھنچے ہوں استعمال کیا جا سکتا ہے ۔

بڑھیا کی وصیت

ایک بڑھیا نے مرتے وقت ۳۳۳ روپے چھوڑے اور وصیت کی انھیں دو باپوں اور دو بیٹوں میں برابر برابر تقسیم کر دیا جائے اور ہر ایک کو ۱۱۱ روپے ملیں ۔
وکیل بڑے چکر میں آیا کہ کیا کیا جائے ۔ لیکن بڑھیا آخر بے وقوف نہ تھی ۔ اس کا حساب بالکل ٹھیک تھا ؟

دیا سلائیوں کے معمے کا حل

نونہال

فروری سنہ ۱۹۴۷ء
جلد ۴ —— نمبر ۴

چندہ سالانہ تین روپے
قیمت فی پرچہ چار آنے

کھلونوں کا تھیٹر

انگلستان میں آجکل کھلونوں کے تھیٹر کا بہت زور ہو رہا ہے۔ یہ تھیٹر بنے بنائے بازار سے خریدے جاسکتے ہیں۔ یا صرف ڈرامے خرید لئے جاتے ہیں جن کے ساتھ ڈرامے میں کام کرنے والوں کی تصویریں ہوتی ہیں۔ ان تصویروں میں مختلف رنگ بھر کر کاٹ لیا جاتا ہے اور پیچھے سہارے کے لئے کوئی کھپچی لگا کر تار باندھ دیتے ہیں۔ اس تار کو پردے کے پیچھے سے حرکت دی جاتی ہے اور ساتھ میں ڈرامے کا مکالمہ بولا جاتا ہے۔ ڈرامے کے کردار تیار کرنا بہت دلچسپ مشغلہ ہے۔ اسٹیونسن اور ڈکنز جیسے مشہور لکھنے والوں نے کہا ہے کہ بچپن میں انہیں کھلونوں کے تھیٹر دیکھکر از حد خوشی ہوتی تھی۔

نونہال۔ فروری

کتابوں کی باتیں

پچھلی بڑی جنگ کو ختم ہوئے بیس سال سے زیادہ نہ گزرے تھے کہ دنیا کو ایک نئی لڑائی کا سامنا کرنا پڑا جو پہلی سے بہت زیادہ تباہ کن تھی۔ ایسی خطرناک لڑائی آجتک دنیا میں نہیں ہوئی پہلی جنگ عظیم کو اتحادی لڑائی کو ختم کرنے کی لڑائی کہتے تھے اور بہت سے لوگوں نے اس مقصد کی خاطر اپنی جانیں قربان کیں۔ صرف اس امید پر کہ شاید دنیا میں لڑائیوں کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ ہو جائے لیکن بدقسمتی سے ایسا نہ ہوا۔ انجمن بین الاقوام دنیا میں صلح رکھنے کے لئے بنائی گئی تھی۔ لیکن تمام بڑی قومیں اس میں شریک نہ ہوئیں۔ اسلئے اس میں کوئی طاقت ایسی نہ تھی جو ہاری ہوئی قوموں مثلاً جرمنی کو ہتھیار بنانے سے باز رکھ سکتی۔ ان لوگوں نے بہت بڑی تعداد میں فوجیں، بندوقیں، ٹینک اور ہوائی جہاز وغیرہ تیار کرنے شروع کئے۔ اور اپنی شکست کا داغ مٹانے کا فیصلہ کیا۔ بین الاقوامی لیگ کے پاس کوئی دباؤ ایسا نہ تھا جس سے وہ ان قوموں کو جنگی تیاریاں کرنے سے روک سکتی۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا میں خوف وہراس کی لہر دوڑ گئی اور دوسری قوموں نے محسوس کیا کہ انھیں بھی حملہ کے لئے تیار ہو جانا چاہئے۔ چنانچہ دنیا میں جنگی تیاری کی ایک دوڑ سی ہونے لگی۔ یہاں تک کہ ان قوموں نے بھی جنہوں نے صلح نامے کی رو سے اپنے جنگی ہتھیار وغیرہ تباہ کر دیئے تھے، اوروں کو دیکھ کر پھر سے جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔ جنگ کا خطرہ دیکھ کر ہی لڑائیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ یو این او سب قوموں کی مرضی سے بنائی گئی ہے اور اس کے ذمہ دنیا میں امن قائم رکھنے کا کام مقرر ہوا ہے۔ امن قائم رکھنے کے لئے کئی کمیٹیاں بنائی گئی ہیں اور ہر ایک کے ذمے الگ الگ کام سپرد ہیں جو نونہال کے متعلق تم پڑھ ہی چکے ہو۔ یو این او کی پولیٹیکل کمیٹی نے ایک تجویز کے ذریعے اٹیم بم اور دوسرے تباہ کرنے والے ہتھیاروں پر پابندی لگانے کا فیصلہ کیا ہے۔ اٹیم کی طاقت اور سائنس کی مختلف ایجادیں ایک بین الاقوامی جماعت صرف پُرامن کاموں کے لئے استعمال کرنے کی اجازت دیگی۔

اس تجویز کا مقصد یہ نہیں کہ دنیا میں ہتھیار رہنے بالکل ہی بند ہو جائیں۔ مختلف ملکوں میں فوجیں بھی رہیں گی اور فوجی سامان بھی لیکن صرف امن و امان قائم رکھنے کے لئے اور اپنے بچاؤ کے لئے۔ اس تجویز کی رو سے کوئی ملک اپنے پاس حد سے زیادہ فوج اور جنگی سامان اپنے پاس نہ رکھ سکے گا۔ ایک بین الاقوامی کمیٹی اس کام کی دیکھ بھال کرے گی۔

دنیا کے امن کی خاطر یہ ضروری ہے کہ اس تجویز پر پورا پورا عمل کیا جائے۔ روس، برطانیہ اور امریکہ اس تجویز کے حامی ہیں۔ تمام قوموں نے ایک آواز ہو کر اسے پاس کیا ہے اسلئے معلوم ہوتا ہے کہ تمام قومیں دل وجان سے لڑائی سے بچنا چاہتی ہیں۔

امید ہے کہ یو این او وہ کام کر دکھائیگی جو بین الاقوامی لیگ نہ کر سکی اور ایک نئی دنیا کی تعمیر کرے گی۔

بلبل

(از ہینس کرسچین اینڈرسن)

چین کا بادشاہ ہمیشہ چینی نسل کا ہوتا ہے اور اسکے مصاحب بھی چینی ہوتے ہیں۔ یہ کہانی ہزاروں برس پرانی ہے۔ اسی لئے میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں تاکہ لوگ اسے بھلا نہ دیں۔ شہنشاہ کا محل دنیا میں سب سے عالیشان تھا۔ یہ قیمتی چینی سے بنایا گیا تھا لیکن اتنا نازک تھا کہ ٹیڑھے سیدھے ہاتھ مارنے سے بال پڑنے کا اندیشہ تھا۔ باغ میں بڑے نایاب اور نادر پھول نظر آتے ہیں۔ اور جو سب سے قیمتی تھے ان میں چاندی کی گھنٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ ان گھنٹیوں سے ایسی سریلی آواز نکلتی تھی کہ کوئی راہگیر ادھر دیکھے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔ غرض یہ کہ شہنشاہ کے باغ میں ہر چیز دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ باغ اتنا بڑا تھا کہ خود باغبان کو خبر نہ تھی کہ اس کی حدیں کہاں ختم ہوتی ہیں۔ اگر کوئی شخص اس باغ میں گھستا ہی چلا جائے تو وہ ایک نہایت دلکش جنگل میں جا پہونچتا جہاں اونچے اونچے درخت اور گہری جھیلیں تھیں۔ یہ جنگل سمندر تک چلا گیا تھا۔ سمندر کے گہرے نیلے پانی میں درختوں کی چھاؤں تلے بڑے بڑے جہاز تیرتے پھرتے تھے۔ انھیں درختوں میں ایک بلبل رہتی تھی۔ جو اتنا اچھا گاتی تھی کہ غریب ماہی گیر جب رات کو اپنا جال ڈالنے جاتا تھا تو اپنا کام چھوڑ چھاڑ اس کا گانا سنکر مبہوت سا ہو جاتا تھا۔

وہ کہتا تھا "کتنی پیاری آواز ہے"۔ لیکن اسے اپنے کام بھی کرنے ہوتے تھے اس لئے مجبوراً اسے بلبل کو بھلانا پڑتا تھا لیکن جب اگلی رات وہ دوبارہ بلبل کا گانا سنتا تو پھر بے اختیار پکار اٹھتا: "کتنی پیاری آواز ہے!"

دور دور سے سیاح بادشاہ کے شہر میں آتے اور اس کے محل اور باغوں کی خوبصورتی دیکھ کر دنگ رہ جاتے لیکن جب وہ بلبل کی آواز سنتے تو کہتے "یہ آواز ہر چیز کو مات کرتی ہے"۔

اور جب یہ سیاح اپنے وطن واپس جاتے تو لوگوں سے اسکا ذکر کرتے۔ مصنفوں نے اس شہر، باغ اور محل کے متعلق کتابیں لکھیں لیکن وہ بھی بلبل کو نہ بھولے اور اس کی بہت تعریف کی۔ شاعروں نے گہری جھیل کے کنارے جنگل میں رہنے والی بلبل کی شان میں قصیدے لکھے۔

کتابیں ساری دنیا میں پھیلیں اور چند بادشاہ کی نظر سے بھی گزریں۔ وہ اپنے سنہرے تخت پر بیٹھا محل، شہر اور باغ کا دلکش بیان پڑھ پڑھ کر جھومتا جاتا تھا۔ لیکن ہر جگہ اس کی نظر سے یہی گزرا کہ "بلبل کی آواز سب کو مات کرتی ہے"۔ اس بات پر اسے بہت تعجب ہوا۔

"یہ کیا؟" شہنشاہ چلایا۔ "میں بلبل کو جانتا تک نہیں۔ میری سلطنت میں، میرے اپنے باغ کے اندر ایسا کوئی پرندہ ہے؛ میں نے سنا بھی نہیں۔ کیسا اندھیر ہے کہ میرے ہی باغ کی چیز اور مجھے اس کا حال نہ معلوم ہوا!" یہ کہکر اس نے اپنے ایک شہسوار کو بلایا۔ یہ شہسوار اسقدر مغرور تھا کہ کسی سے سیدھے منہ بات نہ کرتا تھا۔

بادشاہ نے کہا: "سنا ہے کہ یہاں ایک عجیب و غریب پرندہ رہتا ہے جس کا نام بلبل ہے اور لوگ کہتے ہیں کہ وہ میری سلطنت کی سب چیزوں سے بڑھ کر ہے۔ میں نے آج تک اس کی بابت کیوں نہیں سنا؟"

شہسوار نے جواب دیا: "میں نے بھی اس کا نام کبھی نہیں سنا۔ آج تک اس کو دربار میں نہیں دیکھا گیا۔"

"میرا حکم ہے کہ وہ آج شام کو میرے سامنے حاضر ہو کر گائے۔"

شہنشاہ نے کہا: "ساری دنیا تو اس بلبل کو جانے اور میں اس سے بے خبر رہوں!"

شہسوار نے کہا: "میرے کانوں نے آج تک اس کا نام نہیں سنا۔ اب میں اس کو ڈھونڈھ نکالوں گا۔"

لیکن وہ کہاں ملتی! شہسوار محل میں ادھر ادھر بھاگا بھاگا پھرا۔ کبھی اس زینے پر، کبھی اس زینے پر، کبھی اس کمرے میں کبھی اس کمرے میں۔ لیکن کسی نے بھی بلبل کا پتہ نہ بتایا اور شہسوار بھاگ کر بادشاہ کے پاس گیا اور کہا کہ یہ ضرور من گھڑت قصہ ہے۔

"عالی جاہ کو یقین نہیں آسکتا کہ کتنے فرضی قصے لکھے جاتے ہیں۔"

بادشاہ نے کہا: "لیکن جس کتاب میں میں نے اس کا حال پڑھا ہے وہ مجھے جاپان کے عالی مرتبت شہنشاہ نے بھیجی تھی اسی لئے یہ جھوٹ نہیں ہو سکتا۔ میں بلبل کا گانا ضرور سنوں گا۔ آج شام کو وہ میرے دربار میں ضرور حاضر کی جائے۔ یہ حکمِ شاہی ہے اور اگر وہ نہ لائی گئی تو تمام دربار کو ہاتھیوں کے پیروں تلے رندوا دیا جائے گا۔"

"الٰہی خیر!" شہسوار نے کہا: "اور پھر اس نے محل کا کونا کونا چھان مارا۔ آدھے درباری اس کے پیچھے پیچھے تھے کیونکہ ہاتھی کے پیروں کے نیچے مرنا نہ چاہتا تھا۔ بہت تلاش کے بعد انھیں باورچی خانے میں ایک غریب لڑکی ملی، جو بولی:

"بلبل! اسے تو میں خوب اچھی طرح جانتی ہوں۔ ہاں وہ بڑے مزے میں گاتی ہے۔ روز شام کو میں اپنی بیمار ماں کے لئے بچا کھچا کھانا لے جانے کے لئے چھٹی لیتی ہوں۔ وہ سمندر کے کنارے رہتی ہے۔ واپسی میں میں تھک کر جنگل میں سستانے بیٹھ جاتی ہوں تو میں بلبل کا گانا سنتی ہوں اور میری آنکھوں میں آنسو چھلک آتے ہیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے میری ماں نے مجھے پیار کیا۔"

شہسوار نے کہا: "ننھی لڑکی اگر تم ہمیں بلبل کا پتہ بتا دو تو میں تمہیں شاہی باورچی خانے میں نوکری دلوا دوں گا اور تم شہنشاہ کو کھانا کھاتے دیکھ سکو گی، کیونکہ آج شام کو بلبل کی پیشی دربار میں ہے۔"

چنانچہ تمام لوگ جنگل میں پہنچے جہاں بلبل گایا کرتی تھی۔ آدھے درباری ساتھ ساتھ تھے۔ راستے ہی میں تھے کہ ایک گائے کی آواز آئی۔ دربار کے خادموں نے کہا: "اوہ! بلبل مل گئی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اتنی چھوٹی سی جان میں کتنی طاقت ہے۔ میں نے یہ آواز پہلے سنی ہے۔"

"نہیں یہ تو گائے کی آواز ہے۔ ابھی تو ہم اس جگہ سے بہت دور ہیں۔" لڑکی نے کہا۔ اب مینڈکوں نے بھی دلدل میں ٹرانا شروع کر دیا۔

"ماشاءاللہ!" بوڑھا چینی واعظ بولا: "اس کی آواز بالکل گرجے کی گھنٹیوں کی طرح ہے۔"

"نہیں! یہ تو مینڈک ہیں۔" لڑکی نے کہا: "لیکن میرا خیال ہے اب ہم قریب پہونچ گئے ہیں۔" اور اس وقت بلبل کی آواز آئی۔

"یہ ہے وہ آواز۔" لڑکی خوشی سے چلائی: "سنو، سنو! دیکھو بلبل وہ رہی!" اور یہ کہہ کر اس نے سلیٹی رنگ کے ایک چھوٹے سے پرندے کی طرف اشارہ کیا جو درخت پر بیٹھا تھا۔

"بلبل کبھی ایسی نہیں ہو سکتی۔" شہسوار چلایا: "معلوم ہوتا ہے کہ اتنے بڑے بڑے لوگوں کو دیکھ کر اس کا رنگ اڑ گیا ہے۔"

"ننھی بلبل" ننھی باورچن نے چلا کر کہا: "ہمارے شہنشاہ کی خواہش ہے کہ تم ان کے سامنے گاؤ۔"

بلبل نے کہا: "مجھے بڑی خوشی ہوگی۔" اور نہایت میٹھی آواز میں گانے لگی۔ وزیر بولا: "اس کی آواز شیشے کی گھنٹیوں کی سی ہے۔ اور اس کا گلا تو دیکھو، کس طرح کام کرتا ہے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ میں نے اس کی آواز پہلے کبھی نہیں سنی۔ یہ پرندہ دربار میں بڑا کامیاب ہوگا۔"

بلبل نے پوچھا: "کیا مجھے شہنشاہ کے سامنے پھر گانا ہوگا؟" کیونکہ وہ سمجھا تھا کہ شہنشاہ وہاں موجود ہے۔

"شاندار ننھی بلبل!" وزیر نے کہا: "میں بڑی خوشی سے تمہیں آج شام کو دربار میں آنے کی دعوت دیتا ہوں تاکہ تم اعلیٰ حضرت کو اپنے دلکش گانے سے لبھاؤ۔"

محل بہت شان سے سجایا گیا۔ چینی کی دیواریں اور فرش ہزاروں سنہرے قمقموں کی روشنی میں جگمگا رہے تھے۔ راستوں میں بہت سی شاندار گھنٹیاں لگا دی گئی تھیں جو خوب بجتی تھیں۔ ہر طرف بھاگ دوڑ مچی ہوئی تھی اور گھنٹیوں کی آواز سے اتنا شور تھا کہ کان پڑی آواز نہ سنائی دیتی تھی۔

جس ہال میں شہنشاہ بیٹھا تھا اس کے بیچوں بیچ میں بلبل کے بیٹھنے کے لئے ایک چھتری لگا دی گئی تھی۔ سارا دربار حاضر تھا اور ننھی باورچن دروازے کے پیچھے کھڑی ہوئی تھی کیونکہ اسے اب شاہی باورچن کا عہدہ مل گیا تھا۔ سب لوگ درباری لباس میں تھے اور ننھے حسین پرندے کو دیکھ رہے تھے۔ اتنے میں شہنشاہ نے اشارہ کیا اور بلبل نے اتنا شاندار گانا گایا کہ شہنشاہ کی آنکھوں سے آنسو نکل کر اس کے رخساروں پر بہنے لگے۔ پھر بلبل نے اور بھی سریلا گانا گایا جو دل میں اترتا چلا گیا۔ شہنشاہ اتنا خوش ہوا کہ اس نے حکم دیا کہ اس کی سنہری سلیپر بلبل کے گلے میں پہنا دی جائے۔ لیکن بلبل نے شکریے کے ساتھ انکار کر دیا اور کہا کہ اسے کافی انعام مل چکا ہے: "میں نے شہنشاہ کی آنکھوں میں آنسو دیکھے ہیں۔ یہ میرے لئے سب سے بڑی دولت ہے۔ شہنشاہ کے آنسوؤں میں عجیب قوت ہوتی ہے۔ مجھے کافی انعام مل چکا۔" اور اس نے ایک بار پھر سریلی اور شاندار آواز میں گایا۔

آس پاس جو عورتیں کھڑی ہوئی تھیں انھوں نے کہا: "ہم نے اتنی نازو انداز والی چڑیا کبھی نہیں دیکھی۔" اس کے بعد وہ بلبل کی سی آواز نکالنے کے لئے منہ میں پانی لے کر بات کرتی تھیں۔ اور حد یہ ہے کہ خادماؤں اور ماماؤں تک نے اسے پسند کیا اور یہ بڑی بات تھی کیونکہ ان لوگوں کو خوش کرنا بہت مشکل ہے۔ غرض یہ کہ بلبل کو بہت بڑی کامیابی نصیب ہوئی۔

بلبل کو اب محل میں رہنا پڑا۔ اسے ایک پنجرا مل گیا اسے دن کو دو مرتبہ اور رات کو صرف ایک مرتبہ نکلنے کی آزادی تھی۔ جب بلبل باہر جاتی تو بارہ نوکر ان ریشمیں ڈوروں کو بہت مضبوطی سے تھامے رہتے جو اس کی ٹانگوں میں بندھے ہوئے تھے۔ ایسی سیر میں کیا خاک مزا آتا۔

تمام شہر کی زبان پر اس عجیب و غریب پرند کا چرچا تھا۔ جب بھی دو آدمی ملتے بلبل ہی کا ذکر کرتے اور ٹھنڈا سانس بھرتے۔ گیارہ پیادوں کے لڑکوں کے نام بلبل کے نام پر رکھے گئے لیکن ان میں سے ایک بھی اتنا اچھا گانا نہ گا سکا۔ (باقی آئندہ)

کل کی باتیں

بقیہ صفحہ ۹

برسات میں ملیریا کا زور ہوتا ہے۔ اسلئے ہوشیار رہو۔ کونین استعمال کرو۔ یہ ملیریا کو روکتی بھی ہے اور اچھا بھی کرتی ہے۔ مچھر دانی لگا کر سوؤ۔ ورنہ جسم پر تیل وغیرہ مل لو تاکہ مچھر نہ کاٹیں۔

ان بیماریوں کے علاوہ اور بھی کئی بیماریاں ہیں جو تمہاری گھات میں ہیں۔ جہاں چوکے انھوں نے آن دبایا۔ تم انھیں ایسا موقع ہی نہ دو۔ طاقت پہنچانے والی غذائیں کھاؤ۔ اس کے متعلق تم پہلے نونہال میں پڑھ چکے ہو۔ صاف جگہ میں رہو۔ ورزش کرو اور اپنا گھر وغیرہ صاف ستھرا رکھو پھر کوئی بیماری تمہیں تنگ نہ کرسکیگی۔

تمہاری خالہ: مسرت

پانی آگ کو کیوں بجھاتا ہے؟

تم سب جانتے ہو کہ آکسیجن اور ہائیڈروجن دو گیسیں ہیں جو جلتی ہیں اور دوسری چیزوں کو جلنے میں مدد دیتی ہیں۔ پھر یہ کیا بات ہے کہ پانی جو ان دو گیسوں سے بنا ہے، آگ کو اور زیادہ بھڑکانے کے بجائے بجھا دیتا ہے؟ جواب صاف ہے۔ پانی ان دو گیسوں کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ ان اجزا کا مرکب ہے اور مرکب کے خواص اس کے عناصر کے خواص سے مختلف ہوتے ہیں۔

شاید تم جانتے ہو کہ عناصر کی کل تعداد ۹۲ ہے یعنی دنیا کی ساری چیزیں ۹۲ عناصر کی آپس میں ترکیب سے بنی ہیں۔ مثلاً پانی کے اجزا کو الگ کریں تو ہائیڈروجن اور آکسیجن گیسیں الگ الگ ہو جائیں گی۔ معمولی نمک کے اجزا کو الگ کریں تو سوڈیم اور کاربن گیسیں الگ الگ ہو جائینگی۔ ان سب مثالوں میں تم دیکھو گے کہ دونوں مرکبوں یعنی پانی یا نمک کے خواص کا ان کے اجزا کے خواص سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کی وجہ آگے چل کر سمجھائی جائے گی۔

کچھ مہینے پہلے میں نے تمہیں بتایا تھا کہ مادّے کے تمام عناصر جوہروں یا ایٹم کا مجموعہ ہیں۔ یعنی اگر تم مادّے کو تقسیم کرنا شروع کرو تو ایک حد ایسی آئے گی کہ اسے آگے تقسیم کرنا ناممکن ہوگا۔ اس حد کو ایٹم کی حد کہیں گے۔ لیکن کسی عنصر کا چھوٹے سے چھوٹا حصّہ یعنی ایٹم اپنے اندر اس عنصر کے خواص رکھتا ہے۔ چنانچہ لوہے کے ایٹم میں لوہے کا رنگ اور دوسرے خواص ہوں گے۔ لیکن اگر ایٹم کو توڑ دیا جائے تو اس کی خصوصیات مختلف ہو جائیں گی۔ پہلے لوگ ایٹم کی بناوٹ سے ناواقف تھے اسلئے ان کا خیال تھا کہ اسے توڑا نہیں جا سکتا۔ لیکن اب یہ مسئلہ حل ہو چکا ہے اور ایٹم سچ مچ توڑا جا چکا ہے۔ ایٹم کی بناوٹ کو ہم نظامِ شمسی سے ملتا جلتا کہہ سکتے ہیں۔ جیسے سورج کے گرد مختلف سیارے گھومتے ہیں اسی طرح ایٹم کے بیچوں بیچ ایک مرکز ہوتا ہے اور اس کے گرد برق کے چھوٹے چھوٹے ذرات گھومتے ہیں جنہیں برقیہ یا الکٹرون کیا جاتا ہے۔

چیزوں میں ان ذرّوں کی تعداد مختلف ہوتی ہے۔ ہائیڈروجن کے ایٹم میں صرف ایک برقیہ ہوتا ہے۔ ہیلیم کے ایٹم میں دو لیتھیم میں تین، پارے میں اسی اور سونے میں ۷۹ برقئے ہوتے ہیں۔ برقئے مرکز کے گرد مختلف حلقوں میں چکّر کھاتے ہیں اور ان کی تعداد پر اس چیز کے خواص کا انحصار ہوتا ہے۔

اب اگر تم آکسیجن اور ہائیڈروجن کو ملا دو تو ان کے ایٹم اپنے خواص برقرار رکھیں گے۔ یہ آمیزہ یا ملاوٹ پانی نہیں ہوگی بلکہ گیس ہوگی اور خود بھی جلے گی اور دوسری چیزوں کو جلانے میں بھی مدد دے گی۔ مرکّب بنانے کے لئے مختلف عناصر خاص تناسب میں درکار ہوتے ہیں اور اس کے علاوہ بجلی یا کسی اور طاقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس طرح ایک نیا سالم تیار ہو جاتا ہے۔ اس سالمے میں برقیوں کی تعداد اور ترتیب اس کے اجزا کے برقیوں کی تعداد اور ترتیب سے مختلف ہوتی ہے۔ یہ چیز بالکل نئی بن گئی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ مرکب کے خواص اجزا کے خواص سے مختلف کیوں ہوتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ پانی آگ کو بجھاتا ہے۔

انڈین سائنس کانگریس

انڈین سائنس کانگریس کا چونتیسواں اجلاس جنوری کے پہلے ہفتے میں دہلی میں منعقد ہوا۔ ہندوستان کی کسی سائنس کانگریس میں دنیا کے اتنے بڑے بڑے سائنس داں نہیں جمع ہوئے تھے۔ اس میں ہندوستان اور دوسرے ملکوں کے بہت سے نامور سائنس دانوں نے شرکت کی۔ برطانیہ، امریکہ، فرانس، چین اور روس سے بھی نمائندے آئے تھے یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے علم سائنس پر بڑے احسان کئے ہیں۔ برطانوی نمائندوں کے لیڈر سر چارلس ڈارون تھے۔ یہ اس مشہور ڈارون کے پوتے ہیں، جس نے ارتقاء کا نظریہ پیش کیا تھا۔

برطانیہ سے شاہی منجم سر ہیرلڈ اسپنسر جونس اور ایٹم ریسرچ کے ماہر پروفیسر بلیکٹ بھی آئے تھے۔ ان کے علاوہ فرانس کے مشہور حساب داں پروفیسر ہادامار اور امریکہ کے مشہور منجم ہارلو شیپلے بھی تھے۔

ابتدائی اجلاس ۳ رجنوری کو ہوا۔ اس کی صدارت پنڈت جواہر لال نہرو نے کی۔ حالانکہ موسم خراب تھا پھر بھی ہزاروں آدمی دہلی یونیورسٹی کے کھلے ہوئے میدان میں جلسہ کی کارروائی میں شرکت کے لئے موجود تھے۔

جب مختلف نمائندے گاؤن اوڑھے پہنے ہوئے جلوس کی شکل میں آئے تو مجمع نے پرجوش طریقے سے ان کا استقبال کیا۔ سر ماریس گوائر نے انھیں خوش آمدید کہا۔ اس کے بعد پنڈت نہرو نے اپنا خطبۂ صدارت پڑھا۔ اور پھر پروفیسر ہادامار نے تقریر کی۔ انھوں نے کہا کہ فرانس ہندوستان کی اس کوشش میں مدد کرے گا کہ سائنس کو دنیا میں امن کی خاطر استعمال کیا جائے۔

یونیورسٹی کے میدان میں ایک سائنس کی نمائش بھی ہوئی۔ اس کے مختلف شعبوں کو دیکھنے کے لئے لوگ جوق در جوق آئے۔ فوجیوں کا شعبہ سب سے دلچسپ تھا۔ وہاں راڈر کے آلات کے علاوہ لوہے کا پھیپھڑا بھی تھا جس نے بہت سے لوگوں کی جان بچائی ہے۔ لوگوں نے فن جراحی کے ان آلوں میں بہت دلچسپی دکھائی جو لڑائی کے زمانے میں ایجاد ہوئے ہیں۔ ان کے علاوہ پنسیلین کا انجکشن دینے کا خود کار آلہ بھی بہت مقبول ہوا۔ سائنس وصنعت کی تحقیقات کی انجمن کی طرف سے اور چیزوں کے علاوہ پلاسٹک کی نمائش ہوئی۔ تم ہوتے تو موسمی پیشینگوئی کے دفتر میں اڑتے ہوئے ہوا کا پتہ لگانے والے غباروں اور زمینی سروے کے خوبصورت نقشوں اور ریلوے کی فلموں سے خوب لطف اٹھاتے۔ لوگوں نے نفسیات کے شعبے میں بھی دلچسپی لی۔ بہتوں نے تو اس بات کا معائنہ بھی کرایا کہ ان میں کتنی ذہانت ہے اور وہ کس کام کے لئے موزوں ہیں۔

کانگریس کا اجلاس کئی دن تک ہوتا رہا۔ سائنسدانوں نے جمع ہو کر ایک دوسرے کو اپنی تحقیقات بتائیں اور ان پر بحث کی۔ شام کو عام لوگوں کے لئے لکچر ہوتے تھے جن میں سائنس دان اپنے اپنے مضمون پر سہل انداز میں تقریر کرتے تھے۔ سننے والے سائنس کے عجائبات سے خوب لطف اٹھاتے تھے۔ کانگریس کے دوران میں دہلی کے قریب نئے پوسا میں نیشنل سائنس لیبوریٹری کا سنگِ بنیاد بھی رکھا گیا۔ یہ ان تجربہ گاہوں کی ابتدا ہے جو ہندوستان میں سائنسی ترقی کے لئے کھولی جائیں گے۔

پہیلی

دو حرفوں کا لفظ کہا دے — الٹو پلٹو سیدھا آوے
کرسی بیٹھا حکم چلا دے — پھانسی دے یا قید کرا دے

منصور قیصر۔ لاہور

کل کی باتیں

عزیز بھانجو اور بھانجیو!

بیمار پڑنا کوئی اچھی بات نہیں اگر ذرا سا بخار بھی ہو جائے تو دو دن بستر سے اٹھا نہیں جاتا اور کھیل کود کا الگ نقصان ہوتا ہے۔ اسکے علاوہ کھانا بھی پرہیزی ملتا ہے اور اس سے خدا ہی بچائے تو اچھا ہے۔

فرض کرو کسی کے والدین بیمار ہو جائیں اور خدا نخواستہ انتقال کر جائیں تو کتنا بُرا ہو۔ ایسی صورت میں کون بچوں کی خیر خبر رکھے گا۔ کون ان کی تعلیم کا ذمہ دار ہوگا اور کون ان کی دیکھ بھال کرے گا۔ ہو جائے گی نا ان کی زندگی برباد۔ ہندوستان میں لاکھوں بچوں کی زندگی اسی وجہ سے تباہ ہوتی ہے کہ ان کے والدین کسی نہ کسی بیماری کا شکار ہو کر قبل از وقت مر جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک بیماری ہے تپ دق۔ اس کی سب سے بڑی وجہ ناکافی اور ناقص غذا ہے۔ لیکن جو لوگ تنگ اور تاریک محلوں اور گھٹے ہوئے مکانوں میں رہتے ہیں انھیں بھی یہ بیماری آسانی سے لگ جاتی ہے۔

اس بیماری سے بچنے کے لئے پھلوں اور دودھ کا استعمال کرنا ضروری ہے کیونکہ ان چیزوں میں وٹیمن کی مقدار بہت ہوتی ہے۔ ورزش اور صاف اور کھلی ہوا میں رہنا بھی تپ دق سے بچاتا ہے۔ تپ دق بہت جلدی پھیلتی ہے۔ اسلئے جن لوگوں کو یہ بیماری ہو انھیں ہسپتال بھیجنا چاہئے۔ ورنہ آس پاس رہنے والوں کو بھی یہ مرض لگ جائیگا۔

مریض کو ادھر ادھر تھوکنا نہیں چاہئے۔ کیونکہ تپ دق کے جراثیم تھوک میں ہوتے ہیں اور سوکھ کر وہ ہوا میں مل جاتے ہیں۔ جب اس ہوا میں تندرست آدمی سانس لیتے ہیں تو انھیں بھی یہ بیماری ہو جاتی ہے۔
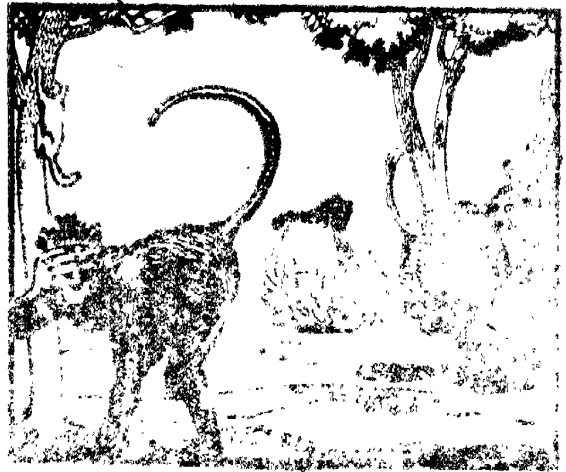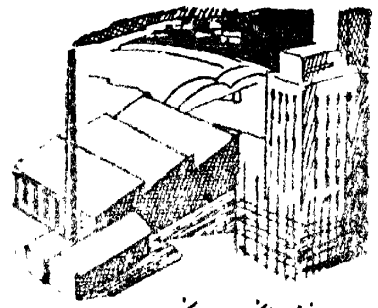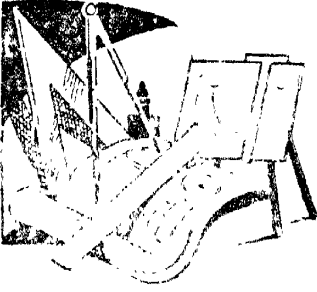
ایک اور مرض جو ہندوستان میں عام ہے وہ ہے چیچک اگر کسی کو یہ مرض ہو جائے تو اسکا بچنا محال ہے۔ اگر اتفاقاً بچ بھی جائے تو جسم پر ایسے بدنما نشان رہ جاتے ہیں کہ انکے خیال ہی سے پھریری آتی ہے اور بعض دفعہ تو چیچک اندھا اور بہرہ بھی کر دیتی ہے اگر گھر میں ایک کو ہو جائے تو سب کو لگنے کا خدشہ ہے اس سے بچنے کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ ٹیکہ لگوا لیا جائے۔

چیچک کے علاوہ اور خطرناک بیماریاں ہیں۔ طاعون اور ہیضہ۔ یہ اکثر وبا کی صورت میں پھیلتی ہیں۔ طاعون تو چوہے کے پسوؤں سے اور ہیضہ خراب کھانے اور پانی سے۔ اسلئے گھر کو ہمیشہ چوہوں سے پاک رکھنا چاہئے اور جب کبھی ہیضہ پھیلا ہو۔ پھل اور ترکاریاں خوب اچھی طرح دھونے کے بعد کھانی چاہئیں۔ پانی کو اگر ابال کر پیا جائے تو پھر کوئی خطرہ نہیں۔ کھانے پینے کی چیزوں کو مکھیوں سے بچانا چاہئے۔ کیونکہ یہی بیماری پھیلاتی ہیں۔

ہندوستان میں جتنے لوگ ملیریا سے مرتے ہیں کسی اور بیماری سے نہیں مرتے۔ یہ بیماری مچھروں سے پھیلتی ہے اسلئے اپنے گھر میں مچھر نہ پیدا ہونے دو۔ یہ گندی اور سیلی ہوئی جگہوں میں پرورش پاتے ہیں۔ اسلئے اپنے باغ میں یا صحن میں یا برتنوں میں پانی دنوں تک جمع نہ ہونے دو۔ گھر میں فلٹ چھڑکو سب گڑھوں کو بھر دو تاکہ پانی جمع نہ ہونے پائے۔ گاؤں کے تالاب میں مٹی کا تیل ڈالو تاکہ مچھر پیدا نہ ہونے پائیں۔

(باقی صفحہ ۵ پر)

خوش نویسی کا انعامی مقابلہ

نیچے لکھی ہوئی نظم کو اتنے ہی بڑے کاغذ پر خوشخط لکھ کر ۱۵ مارچ سے پہلے ہمارے پاس بھیج دو۔ سب سے اچھی دو تحریروں کو انعام میں کتابیں دی جائیں گی۔ صرف چودہ سال سے کم عمر کے لڑکے اس مقابلہ میں حصہ لے سکتے ہیں۔ نظم کے ساتھ پورا نام، عمر اور پتہ لکھنا اور اپنے والد یا ہیڈ ماسٹر سے عمر کی تصدیق کرانا ضروری ہے۔

جھنڈا اونچا رہے ہمارا

سب سے اچھا سب سے نیارا　　رنگ برنگا پیارا پیارا
قوم کی امیدوں کا سہارا　　دیس دلارا، جگ اجیارا
دل کی ٹھنڈک آنکھ کا تارا
جھنڈا اونچا رہے ہمارا

دیس دِسا دِکھلانے والا　　ہوش میں ہم کو لانے والا
جوش سے دِل گرمانے والا　　خدمت پر اُکسانے والا
قوم کی نیّا کھیون ہارا
جھنڈا اونچا رہے ہمارا

سوتوں کو بیدار کرے گا　　غفلت سے ہُشیار کرے گا
کوشش پر تیّار کرے گا　　قوم کا بیڑا پار کرے گا
ہو جائے گا وارا نیارا
جھنڈا اونچا رہے ہمارا

(وطنی نظمیں)　　محمد شفیع الدین نیّر

ضرور دیکھو

ایشیا کی سب سے اونچی پہاڑی ریل

از ہیم لتا چودھری

آٹھ بجنے میں پانچ منٹ باقی تھے اور دارجیلنگ میل سیالدہ سٹیشن سے چھوٹنے ہی والا تھا کہ آٹھ لڑکیاں اپنی استانی شیلا بوس کے ساتھ گاڑی میں چڑھیں۔ وہ سب چھٹی منانے دارجیلنگ جا رہی تھیں۔ گاڑی ٹھیک آٹھ بجے چلی۔

صبح جب ان کی آنکھ کھلی تو وہ سیلی گوری پہونچ چکی تھیں جہاں انھیں گاڑی بدلنی تھی۔ وہ جلدی جلدی دارجیلنگ جانے والی گاڑی میں داخل ہو گئیں۔ یہ گاڑی بالکل کھلونا معلوم ہوتی تھی۔ رتنا کے پوچھنے پر استانی نے انھیں سمجھایا کہ چونکہ گاڑی کو پہاڑ پر چڑھنا ہے اس لئے لائن کا تنگ ہونا اور انجن کا چھوٹا ہونا ضروری ہے۔ اس گاڑی میں لڑکیوں کو بڑا مزہ آیا۔

سات آٹھ میل تک تو میدان ہی رہے۔ پھر رفتہ رفتہ چڑھائی شروع ہوئی اور ترائی کے جنگل نظر آنے لگے۔ استانی نے انھیں بتایا کہ اس جنگل میں ہاتھی، شیر، بندر اور طوطے بافراط ملتے ہیں۔ ذرا سی دیر میں لڑکیوں کو رنگین طوطے نظر آئے۔ ایک دفعہ لڑکیوں نے گردن نکالی تو کیا دیکھا کہ گاڑی سانپ کی طرح بل کھاتی ہوئی اوپر چڑھ رہی ہے۔ انھوں نے یہ بھی دیکھا کہ کچھ لوگ انجن کے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں۔ استانی نے انھیں بتایا کہ وہ لائن پر ریت ڈال رہے ہیں تاکہ پہیئے لائن پر جما رہے۔ چونکہ سارا راستہ اونچا نیچا ہے اسلئے پہیئے کا لائن پر جمنا بہت ضروری ہے۔

ٹھنڈ باریا کے بعد بڑی ڈھلوان چڑھائی شروع ہو گئی۔ لڑکیاں خوشی سے چیخ رہی تھیں۔ بعض جگہ ریلوے لائن بالکل گولائی میں نظر آتی تھی اور انجنیئروں کے کمال کی تعریف کرنی پڑتی تھی۔ اس کے بعد وہ کرسیانگ پہونچی جو پانچ ہزار فٹ بلند ہے۔ موسم خوشگوار تھا اور انھوں نے منظر سے خوب لطف اٹھایا۔ جب ریل شہر سے گزری تو انھیں بڑا مزہ آیا۔

اس کے بعد ریل پہاڑی درّوں میں گھسنے لگی۔ لڑکیوں نے بہت سے مردوں اور عورتوں کو چائے کی پتیاں توڑتے دیکھا۔ یہ پتیاں توڑ کر سکھائی جاتی ہیں اور ڈبوں میں بند کر کے باہر بھیجدی جاتی ہیں۔ دارجیلنگ کی چائے دنیا بھر میں مشہور ہے۔ لڑکیوں نے یہاں کئی تصویریں کھینچیں۔

پھر آگے جا کر ایک سٹیشن آیا جہاں لڑکیاں اتر پڑیں اور شیلا دیوی نے انھیں "لجی دتی لتا" دکھائی۔ اس پودے کی پتیاں چھوتے ہی بند ہو جاتی ہیں۔ اسی لئے اسے "چھوئی موئی" بھی کہتے ہیں۔ کچھ لڑکیوں نے یہ پتیاں رکھ لیں۔

اس کے بعد وہ گھوم پہونچے جو اس سفر میں سب سے اونچی جگہ تھی۔ شہر کہر سے ڈھکا ہوا تھا۔ یہاں بہت سے پہاڑی لوگ نظر آئے۔ مرد نیپالی ٹوپیاں پہنے ہوئے تھے اور ایک خاص قسم کا چاقو لئے ہوئے تھے جسے ککرٹی کہتے ہیں

عورتیں مخملی کرتے اور رنگیں ڈوپٹے اور گھگھرے۔ وہ طرح
طرح کے عجیب وغریب زیور پہنے تھیں۔ ان کے نقش و نگار
منگولی اور چینی تھے۔

اس کے بعد گاڑی پانچ سو میل نیچے اتر کر دارجیلنگ
پہونچی۔ وہاں زیادہ تر عورتیں سٹیشن پر قلیوں کا کام کر رہی تھیں۔
وہ اپنی پیٹھ پر سامان لاد کر ایک کپڑے سے سر میں باندھ لیتی تھیں۔
ان قلیوں میں کچھ لڑکیاں بھی تھیں۔

کچھ دیر آرام کرنے کے بعد لڑکیاں مال روڈ گئیں۔
وہاں انھوں نے دیکھا کہ بھوٹیا لوگ گھوڑوں اور خچروں
پر رنگین چارجامے چڑھائے
لئے پھرتے ہیں۔ لڑکیاں
بھی ان گھوڑوں پر چڑھیں
اور شیلا دیوی نے انکی
تصویریں لیں۔ مال روڈ
سے وہ اونچی ہوتی ہوئی
پہاڑیاں دیکھ سکتی تھیں
اور سب سے اونچی چوٹی
کنچن جنگا کا برفانی سرا
آسمان سے باتیں کرتا ہوا
معلوم ہوتا تھا۔ ان لوگوں نے وہاں ٹھہر کر اس حسین
اور عجیب وغریب نظارے کو دیکھا اور انھیں خدا
یاد آ گیا۔ انھیں معلوم ہوا کہ پہاڑی لوگ بڑے مذہبی ہوتے ہیں۔

دوسرے دن لڑکیاں پہاڑی لوگوں کے مندر گئیں۔
وہاں مضبوط کھمبوں پر کپڑے بندھے ہوئے لہرا رہے تھے اور
ان کپڑوں پر کچھ مذہبی آیتیں لکھی ہوئی تھیں۔ انھوں نے
بدھوں کا مندر بھی دیکھا۔ کہیں کہیں بیس بیس فٹ کے
سنکھ بھی تھے جو تہواروں کے موقعوں پہ استعمال ہوتے ہیں۔

انھوں نے کچھ باغ بھی دیکھے اور خوبصورت پھولوں اور
رنگین تتلیوں کی تصویریں بھی۔ اسی دن انھیں تبّت کے کچھ
لاما بھی نظر آئے۔ دوسرے دن انھیں مال روڈ کے قریب
ایک بڑا جلوس ملا۔ اس کے بیچ میں دو عجیب وغریب عورتیں
عجیب قسم کے زیورات پہنے ہوئے تھیں۔ یہ تبت کی شہزادیاں
تھیں جو دارجیلنگ کی سیر کرنے آئی تھیں۔

چند دنوں بعد وہ دنیا کی سب سے اونچی پہاڑی ایورسٹ
پر سورج نکلنے کا سماں دیکھنے کی غرض سے ٹائیگر ہل گئیں۔ یہ
سماں اتنا شاندار تھا کہ وہ زندگی بھر یاد رکھیں گی۔

جب چھٹیاں
ختم ہوئیں تو وہ سب
اپنی ٹوکریوں میں
پھول، پودے،
پتھر، تتلیاں اور
پہاڑی عورتوں کے
زیورات بھر کر
واپس آئیں۔ ان
کے البم دلچسپ
تصویروں سے
پر تھے اور اپنے والدین اور دوستوں کو
سنانے کے لئے بہت سی نئی باتوں کا دفتر ان کے
پاس جمع تھا۔
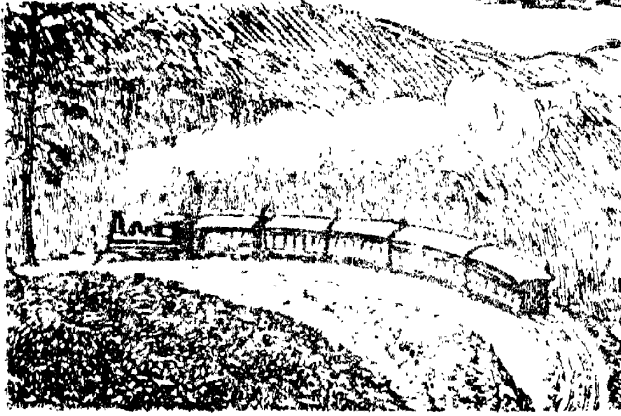
بچّوں کا اخبار

زیرِ ادارت ——— عزیز احمد

مکان لاریوں پر

یورپ میں المونیم کے مکان بہت پسند کئے جا رہے ہیں۔ کچھ دن ہوئے یو ول (سمرسٹ) میں ایک مکان چار لاریوں پر لد کر آیا۔ ہر لاری میں مکان کا چوتھائی حصہ تھا۔ آدھے گھنٹے سے کم عرصے میں مکان بن کر تیار ہو گیا۔ اس میں ایک ہال، ایک رہنے کا کمرہ، دو سونے کے کمرے، باورچی خانہ اور غسل خانہ تھا۔

سو میل فی گھنٹہ

پچھلے دنوں چیکوسلوواکیا میں ایک ایکسپریس ٹرین چلائی گئی ہے جو بجلی اور تیل سے چلتی ہے۔ اس کا نام "نیلی بجلی" ہے اور اس کی رفتار سو میل فی گھنٹہ ہے اس میں تین ڈبے ہیں اور ایک سو تیس مسافروں کی جگہ ہے۔ ایک کمرہ کھانے کا بھی ہے اس کے بنانے والوں کا دعویٰ ہے کہ یہ اسّی میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتی ہوئی ساڑھے چار سو گز کے اندر روکی جا سکتی ہے۔

قیمتی چابیاں

کلاک میکرس کمپنی، لندن کی طرف سے گھڑی کی عجیب و غریب قیمتی چابیوں کی ایک نمائش ہونے والی ہے۔ ان میں سے کچھ چابیاں سونے کی ہیں جن پر لعل و جواہر جڑے ہوئے ہیں۔ کچھ چابیوں کی شکل پستول کی سی ہے، کچھ پر پچی کاری کا کام ہے۔ ایک چابی ایسی ہے جیسے ہاتھی دانت کا جہاز بلّور میں تیر رہا ہو۔ اس میں روشن دانوں کی جگہ موتی لگے ہوئے ہیں۔

ویانا میں کمزور جنس

ویانا کی ٹریڈ کونسل نے حال میں پتہ چلایا ہے کہ وہاں صرف چار فی صدی لڑکے ایسے ہیں جن کا وزن تندرستی کے لحاظ سے ٹھیک ہے۔ ایسی لڑکیوں کی تعداد اٹھائیس فی صدی ہے۔

تیس زبانوں میں فلم

امریکہ کی مشہور فلم کمپنی "بیسویں صدی اسٹوڈیو" سومرسٹ مام کی مشہور کہانی "ریزر ندایج" کو دنیا کی تیس مختلف زبانوں میں فلما رہی ہے۔ ان میں ہندوستانی بھی ہے۔

نیورمبرگ کے مقدمے کا فلم

نیورمبرگ میں نازی جنگی مجرموں کا جو مقدمہ ہوا تھا اس کا فلم تیار ہو گیا ہے اور اس مہینے میں نمائش کے لئے پیش کر دیا جائیگا۔

موٹر کے پر نکل آئے

رابرٹ فلٹن نامی ایک امریکن نے ایسی موٹر کار بنائی ہے جو پر لگا کر اڑائی جا سکتی ہے۔ جب یہ زمین پر ہوتی ہے تو اس کے پر اور چرخی نکال لی جاتی ہے اور یہ بالکل موٹر کار معلوم ہوتی ہے۔ اس میں دو آدمی بیٹھ سکتے ہیں۔ اس کی چلنے کی رفتار پچاس میل فی گھنٹہ اور اڑنے کی رفتار ایک سو بیس میل فی گھنٹہ ہے۔

امن کا نوبل پرائز

دو امریکنوں کو ۱۹۴۶ء کا نوبل پرائز امن و امان کی کوششوں کے سلسلے میں ملا ہے۔ ان کے نام یہ ہیں: مس بالچ، صدر، امن و آزادی کی بین الاقوامی زنانہ لیگ اور جان موٹ، بین الاقوامی انجمن وائی ایم۔ سی۔ اے کے اکیاسی سالہ صدر۔

جزیرۂ مین کی احتیاط

جزیرۂ مین سے خبر آئی ہے کہ ۱۹۴۶ء میں وہاں سڑک پر موٹر کے حادثے سے ایک آدمی کی جان بھی نہیں گئی۔

چلنے کا ریکارڈ

برٹ کزنس نے سات ہفتے میں تین ہزار میل چل کر چلنے کا ریکارڈ توڑ دیا۔ وہ ایک اسٹیڈیم کے گرد چکر کاٹتا رہا اور اس عرصے میں بہت تھوڑی تھوڑی دیر آرام کیا۔ اس نے آخری میل بارہ منٹ میں پورا کیا۔

غائب ہونیوالا جزیرہ

نیوزیلینڈ کے چھ سو میل شمال میں جزیرہ فیلکن ہے جسے اکثر غائب ہو جانے کی عادت ہے حال میں کچھ ملاحوں نے بیان کیا کہ پچھلے باون سالوں کے عرصے میں وہ تیسری مرتبہ پانی میں ڈوب کر غائب ہو گیا۔

ہوشیار چڑا

کسی مکان کی چھت میں گھونسلا بنا کر ایک چڑیا اور چڑا رہا کرتے تھے۔ ایک دن جب چڑا دانہ دُنکا لے کر گھر واپس آیا تو دیکھا کہ چڑیا گھونسلے کے باہر پھڑپھڑا رہی ہے۔ چڑے کو دیکھ کر وہ نہایت گھبرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ہائے اب کیا ہوگا۔ گھونسلے میں سانپ بیٹھا ہے وہ ہمارے سب بچوں کو کھا جائے گا۔

چڑا بولا "فکر مت کرو میں بھگت لوں گا۔ میں کسی آدمی کو پکڑ لاؤں گا اور وہ سانپ کو مار ڈالے گا" لیکن آدمی تمہارا کہا کیوں کرنے لگا" "ذرا دم لو۔ دیکھنا تو سہی۔

یہ کہہ کر چڑا پھُر سے اڑ گیا اور ایک کھڑکی میں جا کر بیٹھ گیا وہاں کوئی عورت اپنے بالوں میں کنگھی کر رہی تھی۔ عورت کی انگوٹھی میز پر رکھی تھی چڑے نے انگوٹھی چونچ میں اٹھائی اور لاکر اپنے گھونسلے میں ڈال دی۔ عورت نے مالی کو آواز دی۔ اور کہا کہ چڑا میری انگوٹھی لے گیا ہے ڈھونڈ کر لاؤ۔ مالی نے سیڑھی لگائی اور درخت پر چڑھ گیا یہاں اس نے چڑیا کے گھونسلے میں ایک سانپ کو دیکھا۔ مالی نے سانپ کو مار دیا وہ انگوٹھی لے کر نیچے اترا اور عورت کو لے جا کر دے دی۔
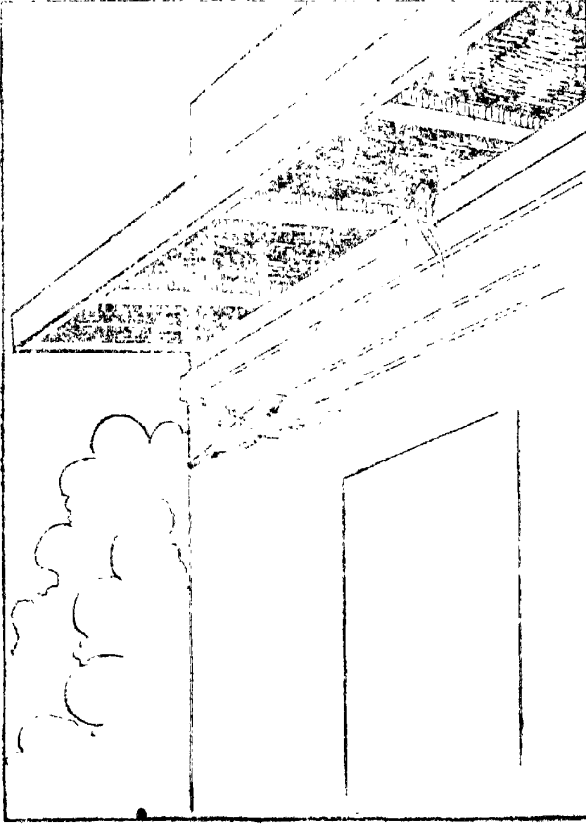
چڑا اور چڑیا اور ان کے بچے بہت خوش ہوئے۔

چڑے نے اترا کر کہا۔ "دیکھو میں نہ کہتا تھا کہ میں سانپ مارنے کے لئے کسی آدمی کو پکڑ کر لاؤں گا؟ بولو اب کیا کہتی ہو۔

"واقعی تم بہت عقلمند ہو" چڑیا بولی۔ اور بچوں نے اپنی ننھی آواز میں اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

کتابوں کی باتیں

حالی پبلشنگ ہاؤس۔ دہلی

ہمارے ملک میں تعلیمی کتابوں کی بہت کمی ہے نہ لکھنے والوں نے ادھر توجہ دی ہے نہ چھاپنے والوں نے۔ حالی پبلشنگ ہاؤس پہلا ادارہ ہے جس نے اس سلسلے میں کام کیا ہے اور ایک ساتھ تین کتابیں چھاپی ہیں۔ پہلی کتاب ولیم ایچ کلپیٹرک کی کتاب کا ترجمہ "نئی تہذیب نئی تعلیم" ہے جو بڑے اہتمام سے شائع کی گئی ہے۔ کتاب ۱۴۶ صفحے کی مجلد ہے اور قیمت دو روپے چار آنے ہے۔

دوسری کتاب "تعلیم اور سماج" ہے جو جامعہ ملیہ کے استادوں کے مدرسے کے پرنسپل سعید انصاری کی تصنیف ہے۔ یہ میکسیکو میں دیہی تعلیم کے ایک تجربے کا خاکہ ہے اور بڑی آسان اور سادہ زبان میں لکھا گیا ہے۔ کتاب کا تعارف ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب نے لکھا ہے۔ کتاب بہت خوبصورتی سے چھاپی گئی ہے۔ قیمت صرف دو روپے۔

تیسری کتاب "ہندوستانی تعلیم اور اس کے مسائل" چند تعلیمی خطبات کا مجموعہ ہے۔ خطبے دینے والوں میں خاص خاص نام یہ ہیں: ڈاکٹر ذاکر حسین، ڈاکٹر ڈی این سین، خواجہ غلام السیدین، ڈاکٹر عابد حسین، پروفیسر مجیب، مسز گاڈبا اور مس بوس وغیرہ۔ اس کتاب میں گویا ہندوستانی تعلیم پر بحیثیت مجموعی نظر ڈالی گئی ہے، ظاہری حسن کے لحاظ سے بھی کتاب لاجواب ہے قیمت تین روپے چار آنے۔ استادوں کو یہ کتابیں ضرور پڑھنی چاہئیں۔

مکتبہ جامعہ۔ دہلی

۱۔ دھوئیں کی پھانسی۔ از سید ابوطاہر۔ ۱۲۷ صفحے۔ قیمت ایک روپیہ۔

۲۔ قدرت کے کرشمے۔ اسّی صفحے۔ قیمت دس آنے

۳۔ کائنات۔ از محمود علی خاں۔ ۷۲ صفحے۔ قیمت نو آنے۔

یہ کتابیں کئی کئی بار چھپ چکی ہیں اور سب بچے انھیں اچھی طرح جانتے ہیں۔ لیکن ان کتابوں کی لکھائی، چھپائی اور تصویریں بہت بھدی ہیں اور قیمتیں بھی زیادہ ہیں۔

۴۔ خرگوش کا ہونٹ۔ ۲۴ صفحے۔ قیمت ۵/

۵۔ جنگل کا راجہ۔ از صبیحہ خانم۔ ۳۲ صفحے۔ قیمت ۵/

یہ کہانیاں بہت چھوٹے بچوں کے لئے لکھی گئی ہیں۔ اندازِ بیان دلچسپ ہے۔ کتابت اور چھپائی غنیمت ہے۔ لیکن گٹ اپ میں زیادہ توجہ دینے کی ضرورت تھی۔

۶۔ آدمی کی کہانی۔ از مشتاق احمد۔ ۱۲۰ صفحے۔ قیمت ڈیڑھ روپیہ

اس کتاب میں دنیا کی پیدائش سے لے کر طوفانِ نوحؑ تک کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ کتاب باتصویر ہے۔ بلاک کی تصویریں تو اچھی ہیں لیکن ہاتھ کی تصویریں اور اچھی بنائی جاسکتی تھیں۔ سرورق رنگین ہے۔ لیکن ۱۲۰ صفحوں کی کتاب کی ڈیڑھ روپیہ قیمت زیادہ ہے۔ (ع۔ ا)

بھولی سلمیٰ

اب رونا دھونا چھوڑ دو سلمیٰ، آؤ پکائیں کھیر
اسکول سے بھیّا آئیں گے تو کھینچیں گے تصویر
خود جھیڑ کے مجھ کو روتی ہو، یہ کیسا ہے انصاف؛
اچھا مجھ سے بھول ہوئی اب کردو مجھ کو معاف!
کیوں روٹھی مجھ سے بیٹھی ہو اے بہنا کر لو میل
تم آکر میرے کھلونے ہو، یہ موٹر ہے یہ ریل
اب آؤ گلے سے لگ جاؤ، میں تم کو کھلاؤں کیک
میری سلمیٰ کتنی اچھی کتنی بھولی، کتنی نیک!

صفیہ امین (رائے بریلی)

سب سے پرانی تصویریں کہاں ہیں؟

سب سے پرانی تصویریں پتھر کے زمانے میں اسپین کے غاروں میں رہنے والوں نے بنائی تھیں۔ یہ تصویریں دیواروں پر بنی ہوئی ہیں۔ ان کا پتہ تقریباً پچاس برس پہلے چلا تھا۔ یہ تصویریں ہرنوں، بارہ سنگھوں، ارنا بھینسوں، بھیڑیوں اور ریچھوں کی ہیں۔ جب ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تاریخ سے پہلے کے زمانے میں بنائی گئی تھیں تو ہم ان تصویروں کی اعلیٰ نقاشی دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں۔ ابھی تک یہ پتہ نہیں چل سکا کہ یہ تصویریں کسی ایک آدمی نے بنائی تھیں یا مختلف آدمیوں نے مل کر بنائی تھیں۔

غبارے کس نے ایجاد کئے؟

معلوم ہوا ہے کہ جب یورپ والوں کو غبارے کا خیال آیا اس سے پانچ سو برس پہلے چینی غبارہ ایجاد کر چکے تھے۔ یورپ کا ایک پادری جو سترہویں صدی میں چین میں تھا لکھتا ہے کہ چینیوں نے ۱۳۰۶ء میں شہنشاہ فوکین کی تاجپوشی کے جشن میں غبارہ استعمال کیا تھا۔

زمین کی عمر کیا ہے؟

تین سو برس پہلے زمین کی عمر کا اندازہ ہزاروں سالوں میں کیا جاتا تھا۔ لیکن ریڈیو کی لہروں کی ایجاد نے ہمیں اس قابل کر دیا ہے کہ ہم زمین کی عمر کا زیادہ صحیح اندازہ کر سکیں۔ اب اندازہ لگایا جاتا ہے کہ زمین تقریباً تین ارب سال پرانی ہے۔ لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ اندازہ بالکل صحیح ہے۔

سمندر کی سطح کے نیچے پہاڑ ہیں؟

سطح زمین کی طرح سمندر کی تہ میں بھی پہاڑ، وادیاں، ٹیلے اور پلیٹو ہوتے ہیں۔ جب یہ پہاڑ سطح سمندر سے باہر ابھر آتے ہیں۔ تو جزیرے کہلاتے ہیں۔

چند باغ تیرتے ہیں؟

دارالسلطنت میکسیکو کے قریب ایک جھیل میں ایک تیرتا ہوا باغ ہے۔ لکڑی کے تختوں کے تین سو فٹ لمبے بیڑے پر مٹی جما دی گئی ہے اور اس پر طرح طرح کے پھل، پھول اور سبزیاں بوئی ہوئی ہیں۔ کشمیر میں بھی ڈل جھیل میں تیرتے ہوئے باغ ہیں۔

چڑیوں کی نگاہ آدمیوں سے تیز ہوتی ہے؟

مختلف جانوروں کی دیکھنے کی طاقتیں مختلف ہوتی ہیں۔ چڑیوں کی نگاہ آدمیوں سے تیز ہوتی ہے۔ ان کی آنکھوں کی ساخت ایسی ہوتی ہے کہ ان سے ہر چیز صاف اور اچھی نظر آتی ہے۔

عزیز بھانجو اور بھانجیو!

بہت سے بچوں نے مجھے بڑے دن اور نئے سال کے خوبصورت کارڈ بھیجے۔ جس سے مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ اس خوشی کے موقع پر یاد رکھنے کے لئے تمہارا شکریہ!

اس مہینے میں تمہیں کچھ ضروری باتیں بتانا چاہتی ہوں۔ روزانہ میرے پاس بچوں کے خط آتے ہیں جو اپنے مضمون اشاعت کے لئے بھیجنے کی اجازت چاہتے ہیں۔ تم شوق سے مضمون بھیجو۔ میں بڑی خوشی سے ان پر غور کروں گی اور اگر وہ اشاعت کے قابل ہوں گے تو چھاپ دوں گی۔

دوسری بات یہ کہ بہت سے بچے خط لکھتے وقت اپنا پتہ نہیں لکھتے اور پھر شکایت کرتے ہیں کہ ان کے خطوں کا جواب نہیں دیا جاتا۔ یاد رکھو کہ آئندہ لکھتے وقت تین باتوں کا ذکر کرنا بہت ضروری ہے۔

(۱) پورا نام
(۲) خریداری نمبر
(۳) ممبری نمبر (اگر تم نوڈے لیگ کے ممبر ہو)

مجھے امید ہے کہ آئندہ خط لکھتے وقت تم ان باتوں کا ضرور خیال رکھو گے۔

مجھے مندرجہ ذیل بھانجوں کا بھی شکریہ ادا کرنا ہے جنہوں نے تصویروں کی خوب صورت کتابیں بیمار بچوں کے لئے بھیجیں۔

(۱) سیّد عبدالماجد (۲) احسان اللہ نائک
(۳) سراج الدین شیدا (۴) مشتاق احمد نقوی۔
(۵) منصور قیصر (۶) مسلم ناصر سالک
(۷) ارشد حسین زبیری۔

تمہاری خالہ
مسرت
پی۔ بی ۱۱۸۱ - دہلی

فارم ممبری برائے "نوڈے لیگ"

خریداری نمبر ____________________
چندہ بھیجنے کی تاریخ __________ چندہ ختم ہونے کی تاریخ __________
نام ____________________
تاریخ مہینہ اور سال پیدائش ____________________
سرپرست کا نام ____________________
پورا پتہ ____________________
____
دستخط __________
تاریخ __________

میگنس اور سفید ریچھ کی کہانی

(۲)

"پولاریل" نقال چڑیا نے آہستہ سے کہا

"پولاریل" میگنس نے بلند آواز میں دہرایا۔

"پولاریل، بے چارہ پولاریل" ریچھ نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔

"پولاریل پر رحم کھاؤ"

میگنس پریشان ہو گیا۔ وہ ریچھ سے لڑنے اور اسے مارنے کے لئے آیا تھا۔ اور ریچھ رحم کی درخواست کر رہا تھا۔ وہ کیا کرتا؟ اس نے اتنا عمدہ سفید ریچھ کبھی نہ دیکھا تھا اور وہ اسے مار کر اعزاز حاصل کرنا چاہتا تھا۔

ہنس واپس آ گیا تھا۔ وہ ریچھ کی ٹانگوں پر جھپٹا لیکن میگنس نے اسے روک دیا۔ ریچھ نے کہا "تم آج رات کا کھانا میرے ساتھ کھاؤ۔ یہاں بہت سردی ہے۔" "واقعی؟" میگنس نے پوچھا۔ ریچھ بولا: "ڈرو نہیں۔ میں تمہیں نقصان نہیں پہونچاؤں گا۔ اور کل میں تمہارے ساتھ بڑا احسان کروں گا۔"

نقال چڑیا نے میگنس کے کان میں کہا،

"پولاریل سے وعدہ کر لو۔ یہ ٹھیک ہے۔ یہاں کی ہر چیز کتنی ہی عجیب کیوں نہ ہو۔ لیکن تم ڈرنا مت۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ آج رات بلا خوف ریچھ کے ساتھ کھانا کھاؤ۔"

میگنس نے غصے سے کہا: "میں یہاں ریچھ کو مارنے آیا تھا۔" چڑیا بولی: "بے وقوفی کر کے اپنا سفر تباہ مت کرو۔ دعوت قبول کر لو۔"

پولاریل نے کہا: "آؤ۔"

میگنس اور پولاریل غار میں داخل ہوئے ہنس ان کے پیچھے تھا اور مشعلیں دو دو کے جوڑ بنائے ساتھ تھیں۔ کچھ بارہ سنگھے کھڑے ہوئے ان کی طرف دیکھ دیکھ کر زار و قطار رو رہے تھے۔ "یہ رو کیوں رہے ہیں؟" میگنس نے پوچھا۔ پولاریل نے جواب دیا: "اگر تم میرا کہنا مانتے جاؤ تو پھر یہ نہ روئیں گے۔"

اداس باجہ برابر بج رہا تھا۔ میگنس نے سوچا: "اگر میں سفید ریچھ ہو جاتا تو اتنی اداسی ہرگز نہ ہوتی۔" "ہوتی اس سے کہیں زیادہ ہوتی" نقال چڑیا بولی۔ اس پر میگنس نے اس سے کہا: "کیا میں خود نہیں سوچ سکتا؟ کاش تم یہاں نہ ہوتیں؟"

اتنے میں ریچھ نے ایک پردہ ہٹایا اور میگنس کو دوسری کھوہ نظر آئی۔ ہر طرف ہاتھ لہرا لہرا کر اس سے ہاتھ ملا رہے تھے۔ یہ ہاتھ میں مشعلیں پکڑے ہوئے تھے جن کی خوبصورت روشنی کھوہ میں پڑ رہی تھی۔ کئی ریچھ آہستہ آہستہ بڑھے اور پولاریل سے ملے۔ ان کے گلے میں ہار پڑے ہوئے تھے۔ ان کے سامنے کے پنجے کٹے ہوئے تھے اور ان پر رومال بندھے تھے۔ وہ سب رو رہے تھے۔ پولاریل نے کہا: "میرے ریچھ! بیچارے ریچھ!" میگنس نے پوچھا "بیچارے کیوں؟" نقال چڑیا نے جواب دیا: "اگر تم پولاریل کا کہنا مانتے جاؤ تو تمہیں معلوم ہو جائے گا۔"

پھر سب نے مل کر کھانا کھایا۔ کھانے پر آئس لینڈ کی کائی اور مچھلیاں تھیں۔ ریچھوں کو بھوک نہیں تھی اسلئے میگنس اور ہنس نے سارا کھانا کھایا۔ اس کے بعد میگنس اور ہنس کھوہ کی ایک چھوٹی سی کھوہ میں بستر پر سونے کے لئے لیٹ گئے۔ ہنس کو نیند نہیں آئی لیکن میگنس خوب سویا اور بڑے میٹھے خواب دیکھتا رہا۔

صبح اسے یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ اس کے بستر کے پاس ایک پیالہ قہوہ، کچھ سفید روٹیاں اور مکھن اور گوشت کے کچھ ٹکڑے رکھے ہوئے ہیں۔ اس نے ہرن کی کھال پہن لی اور خوب مزے سے ناشتہ کیا۔ جب ہنس کو خبر ہوئی تو اس نے بھی کچھ کھایا۔

اس کے بعد میگنس پہلی کھوہ میں گیا جہاں اب تک باجہ بج رہا تھا۔ اور ریچھ زار زار رو رہے تھے۔ وہ کھوہ کے ایک سرے پر

کھڑے ہوئے تھے۔ پولاریل نے میگنس کی طرف دیکھ کر کہا :- "اب تم اپنا وعدہ پورا کرو اور جو میں کہوں وہ مانو ۔" میگنس اس سنجیدہ منظر کو دیکھ کر تعجب میں تھا۔ اس نے پوچھا کہ وہ کیا کرے۔ پولاریل کے پیچھے کھینچے ہوئے ننھے ہاتھوں اور ریچھ کے پنجوں کے کئی جوڑ ہوا میں نظر آئے۔

"میرا سر کاٹ ڈالو ۔" پولاریل نے کہا۔ میگنس چونک پڑا وہ بولا:-

"لیکن تم نے میری جو خاطر کی ہے اس کا بدلہ یہ تو نہیں ہو سکتا !" "میرا سر کاٹ ڈالو ۔" پولاریل نے دہرایا ۔ "کیا تم مرنا چاہتے ہو؟" میگنس نے پوچھا۔ جواب ملا ۔ "سر کاٹ کر تم میرے اوپر سب سے بڑا احسان کر سکتے ہو ۔" "میں یہ نہیں کر سکتا ۔" میگنس نے کہا ۔ "لیکن تم نے وعدہ کیا ہے ۔" پولاریل بولا ۔ "تمہارا وعدہ ؟" نقال چڑیا نے بھی کہا۔ تمام ریچھوں اور بارہ سنگھوں نے یہی بات دہرائی اور پھر سب مل کر چیخنے لگے ۔ "کاٹ ڈالو۔ کاٹ ڈالو۔ ڈرو نہیں ۔"

ہاتھ اور پنجے ادھر ادھر ہلنے لگے اور ایک پنجے نے میگنس کا چاقو نکال کر اس کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ پولاریل ڈٹا کھڑا تھا۔ وہ بولا ۔ "کاٹ ڈالو ۔" اور ایک لمحے میں اس کا سر تن سے جدا تھا اور اب نہایت حیرت انگیز واقعہ ہوا۔ میگنس کے سامنے ایک نہایت خوبصورت لڑکی کھڑی تھی۔

"تو تم سفید ریچھ نہیں ہو ؟" میگنس نے پوچھا۔

"بالکل نہیں ۔" پولاریل نے جواب دیا ۔ "میں ایک شہزادی ہوں اور تمہاری شکرگزار ہوں کہ تم نے مجھے آزاد کرا دیا ۔" "شہزادی !" میگنس نے تعجب سے دہرایا کیونکہ وہ شمالی ملک کی ایک شہزادی کا حال سن چکا تھا جو غائب ہو گئی تھی اور لاپتہ تھی۔ اف ! وہ پولاریل نامی سفید ریچھ ہو گئی تھی۔ کس قدر حیرت انگیز بات ہے اس نے کتنا اچھا کیا کہ اس کا سر کاٹ ڈالا !!

اب رونا دھونا خوشی میں تبدیل ہو گیا کیونکہ سارے پنجے ہاتھ بن گئے تھے اور اپنے اپنے جسموں میں لگنے جا رہے تھے ۔ یہ شہزادی کی ان سہیلیوں کے ہاتھ تھے جو اس کے ساتھ غائب ہوئی تھیں۔

کتنی خوشی منائی گئی ! سب ایک دوسرے سے گلے ملیں سب کے سب میگنس کے گرد جمع ہو گئیں، اس سے ہاتھ ملایا اور اسے "بہادر جانباز" اور "لیپ لینڈ کا لائق بیٹا" کہہ کر پکارا

"اب ہم سب گھر جائیں گے۔ گھر جائیں گے۔ گھر جائیں گے ۔" وہ سب خوشی سے چیخ رہی تھیں "اور میگنس ہمارے ساتھ جائیگا ۔" شہزادی نے کہا ۔ "میرے ابا اسے بڑی دولت دیں گے، سب اس کی عزت کریں گے اور کہیں گے ۔ "شہزادی کو آزاد کرانے والا میگنس زندہ باد ۔"

ادھر یہ باتیں ہو رہی تھیں۔ ادھر نقال چڑیا باہر جا کر کئی کشتیاں لائی جن میں لڑکیاں بچے گھر جانے کے لئے تیار ہو کر بیٹھ گئے۔ چڑیا لیپ لینڈ کا ایک قدیم باشندہ بن گئی اور اسی کشتی میں پیچھے بیٹھ گئی جس میں شہزادی اور میگنس تھے۔ منیں کھڑا اپنی پوری طاقت سے بھونک رہا تھا۔

جب شہزادی گھر پہونچی تو سب لوگوں نے بڑی خوشیاں منائیں، اور خوب نعرے لگائے۔ بادشاہ اور تمام لڑکیوں کے باپ میگنس کے شکرگزار ہوئے۔

جب میگنس گھر لوٹا تو اس کے ساتھ اتنا سونا چاندی تھا کہ اسکے باپ اور دوستوں نے کہا کہ اس نے جو کچھ کیا تھا وہ ریچھ کے شکار سے کہیں بہتر تھا۔ اس کے بھائی اولف نے بھی شمال میں جا کر ریچھ مارنے کا خیال چھوڑ دیا اور کہنے لگا ۔ "اس ریچھ کے بعد جو شہزادی بن گیا، کوئی ریچھ اس قابل نہیں کہ اس کا شکار کیا جائے ۔"

خفیہ پیغام

یہدی گیل تی رذیبظی گگنے ڈنتریب

امبئہ

لڑکوں کیلئے بہتر کھیل ... اور کھیل شروع - اسے پکڑو! نہیں، چھوٹ گیا ۔ پکڑو نہیں، اُڑتے کو نشانہ بناؤ - اس وقت اس نے اسے پا لیا ۔ لیکن ذرا ٹھہر جائیے، اپنے ہاتھ دیکھ لو! جی ہاں! ہم جانتے ہیں کہ تم نے لائف بوائے کی عادت سیکھی ہے لیکن آپ جانتے نہیں کہ اب اُنہیں دھونے کی ضرورت ہے ۔ شاید آپ یہ بھول جاتے اور لائف بوائے کے ذریعہ کھانا کھانے سے پیشتر ہاتھ منہ دھونا نہایت لازمی ہے، یہ بھی چھوڑ دو۔ اینٹی سیپٹک (جراثیم کش) صفت رکھنے والے لائف بوائے کے ذریعہ دھونا کبھی بھول نہ جانا جو کہ مع جراثیم کے میل سے نجات دلاتا ہے ۔ آپ اس پر عمل کریں تو آپ کے والدہ کو تسلی حاصل ہوگی ۔ اسی لئے آپ ہمیشہ لائف بوائے کی عادت رکھیے گا ۔

والدین کیلئے: جہاں کہیں آپکے بال بچے گھر، مدرسہ یا گلی کوچے میں کھیلتے ہیں، تو آپ جانیں کہ انہیں ہر دم گرد و غبار کے خطرناک جراثیم کا اندیشہ ہے ۔ ڈاکٹر لوگ ہم سے کہتے ہیں کہ معمولی گرد و غبار اور گندگی بھی کم از کم ۱۲۷ امراض کا باعث ثابت ہو چکے ہیں ۔ لائف بوائے کے ذریعہ کامل طور سے اور حسب معمول دھونا ہی گرد و غبار کے جراثیم کو مدافعت کرنے کا مستعد اور محافظ طریقہ ہے ۔

Dept A103 P O. Box 758, Bombay, کے پتہ پر لکھیے کہ آپ نے لائف بوائے کے بارے میں کیا سوچ لیا ہے؟ ہر ماہ ایک انعام دیا جائیگا جو کہ حسب ذیل سوال کا معقول جواب دے "میں کس لئے لائف بوائے کا استعمال کرتا ہوں؟"

لائف بوائے ایک بہترین صابن ہی نہیں، بلکہ اس کا استعمال کرنا ایک اچھی عادت ہے

L. 84 23 UD

LEVER BROTHERS (INDIA) LIMITED

ہنسو ہنساؤ

استاد:- خالد تم کیا کر رہے ہو؟

خالد:- جناب میں انور کی مدد کر رہا ہوں۔

استاد:- اور انور تم کیا کر رہے ہو؟

انور:- کچھ نہیں جناب۔

مجسٹریٹ- (ملزم سے) تمہارا جرم ثابت ہو گیا ہے کیونکہ چرائی ہوئی چیزوں پر تمہاری انگلیوں کے نشان موجود ہیں۔

ملزم:- بالکل غلط جناب۔ میں اس وقت دستانے پہنے ہوئے تھا۔

روفی بال کمرے سے تمام چھتریاں ہٹا رہا تھا کیونکہ اس کے کچھ دوست کھانا کھانے آنے والے تھے۔ اس کی بیوی نے پوچھا:- "کیا تمہارا خیال ہے کہ وہ چھتریاں چرا لیں گے؟"

"نہیں"- روفی نے جواب دیا "لیکن شاید وہ انھیں پہچان جائیں۔"

ماں:- ننھی! تم موزے پہن کر پاؤں کیوں دھو رہی ہو؟

ننھی:- اماں- پانی بہت ٹھنڈا ہے۔

سرد کمار قاصد۔ لاہور

صبح کا گیت

اک گیت ہوا نے گایا اب رات کی پلٹی کایا
چڑیوں نے الاپا راگ
اٹھ جاگ جگانے بھاگ

اٹھ بیٹھی دھرتی ماتا کیوں سونا تجھے ہے بھاتا
ہے نیند سے اچھی لاگ
اٹھ جاگ جگانے بھاگ

شبنم نے گلوں کو چوما ہر کھیت خوشی سے جھوما
اڑتنے کالے کاگ
اٹھ جاگ جگانے بھاگ

ثریا جبیں ناہید (جہلم)

پون چکّی بناؤ

کبھی کبھی گتّے کے ٹیوب میں لوگ ڈاک سے چیزیں بھیجتے ہیں۔ یہ ٹیوب کبھی پھینکنے نہیں چاہئیں کیونکہ ان سے بڑی اچھی اچھّی چیزیں بنائی جا سکتی ہیں۔ مثلاً ایک یہ ہے۔

ایک ٹیوب میں سے آٹھ انچ لمبا ٹکڑا کاٹ لو اور اس کے گرد پیلے رنگ کا ایک کاغذ چپکا دو۔ اس پر پنسل سے کہیں کہیں کھڑکیاں بنا دو اور ایک جگہ دروازہ بنا دو۔ ایک سرے کی طرف سوئٹر بننے والی سلائی گتّے میں اس طرح چبھوؤ کہ ایک طرف سے نکل کر دوسری طرف والے گتّے کے پار ہو جائے۔ اب سلائی نکال لو۔ دو سوراخ رہ جائیں گے۔ ان سوراخوں میں مضبوط تار کا ایک ٹکڑا ڈال دو۔ تار کا ایک سرا اس طرح موڑو کہ ہینڈل سا بن جائے اور دوسری طرف کارک لگانے کی جگہ رکھو۔ کارک میں چار شگاف بناؤ۔ ہر شگاف میں پتلے گتّے کے چار ٹکڑے اس طرح لگا دو کہ وہ چکّی کے پنکھ معلوم ہوں۔ اب کارک کو تار کے ایک سرے پر لگا دو اور دوسرا سرا یعنی ہینڈل گھماؤ چکّی خوب چلے گی۔

اگر تم اس چکّی کے اوپر ایک چوٹی دار چھت بنا دو تو یہ بالکل ہی چکّی کی طرح نظر آئے گی۔ ایک دائرہ کھینچو اور اسے سرخ یا کسی اور بھڑکیلے رنگ سے رنگ کر کاٹ لو دائرے میں سے ایک ایک ٹکڑا جیسا کہ تصویر میں دکھایا گیا ہے کاٹ لو اب سرے موڑ کر جوڑ دو۔ کاغذ کی شکل خیمے کی سی ہو جائے گی پھر گوندے سے چپکا دو پون چکّی تیار ہے۔

پچھلے مہینے کے معمّے

بُڑھیا کی وصیّت

کا حل

روپیہ دو باپوں اور دو بیٹوں میں تقسیم کرنا تھا لیکن ایک بیٹا باپ بھی تھا یعنی وہ بیٹا، باپ اور دادا تھے۔

بتائیے

اگرچہ دیکھنے میں یہ معمہ نہایت سہل معلوم ہوتا ہے لیکن اس کا حل کرنا آسان نہیں۔

ایک میل تار ۴۰ ایکڑ کے کھیت کو گھیرتا ہے تو بتائیے دو میل لمبا تار کتنے بڑے کھیت کو گھیرے گا۔

پچھلے مہینے کے معمے

"کتاب کا کیڑا" کا حل

پہلی جلد کا پہلا صفحہ کتاب کے دائیں طرف ہے اور آخری جلد کا آخری صفحہ کتاب کے بائیں طرف ہے اسلئے سرنگ کا اثر پہلی اور تیسری جلد کے صفحوں پر بالکل نہیں پڑا۔ بلکہ وہ چار جلدوں میں سے گزری جنکی موٹائی ملاکر ایک انچ ہوتی ہے۔ اور دوسری جلد کے صفحوں میں سے جنکی موٹائی ایک انچ ہے۔ اسلئے کل ملاکر سرنگ دو انچ لمبی ہوئی۔

پچھلے مہینے کے معمے

"قیمت بتائیے" کا حل

بطخ کی قیمت	۴ روپے
مرغابی کی قیمت	۳ روپے
تیتر کی قیمت	۲ روپے

کپڑے کا تھان

ایک آدمی کے پاس ۹۰ گز کپڑے کا ایک تھان ہے۔ وہ اس میں سے ایک ایک گز کے ۹۰ ٹکڑے پھاڑنا چاہتا ہے۔ ایک ٹکڑا پھاڑنے میں اسے ۳ سیکنڈ لگتے ہیں تو بتاؤ ۹۰ ٹکڑے پھاڑنے میں اسے کتنا وقت لگے گا۔

بوجھئے

یہ دو سیاہ نشان نقشہ میں سے دیئے گئے ہیں ان میں سے ایک مشہور خشکی کا ٹکڑا ہے اور دوسرا پانی کا۔ کیا آپ ان کے نام بتا سکتے ہیں۔

Regd. No. L. 5062.

Printed by The United Press Delhi, for United Publications, Delhi.

نونہال

ن سنہ ۱۹۴۷ء
۴ —— نمبر ۸

چندہ سالانہ تین روپے
قیمت فی پرچہ چار آنے

شیر ناچ

پیلن (چین) میں شیر ناچ کا رواج عام ہے - یہ نہایت دلچسپ چیز ہے - دو آدمی ملکر شیر بنتے ہیں - شیر کا سر کاغذ کے گودے کا بنا ہوا ہوتا ہے اور جسم ایک لمبے کپڑے کا جس پر سبز یا نارنجی رنگ کے ریشمی بال ہوتے ہیں - ایک آدمی سر کو تھامتا ہے دوسرا دم کو -

...شیر ناچ کا ایک منظر

...ی پہلو سے تصویر -

نونہال

جلد ۴ نمبر ۸

جون سنہ ۱۹۴۷ء

اس پرچے میں

آؤ دنیا نئی بنائیں ۲
مونٹے کرسٹو کا خزانہ ۳
نوڈے لیگ ۵
قلم بنانا ۶
کیا آپ جانتے ہیں ۷
ٹوٹے ہوئے تارے کی کہانی ۸
کل کی باتیں ۹
بچوں کا اخبار ۱۰
محلوں اور باغوں کا شہر - لکھنؤ ۱۱
قازقستان ۱۴
بوجھو تو یہ کیا ہیں؟ ۱۵
نونہال ۱۶
لطیفے ۱۶
گاتا درخت، بولتی چڑیا اور سونے کا پانی ۱۷
اقوال زریں ۲۰
نئی کتابیں ۲۱
پہیلیاں ۲۱

ایڈیٹرز

مسرت جہاں بیگم تیموری ناجو - پی جے - بلیموریا
عزیز احمد ہیم لتا چودھری

آرٹ ایڈیٹرز

وی - بورلن بی - ڈی شرما سام ملر

پبلشرز

ادارۂ مطبوعات متحدہ
پوسٹ بکس نمبر ۱۶۶ - دہلی

آج میں تم سے ایک ایسے موضوع پر بات چیت کرنا چاہتی ہوں جو کافی مشکل ہے۔ موضوع ہے "فکر" یعنی خیال کے۔ اوّل تو ہر چیز کے متعلق خیالات جمع کرنا کافی مشکل کام ہے لیکن "خیالات" ہی کے متعلق خیالات جمع کرنا تو اور بھی دشوار ہے۔

ہر شخص خواہ عورت ہو یا مرد خیالات ہی سے جانچا جاتا ہے۔ اگر خیالات اچھے ہیں تو اسے اچھا سمجھا جائیگا اور ہمیشہ آنیوالی نسلیں اسے یاد رکھیں گی اور ان خیالات سے دنیا کو جتنا فائدہ ہوگا اتنی ہی اس شخص کی عزت بڑھے گی۔

اچھے خیالات کسی خاص قوم یا فرقے یا جماعت کی ملکیت نہیں۔ معمولی سے معمولی آدمی کے ذہن میں بڑے سے بڑے خیالات پیدا ہو سکتے ہیں۔ دنیا کی تاریخ میں ایسا ہوا ہے۔ جس طرح سے اچھے خیالات کے لئے جگہ کی کوئی قید نہیں اسی طرح ان کے لئے وقت کی بھی کوئی قید نہیں ان کو پرورش پانے میں دنوں لگ سکتے ہیں اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے ایک سیکنڈ میں یہ بجلی کی رو کی طرح دماغ میں دوڑ جاتے ہیں۔ بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ ایسے خیالات جو لوگوں کی تسکین یا آرام کا باعث ہوں۔ خدا کی طرف سے دماغ میں اتارے جاتے ہیں۔

نیک خیال چاہے کسی کے ذہن میں پیدا ہوا ہو اور اس شخص کا مذہب اور ملّت کچھ ہی ہو، یہ بات یقینی ہے کہ ایک دفعہ جب کوئی اچھا خیال جنم لے لیتا ہے تو کوئی طاقت اسے پھیلنے سے روک نہیں سکتی۔ شروع میں چاہے اس کی مخالفت ہو لیکن اچھے خیالات خوشبو کی طرح زمانے میں پھیل کر رہتے ہیں۔ مثلاً جمہوریت کو ہی لیجئے۔ (ایسی حکومت کا خیال جو لوگوں کے فائدے کے لئے لوگوں ہی کے ہاتھ میں ہو۔ اور جس میں ہر ایک کو برابر کے حق مل سکیں)۔

شروع میں تو کچھ لوگوں نے اس خیال کی مخالفت کی لیکن بعد میں اسے اسقدر قبولیت حاصل ہوئی ہے کہ لوگ اپنے کو جمہوری قوم کہنا قابل فخر بات سمجھنے لگے۔

یہی حال بہت سے مذہبی اور اخلاقی خیالات کا ہے۔ ہمارے مذہبی رہنماؤں اور بزرگوں نے محبّت اور امن کا پیغام دنیا کو دیا۔ شروع شروع میں تو لوگوں نے انکے پیغام پر کان نہ دھرا لیکن رفتہ رفتہ انھیں اس تعلیم کی اندرونی خوبیاں نظر آنے لگیں۔ سینکڑوں لڑائیوں اور جھگڑوں کے تلخ تجربے کے بعد آج دنیا کے سب لوگوں کو احساس ہو چلا ہے کہ صرف محبّت اور بھائی چارے ہی سے دنیا میں امن اور خوشحالی قائم رہ سکتی ہے۔

مونٹے کرسٹو کا خزانہ

(حصّہ سوئم)

ڈانٹے کا دم گھٹا جا رہا تھا۔ لیکن اس کے حواس اتنے بجا تھے کہ وہ سانس روکے رہا۔ داہنے ہاتھ میں وہ کھلا ہوا چاقو لئے ہوئے تھا۔ جلدی سے اس نے بورا کاٹ ڈالا۔ پہلے ایک ہاتھ باہر نکالا، پھر سر، لیکن اس کے پیروں میں جو گولہ بندھا ہوا تھا اس کی وجہ سے وہ نیچے بیٹھتا چلا جا رہا تھا۔ بڑی کوشش کر کے وہ آگے کو جھکا اور آخر اس رسّی کو کاٹنے میں کامیاب ہو گیا جس سے گولہ بندھا ہوا تھا۔ رسّی عین اس وقت کٹی جب اس کا دم بالکل گھٹنے کے قریب تھا۔

اس نے زور زور سے پیر مارے اور آن کی آن میں پانی کی سطح پر آ گیا۔ گولہ اس بھدّے بورے سمیت پانی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔ ذرا سی کسر رہ گئی تھی ورنہ یہ بورا اس کا کفن ہوتا۔

ڈانٹے نے صرف ایک لمحے کو باہر سر نکال کر سانس لیا اور پھر پانی میں غوطہ لگا لیا۔ جب وہ پھر اوپر ابھرا تو اس جگہ سے تقریباً پچاس میل کے فاصلے پر تھا جہاں اسے پھینکا گیا تھا۔ اس وقت آسمان پر کالے بادل چھائے ہوئے تھے اور آندھی کے آثار تھے۔ بادل بڑی تیزی سے ہوا میں اڑتے پھر رہے تھے وہ بڑی طاقت لگا کر تیرنے لگا۔ بہت جلد خوفناک قلعہ شام کی دھند میں چھپ کر اس کی نگاہوں سے اوجھل ہونے لگا۔ حالانکہ اب وہ صاف نظر نہ آتا تھا لیکن ڈانٹے کو اس کی بھیانک موجودگی کا اب بھی احساس تھا۔ وہ تیرتا گیا آزاد ہونے کی خوشی اسے تیرنے میں مدد دے رہی تھی۔ اچانک اسے ایسا محسوس ہوا جیسے سیاہ آسمان اور بھی کالا ہو رہا ہے اور ایک موٹا سیاہ بادل اس کے اوپر اترتا آ رہا ہے۔ اسی لمحے اسے اپنے گھٹنے میں بڑا شدید درد محسوس ہوا۔ وہ ایک عجیب و غریب شکل کی ڈھلوان چٹان سے ٹکرا گیا تھا۔ چٹان پر چند قدم چلنے کے بعد وہ تھک کر گر پڑا۔ اس کے بعد اس نے اپنی نجات پر خدا کا شکر ادا کیا۔ وہ بحیرۂ روم کے ایک ویران جزیرے میں آ گیا تھا۔ ابھی اس کے دل میں کئی آرزوئیں تھیں۔ ان میں سے ایک مونٹے کرسٹو کے جزیرے تک پہونچنے کی تمنا تھی۔ یہ جزیرہ اٹلی کے ساحل سے پرے واقع تھا اور اسی میں خزانہ تھا۔

لیکن اس نے ہمّت نہیں ہاری اور ایک دن وہ اس غار میں پہونچ گیا جس کا ذکر فریا کی قیمتی دستاویز میں آیا تھا۔ جب اس کی آنکھیں غار کے اندھیرے سے مانوس ہو گئیں۔ تو اسنے دیکھا کہ وہ چٹان کے اندر ہی اندر بڑی دور تک چلا گیا ہے۔ اسے وصیت نامے کے الفاظ زبانی یاد تھے۔ "دوسرے غار کے آخری کونے میں ....." لیکن یہ تو پہلا ہی غار تھا۔ اسے دوسرے غار کا دروازہ تلاش کرنا تھا۔ وہ اپنے ساتھ کدال لایا تھا۔ اس سے اس نے غار کے اندرونی حصّوں کو کھٹکھٹانا شروع کیا۔ کھٹکھٹاتے کھٹکھٹاتے آخر ایک جگہ اسے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے آواز کھوکھلی اور دوسری جگہوں سے مختلف ہے۔ اس نے زور سے کدال ماری۔ کدال کا پھل ایک دراڑ میں ڈال کر زور کیا تو ایک پتھر لڑھک کر اس کے پیروں کے قریب آ گرا۔ اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ خوشی اور جوش و خروش کے عالم میں وہ ایک کے بعد دوسرا پتھر گراتا چلا گیا۔ ذرا دیر میں دوسرے غار کا راستہ صاف تھا۔ یہ پہلے سے زیادہ تاریک، نیچا، پراسرار اور بھیانک تھا۔ ڈانٹے تھوڑی دیر تک ٹھہرا رہا تاکہ باہر کی تازہ ہوا اندر جا کر دوسرے غار کی فضا کو تازہ کر دے۔ اس کے بعد وہ اندر گیا۔ غار خالی تھا۔ لیکن خزانہ تو اس

تاریک کونے میں ہوگا! ڈانٹے پر فکر اور خوف کی ملی جلی کیفیت طاری تھی۔ اسے صرف زمین کھودنی تھی۔ اس کے بعد یا تو اس پر سخت نا امیدی کا طاری ہو جاتی، یا ناقابل بیان خوشی۔

آخر ہمت کر کے اس نے کام شروع کر دیا۔ پانچ چھ وار کے بعد ہی اس کی کدال کسی دھات سے ٹکرائی۔ اس نے سوچا شاید یہ لکڑی کا بکس ہے جس پر لوہے کا پترا چڑھا ہوا ہے۔

اسی دھن میں اس نے زمین کھود ڈالی۔ اندر سے بلوط کی لکڑی کی ایک تجوری نکلی جس پر نقشین لوہے کا پترا چڑھا تھا۔ ڈھکن کے بیچوں بیچ چاندی کا ایک ٹکڑا ٹنکا ہوا تھا جس پر اسپاڈا گھرانے کا خاندانی نشان بنا ہوا تھا۔ اس نے تجوری کھولنے کی کوشش کی۔ اس میں دو تالے لگے ہوئے تھے۔ ڈانٹے نے جوش کے عالم میں زور لگا کر ڈھکنا کھول ڈالا۔ پھر اس پر خوف سا طاری ہو گیا۔ اس نے اپنی بندوق اٹھائی اور اسے بھر کر اپنے پاس رکھ لیا۔ حالانکہ وہ اس خفیہ اندرونی غار میں تن تنہا تھا۔ اس کے بعد اس نے تجوری کو غور سے دیکھا۔ اس میں تین خانے تھے۔

پہلے خانے میں ہزاروں سونے کے توڑے چمک رہے تھے۔ دوسرے میں سونے کی اینٹیں جڑے قرینے سے ایک دوسرے کے اوپر رکھی ہوئی تھیں۔ تیسرا خانہ آدھا بھرا ہوا تھا۔ جب اس نے جواہرات کے ڈھیر میں ہاتھ ڈال کر انھیں اپنی انگلیوں سے نیچے گرایا تو معلوم ہوا جیسے کوئی چمکتا ہوا جادو کا آبشار ہو۔

ڈانٹے خوشی کے مارے پاگل ہو رہا تھا۔ جب وہ اچھی طرح اپنی کانپتی ہوئی انگلیوں سے اس خزانے کو چھو چکا تو وہ غاروں میں سے ہوتا ہوا باہر نکلا۔ وہ کود کر ایک چٹان پر کھڑا ہو گیا اور اپنے اردگرد دیکھا۔ وہ تنہا ـــ بالکل تنہا لاتعداد اور بیش بہا دولت کا مالک تھا!

بچوں کا اخبار۔

بقیہ صفحہ ۱

پھر اس نے تھیلا کھول کر سانپ دکھاتے ہوئے کہا کہ "انہیں ایک قیمتی پارسل دینا ہے۔" اس کے بعد وہ سانپوں کو زمین پر چھوڑ کر باہر چلا گیا۔ اس کمرے میں جو سات لڑکیاں تھیں وہ سب کی سب اس کے جاتے ہی خوف کے مارے چیخنے چلانے لگیں۔

عزیز بھانجو اور بھانجیو

امید ہے تم چھٹیاں مزے میں گزار رہے ہوگے۔ جہاں جہاں تم سیر کے لئے جاؤ اس کا حال مجھے لکھ کر بھیجنا۔ اگر اچھا ہوا تو رسالے میں شائع کر دیا جائے گا۔

کہو آسٹریلین دوستوں سے کیسی نبھ رہی ہے۔ اس مہینے ہے ڈے میں اور بہت سے لڑکے لڑکیوں کے نام اور پتے دئے جا رہے ہیں۔

کراس ورڈ معمہ ۳ بہت کامیاب رہا۔ اور بہت بچوں نے اس میں حصہ لیا۔ نونہال کے دو انعام جمشید پور کے مہندر سنگھ اور بلیا کے شاہد علی خاں کو دئے گئے ہیں۔

ہے ڈے کے دو انعام کھانڈوہ کے سی ایل گپتا اور بنگلور کے ڈیوڈ پیچا منٹو نے حاصل کئے ہیں۔

تمھاری خالہ

مہرشت

۱۔ ل ۱۰ کا ادبی

خفیہ پیغام

د نیصو ژج اگہ

فارم ممبری برائے "نو ڈے لیگ"

خریداری نمبر ____________

چندہ بھیجنے کی تاریخ ____________ چندہ ختم ہونیکی تاریخ ____________

نام ____________

تاریخ، مہینہ اور سال پیدائش ____________

سرپرست کا نام ____________

پورا پتہ ____________

____

دستخط ____________

تاریخ ____________

اس فارم کے ہمراہ ۸ ر کے ٹکٹ فیس ممبری کا ناضروری ہیں۔

فلم بنانا

(از شنکر دیال)

تمام دنیا کے بچے فلمیں دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ میرے خیال میں تمہیں بھی یہ شوق ہوگا۔

آؤ آج تمہیں بتائیں کہ فلم کس طرح تیار ہوتی ہے۔

فلم کی لمبائی عموماً ۸۰۰۰ سے ۱۲۰۰۰ فٹ تک ہوتی ہے۔ اچھی فلم بنانے میں لاکھوں روپے صرف ہو جاتے ہیں۔ اور کئی مہینوں میں جا کر یہ تیار ہوتی ہے۔ فلم بنانے کا کام بہت جھمیلے کا ہے اسی لئے اس میں اتنا روپیہ اور وقت لگتا ہے۔ سب سے پہلے تو فلم کی کہانی تلاش کی جاتی ہے۔ اسکے بعد میوزک ڈائرکٹر گانے تیار کرتا ہے۔

پھر ایکٹروں کے چناؤ کی باری آتی ہے۔ یہ کام بہت مشکل ہے اور اس میں بہت ہوشیاری کی ضرورت ہوتی ہے۔ فرض کرو فلم میں شہنشاہ اکبر کی زندگی دکھائی ہے۔ ایسی فلم کے ہیرو کے لئے ڈائرکٹر کسی ایسے آدمی کو تلاش کرے گا جس میں دبدبہ اور وقار ہو اور سنجیدگی سے اپنا پارٹ ادا کر سکے۔ چارلی کی قسم کے مذاقیہ پارٹ کرنے والے اس کام کے لئے بالکل ناموزوں رہیں گے۔ پھر اکبر کے زمانے کے درباریوں۔ امیروں وزیروں اور شہزادوں کا لباس تیار کرنا پڑیگا۔ یہ کام کمپنی کے درزی اور ڈیزائنر کرتے ہیں۔

یہ سب کام ختم کرنے کے بعد فلم تیار ہونی شروع ہوتی ہے۔ (اسے "شوٹنگ" کہتے ہیں) فرض کیجئے دربار میں اکبر کو غصے میں بھرا ہوا دکھانا منظور ہے، پہلے تو سٹیج ڈائرکٹر اسٹوڈیو میں ایک بہت بڑا دربار کا کمرہ تیار کرے گا۔ آرٹ ڈائرکٹر اسے بالکل مغل اسٹائل میں پردوں اور قالینوں وغیرہ سے آراستہ کریگا۔ ایکٹر درباریوں سپاہیوں وزیروں اور شہنشاہ کے کپڑے پہنے اپنی اپنی جگہ تیار بیٹھے یا کھڑے ہوں گے۔ اب بجلی والے روشنی ڈالیں گے۔

کمرہ مین کیمرہ لے کر اور ساؤنڈ مین ریکارڈ کرنے کی مشین لے کر تیار کھڑے ہوں گے۔ اب شوٹنگ شروع ہوتی ہے۔ ڈائرکٹر شہنشاہ سے کہتا ہے کہ وہ درباریوں کو غصے سے گھورے۔ اگر یہ کوشش کامیاب نہیں ہوتی تو دوبارہ یہی جذبات چہرے پر پیدا کرنے کو کہا جاتا ہے۔ اور جب تک بالکل صحیح اثرات نہ پیدا ہو جائیں۔ کوشش جاری رہتی ہے۔ تم نے دیکھا صرف ایک سین کی شوٹنگ میں ڈائرکٹر کو کتنی محنت کرنی پڑتی ہے پردے پر یہ سین صرف ۲ یا تین منٹ کا ہوتا ہے۔

کہانی پوری ہونے کے بعد فلم کی لمبائی مطلوبہ لمبائی سے دگنی تگنی ہوتی ہے۔ فلم اڈیٹر اسے غور سے دیکھتا ہے اور غیر ضروری حصہ کاٹ کر نکال دیتا ہے۔ فلم تیار ہونے کے بعد کسی ڈسٹری بیوٹر کے ہاتھ بیچ دی جاتی ہے۔ ڈسٹری بیوٹر وہ فلم سنیما ہاؤس والوں کو نمائش کے لئے دے دیتا ہے۔

اب تمہیں معلوم ہو گیا ہوگا کہ فلم پر اتنا روپیہ کیوں صرف ہوتا ہے۔ فلم بنانے میں ایسے بہت سے لوگوں کا ہاتھ ہوتا ہے جو پردے پر نظر نہیں آتے۔ اگر یہ سب لوگ مل جل کر کام نہ کریں تو فلم تیار نہ ہو سکے۔ دراصل ہر کامیابی کے لئے مل جل کر کام کرنا لازمی ہے ٭

کیا آپ جانتے ہیں

ایک دریا الٹا بہتا ہے؟

امریکہ میں دریائے شکاگو انسان کی ذہانت اور لیاقت کی حیرت انگیز مثال ہے۔ پہلے یہ دریا بہہ کر مشیگن جھیل میں گرتا تھا۔ اب یہ مشیگن جھیل سے الٹا بہہ کر خلیج میکسیکو میں گرتا ہے۔ یہ انتظام اس لئے کیا گیا ہے تاکہ شکاگو کے باشندوں کو پینے کے لئے اچھا پانی مل سکے۔

دنیا میں سب سے بڑا پل کہاں ہے؟

دنیا کا سب سے بڑا پل امریکہ میں نیوارک اور نیویارک کے درمیان ہے۔ یہ دو دریاؤں، جرسی کے سبزہ زاروں، سیکڑوں سڑکوں اور ریلوے لائنوں پر سے گزرتا ہوا ہالینڈ نامی سرنگ کے دہانے پر ختم ہوتا ہے۔ اس پل پر آمد و رفت بہت زیادہ ہے۔ ہر سال لاکھوں کاریں اس پر سے گزرتی ہیں۔

جب ہم کانپتے ہیں تو ہمارے روئیں کیوں کھڑے ہو جاتے ہیں؟

جب ہم کانپتے ہیں تو ہماری کھال کے نیچے پٹھے سکڑتے ہیں اس وجہ سے روئیں سیدھے ہو کر اکڑ جاتے ہیں اسی کو رواں کھڑا ہونا کہتے ہیں۔

سانپ زبان سے سنتے ہیں؟

بڑے مزے کی بات ہے کہ سانپ کے کان نہیں ہوتے۔ ان کی زبان کے سرے اتنے حساس ہوتے ہیں کہ وہ ہر قسم کی تھرتھراہٹ یا آواز کی لہریں محسوس کر لیتے ہیں۔ اسی لئے سانپ اپنی زبان باہر نکالے رہتے ہیں تاکہ آس پاس کوئی لرزش یا آواز ہو تو انھیں اس کا پتہ چل جائے۔

کس درخت کی پتیاں سب سے بڑی ہوتی ہیں؟

لنکا میں ناریل کی ایک قسم تالی پوٹ ہوتی ہے۔ اس درخت کی پتیاں سب سے بڑی ہوتی ہیں کبھی کبھی ان سے چھتریاں بنتی ہیں۔ عام طور پر یہ چھپر بنانے کے کام میں آتی ہیں۔ یہ درخت صرف ایک بار پھولتا ہے اور وہ بھی اسی برس کا ہونے کے بعد۔ اس کے پھول کی ڈنڈی چالیس فٹ کی ہوتی ہے۔

دن لمبا ہوتا جا رہا ہے؟

یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ دن اس وقفے کو کہتے ہیں جس میں زمین اپنے محور پر ایک چکر پورا کرتی ہے۔ تمہیں یہ معلوم کر کے تعجب ہوگا کہ جیسے جیسے وقت گزرتا جاتا ہے یہ وقفہ بڑھتا جا رہا ہے۔ تبدیلی سمندر کے مد و جزر کی وجہ سے ہوتی ہے۔ لہروں کی حرکت زمین کے چکر کی رفتار کو گھٹاتی ہے۔ زمین کا ہر چکر پہلے چکر سے کچھ زیادہ وقت لیتا ہے لیکن یہ فرق اتنا کم ہے کہ معلوم نہیں ہوتا۔ سو سال میں دن کی لمبائی صرف دو سیکنڈ بڑھتی ہے۔

ٹوٹے ہوئے تارے کی کہانی

دن بھر شکار کھیلنے کے بعد جس وقت شمالی امریکہ کے ریڈ انڈین الاؤ کے گرد باتیں کرنے بیٹھتے ہیں تو عجب سماں ہوتا ہے۔ لمبے لمبے پائپ منہ میں لئے وہ طرح طرح کے لطیفوں چٹکلوں ہنسی مذاق اور کہانیوں سے اپنا دل بہلاتے ہیں۔ آج ہم تمہیں ان کی ایک دل پسند کہانی سناتے ہیں۔

ننھی کٹر مودن ایک رات اپنے خیمے میں لیٹی اس چمکدار ستارے کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھی جو خیمے کے سوراخ میں سے نظر آرہا تھا۔ کٹر مودن بڑی ہوگئی تھی اسلئے اسنے گڑیوں سے کھیلنا چھوڑ دیا تھا۔ اسکی بجائے وہ بارہ سنگھے کی کھال کے کپڑے اور پھولدار جوتیاں بنایا کرتی تھی۔ وہ آسمان اور ستاروں کے متعلق بھی بہت کچھ سوچتی تھی۔ اسکے خیال میں آسمان ایک بڑا سا کمبل تھا اور ستارے لمبے تڑنگے جنگجو۔ کٹر مودن دل میں کہتی کتنا اچھا ہوا گر وہ ان چمکتے ہوئے سورماؤں میں سے کسی ایک سے شادی کر سکے یہ سوچنا تھا کہ اچانک وہ آسمان پر پہنچ گئی اور اس کی ایک چمکیلے ستارے سے شادی ہوگئی۔

اب کٹر مودن کی زندگی خوابوں کی طرح حسین تھی۔ اسکا شوہر دن بھر بارہ سنگھے اور بھینسوں کا شکار کرتا اور رات کو آسمان پر جگمگاتا۔ نئی دلہن کو آسمان پر ہر طرح کی آزادی حاصل تھی۔ اسے صرف شلغم اکھاڑنے کی اجازت نہ تھی۔ کٹر مودن آخر پھر عورت تھی زیادہ عرصے تک وہ اپنے پر قابو نہ رکھ سکی اور ایک دن ایک عمدہ سا تازہ شلغم دیکھ کر اسے اکھیڑ بیٹھی۔ شلغم اکھاڑنا تھا کہ ایک دھماکے کے ساتھ آسمان پھٹا اور کٹر مودن نیچے جا پڑی زمین پر گرتے ہی اسکا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا اور اس میں سے ایک بچہ نکلا۔ آس پاس کہیں ایک باز بیٹھا تھا۔ وہ یہ منظر دیکھ کر ایسا گھبرایا کہ تمام پرندوں کو بلالایا سب ملکر مشورہ کرنے لگے کہ اس بچے کا کیا جائے۔ کوئی پرندہ بھی بچے کو پالنے پر راضی نہ ہوا۔

چکادک کا گھونسلہ نہایت آرام دہ اور محفوظ تھا اسلئے وہ بچے کو اپنے ساتھ رکھنے پر راضی ہوگئیں۔ چکادک نے بچے کا نام "ٹوٹا تارا" رکھا اور اسے بڑے چاؤ سے پالنے لگی۔ ٹوٹا تارا بھی لڑکا ہی تھا کہ اس نے ایک کیڑا مارا۔ چکادک کیڑے کی کلیجی منہ میں دبا کر ایک اونچی چٹان پر بیٹھ گئی اور پٹے ہنچلا ہنپالی۔ پٹے ہنچلا ہنپالی (کیڑے کی کلیجی مزے دار ہے) گانے لگی چنانچہ آج تک چکادک یہی گیت گاتی ہے۔

جب ٹوٹا تارا جوان ہوا تو چکادک کو اپنے ننہیال والوں کی خدمت کے لئے چھوڑ کر سیاحت کے لئے نکل کھڑا ہوا اور جگہ جگہ اسنے اپنے کمال دکھائے۔ ایک علاقے میں اسے ایک بے رحم بادشاہ ملا جو انگلی کے اشارے سے لوگوں کو مار دیتا تھا۔ ٹوٹے تارے نے اس بادشاہ اور اس کے سارے خاندان کا صفایا کردیا۔ صرف ایک لڑکا بچ نکلا۔ اس لڑکے کا نام جاڑا ہے اور وہ ہر سال ایک دفعہ برف اور طوفان ساتھ لیکر آتا ہے۔ (باقی صفحہ ۷۰ پر)

کل کی باتیں

عزیز بھانجو اور بھانجیو!

تم لوگ اپنے ذہن میں طرح طرح کے خیالی قلعے بناتے ہو کہ بڑے ہو کر ہم کیا کیا کریں گے شام کو جب دادی اماں تمہیں شاہزادے شہزادیوں کے کارنامے یا گھنے جنگلوں کے قصے سناتی ہیں تو تمہارا دل بھی چاہتا ہوگا۔ کہ کاش اس کہانی کے ہیرو ہم ہوتے۔ لیکن قصے کہانیاں تو فرضی ہوتی ہیں۔

آج میں ایسی باتیں بتاؤں گی جو تم واقعی اپنی زندگی میں کر سکتے ہو۔

دنیا بدل رہی ہے اور ہندوستان میں جو نئی نئی اسکیمیں بن رہی ہیں ان کے متعلق تم بہت کچھ سن چکے ہو۔

تم نے بچپن میں انجن چلانے یا ہری اور سرخ جھنڈیاں لے کر گارڈ بننے کا کھیل کھیلا ہوگا۔

اب تم پائلٹ بن کر ایک شہر سے دوسرے میں جا سکتے ہو۔ لیکن اگر تم ان میں سے ہو جو بادلوں کی سیر نہیں کرنا چاہتے تو تمہارے لئے اور بہت سی راہیں کھلی ہیں تم موٹریں اور ریڈیو بنانے کا کام کر سکتے ہو اگر تمہیں یہ شوق نہیں تو تم ڈاکٹر۔ وکیل یا پروفیسر بن سکتے ہو یا غیر ملکوں میں ہندوستان کے سفیر کی حیثیت سے کام کر سکتے ہو۔

بھانجیاں سوچتی ہوں گی کہ خالہ ہمیں بھول ہی گئیں۔ اور لگیں انجنیروں اور ہوا بازوں کی باتیں کرنے۔ تمہارے شوق کی باتیں بھی بتاتی ہوں۔ تم ڈاکٹر یا استانی بن سکتی ہو یا اگر تمہیں ڈرائنگ اور مصوری سے دلچسپی ہے تو ہندوستان کی صنعتوں کے اشتہار تیار کر سکتی ہو، کپڑوں کے لئے ڈیزائن بنا سکتی ہو۔ جو لڑکیاں دفتروں میں کام کرنا چاہیں انھیں بھی اسکا موقعہ ملے گا۔ ایسے ایسے اور بہت سے کام ہیں۔ ذرا سی عقلمندی سے تم لوگ اپنی مرضی کے مطابق کام ڈھونڈھ سکتے ہو۔

تیرتی ہوئی بندرگاہ

پچھلے دنوں ایک تیرتی ہوئی بندرگاہ پندرہ سو میل کے بحری سفر کے لئے بمبئی سے بحیرۂ روم کی طرف روانہ ہوئی تھی۔ اب اس کا سفر ختم ہونے کے قریب ہے۔ اس بندرگاہ میں تیس ہزار ٹن تک کے جہاز کھڑے ہو سکتے ہیں۔ خیال ہے کہ اس سفر میں کل سینتالیس دن لگیں گے۔ نہر سوئیز پار کرنے میں اسے سات دن لگے۔

ریڈ کراس کی دریا دلی

آسٹریلیا کی ریڈ کراس کا غذا، دوائیں اور کپڑوں کا جو اسٹاک لندن میں تھا اسے سب نہاں کے سیلاب کے مارے ہوئے مصیبت زدہ لوگوں کے لئے وقف کر دیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس جماعت نے پچاس ہزار پونڈ کی قیمت کا کپڑا اور بھیجنے کا وعدہ کیا ہے۔

نئی عوامی جمہوریت

اٹلی کے نئے دستور کے مطابق اب یہ ملک عوامی جمہوریت کہلائے گا۔

سویلین جیت گئے

حال ہی میں اوٹاوا میں سوار پولیس اور سویلین ملازمین کی ٹیموں کے درمیان نشانے بازی کا میچ ہوا۔ اس میں سویلین ٹیم جیت گئی۔ سب سے زیادہ پوائنٹ جیتی ہوئی ٹیم کی ایک عورت کو ملے۔

بچوں کا اخبار

زیر ادارت: ——— عزیز احمد

برطانیہ کا صنعتی میلہ

۵ مئی کو لندن اور برمنگھم میں برطانیہ کا صنعتی میلہ شروع ہوا۔ دنیا کے کونے کونے سے لوگ اسے دیکھنے اور مال خریدنے آئے تھے۔ تین ہزار سے زائد کمپنیوں نے اپنے مال کی نمائش کی۔

ایڈیسن کا ٹکٹ

امریکہ کی حکومت مشہور امریکی موجد ٹامس ایڈیسن کی سو سالہ برسی کے موقعے پر خاص ٹکٹ جاری کرے گی۔

کبھی نہیں سویا

البرٹ ہرین جس نے ۹۴ سال کی عمر میں وفات پائی، زندگی بھر کبھی نہیں سویا۔ اس کے گھر میں پلنگ ہی نہیں تھا۔ وہ رات کو ایک کرسی پر بیٹھا اخبار پڑھتا رہتا تھا اور تمباکو پیتا رہتا تھا۔ لیٹنے میں اسے بڑی تکلیف ہوتی تھی۔

سو سالہ لوگوں کا گاؤں

آذربائیجان کا ایک گاؤں اسلئے مشہور ہے کہ وہاں کے باشندوں کی عمروں کا مجموعہ ساڑھے تین سو سال ہے۔ ان میں سے دو مرد ہیں ایک محمود آغا ہے جس کی عمر ایک سو بیس سال ہے۔ اسی گھرانے کے ایک اور آدمی نے حال ہی میں سو سال پورے کئے ہیں۔ ان دونوں کے بہت سے لڑکے، لڑکیاں، پوتے، پڑپوتے اور پوتوں کے پوتے ہیں۔ لیکن گاؤں کے لئے قابلِ فخر تو تیسری عورت ہے جس کا نام کہہ خانم ہے۔ حالانکہ اس کی عمر ایک سو تیس سال سے زیادہ ہے لیکن وہ ابتک چست و چالاک اور زندہ دل ہے۔

نایاب قلمی کتاب دو سو سگرٹوں کے بدلے

لڑائی کے زمانے میں ٹریسٹ (اٹلی) کی میونسپل لائبریری سے کسی نامعلوم شخص نے ۱۳۰۰ء کی لکھی ہوئی ایک نایاب کتاب چرا کر دو سو سگرٹوں کے بدلے ایک چھبیس سالہ امریکن سپاہی کے ہاتھ بیچ دی۔

بدلے میں سانپ

رائٹر نے ملبورن سے ایک کسان کی ایک دلچسپ کہانی بھیجی ہے جو ایک قانونی مشورہ دینے والی کمپنی کے دفتر میں جا کر ایک خطرناک سانپ چھوڑ آیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ چار مہینے پہلے اس کسان اور کمپنی میں کچھ جھگڑا ہوا تھا۔

جب وہ دفتر میں داخل ہوا تو اسکے ہاتھ میں چمڑے کا ایک تھیلا تھا۔ اس نے اٹھارہ سالہ انکوائری گرل (وہ لڑکی جس سے معلومات حاصل کی جاتی ہیں) سے کہا کہ وہ مینیجر سے ملنا چاہتا ہے۔ (باقی صفحہ ۴۴ پر)

ضرور دیکھو

محلوں اور باغوں کا شہر — لکھنؤ

(از عزیز احمد)

لکھنؤ صوبجات متحدہ کا دارالسلطنت ہے۔ یہ ہندوستان کے سب سے بڑے شہروں میں سے ہے۔ اور اپنے سنہری گنبدوں، کنگوروں اور میناروں والی عمارتوں، محراب دار پھاٹکوں اور خوبصورت پارکوں اور باغوں کو جانیوالی شاہراہوں کے لئے مشہور ہے۔ یہ دریائے گومتی کے دونوں کناروں پر آباد ہے۔ لکھنؤ میں اودھ کے پرانے بادشاہوں کے محلات اور جدید طرز کی خوبصورت عمارتیں بہت دلفریب منظر پیش کرتی ہیں۔

لکھنؤ کی پرانی تاریخ رام کے زمانے کی ہے۔ ان کے چھوٹے بھائی لکشمن نے یہ جگہ آباد کر کے اس کا نام لکشمن پور رکھا تھا۔ پھر رفتہ رفتہ پور کا حصہ نام سے الگ ہو گیا اور لوگ اسے لکھنؤ کہنے لگے۔ لیکن اس جگہ کی اہمیت اسوقت بڑھی جب ۱۷۷۵ء میں اودھ کے حکمراں آصف الدولہ نے اپنا پایۂ تخت فیض آباد سے لکھنؤ منتقل کیا۔ اس کے بعد لکھنؤ نے وہ مشرقی شان و شوکت ٹھاٹ باٹ اور عظمت دیکھی جس کے لئے اودھ کے نواب مشہور تھے۔

آؤ اب ذرا چل کر لکھنؤ کے خوبصورت مناظر کی سیر کریں۔

شاہ نجف کا امام باڑہ اودھ کے پہلے بادشاہ غازی الدین حیدر نے بنوایا تھا۔ یہ بڑی پرشکوہ عمارت ہے۔ اس میں ایک بڑا سفید گنبد ہے اور چاروں طرف مضبوط اور موٹی دیواریں ہیں۔ غازی الدین حیدر کا مقبرہ بھی اسی امام باڑے

چار باغ اسٹیشن

کے اندر ہے جو چاندی اور ہرے شیشے سے تعمیر ہوا ہے۔

دوسری اہم جگہ بڑا امام باڑہ ہے جہاں آصف الدولہ بادشاہ کا مزار ہے۔ یہ ایک بڑی عمارت ہے۔ صرف خاص ہال ۱۶۲ فٹ لمبا اور ۵۴ فٹ چوڑا ہے۔ بادشاہ کے مزار کے چاروں طرف چاندی کا کٹہرا لگا ہوا ہے۔ اس امام باڑے میں چاندی، کاغذ اور گھاس کے بنے ہوئے خوبصورت تعزیئے دیکھے جا سکتے ہیں۔ امام باڑے کے ساتھ ہی ایک شاندار مسجد ہے جس میں تین چمکدار گنبد اور دو بلند مینار ہیں۔

حسین آباد کا امام باڑہ بھی دیکھنے کے لائق ہے۔ اس کا سنہرا گنبد اور مینار دور سے نظر آتے ہیں۔ امام باڑے کے صحن میں داخل ہونے کے لئے ایک شاندار پھاٹک ہے جو نوبت خانہ کہلاتا ہے۔ صحن میں ایک چھوٹی سی نہر ہے جس نے اس جگہ کی دلکشی اور خوبصورتی کو چار چاند لگا دئے ہیں۔ امام باڑے کی عمارت بھی بڑی دلکش ہے۔ محرم میں اس میں ہزاروں چراغوں کی روشنی ہوتی ہے۔ اسلئے اسے روشنی کا

محل بھی کہتے ہیں۔ بڑے کمرے کو آئینوں اور بلوری جھاڑ فانوسوں سے سجایا گیا ہے۔

حسین آباد کے امام باڑے کے قریب ہی پکچر گیلری اور گھنٹہ گھر ہے۔ پکچر گیلری میں اودھ کے بادشاہوں اور درباری امیروں کی بڑی قیمتی تصویریں ہیں۔

جامع مسجد بھی قریب ہی ہے۔ اس میں تین شاندار گنبد ہیں۔ یہ لکھنؤ کی سب سے شاندار عمارتوں میں گنی جاتی ہیں۔ اسے ضرور دیکھنا۔

لکھنؤ یونیورسٹی بھی دیکھنا۔ یہ بہت سی عمارتوں کا مجموعہ ہے جو بڑی خوبصورتی سے ترتیب دی گئی ہیں۔ ان عمارتوں میں یونیورسٹی کے مختلف شعبے اور ہوسٹل ہیں۔ کونسل چیمبر کی عمارت بھی شاندار ہے۔ اس میں لیجسلیٹو اسمبلی، لیجسلیٹو کونسل اور یوپی کی حکومت کے دفتر ہیں۔ بقیہ جدید عمارتوں میں جنرل پوسٹ آفس، میڈیکل کالج اور ریلوے اسٹیشن دیکھنے کے لائق ہیں۔

اب تم تقریباً ساری اچھی اچھی عمارتیں دیکھ چکے ہو۔ اسلئے تمھیں چاہئے کہ خاص خاص بازار دیکھو اور لکھنؤ کے لوگوں سے ملو جو بڑے منکسر مزاج، با اخلاق اور مہذب ہوتے ہیں۔

لکھنؤ کا سب سے پرانا بازار چوک ہے۔ یہ ایک تنگ سڑک پر واقع ہے جس کے دونوں طرف چھوٹی چھوٹی دوکانیں اور لکڑی کے نیچے نیچے چھجے ہیں۔ یہاں جو چیزیں بکتی ہیں ان میں زری، عطر، خوبصورت حقے اور خوشبودار تمباکو قابل ذکر ہیں۔

امین آباد میں بھی بڑی چہل پہل رہتی ہے۔ یہ بازار دو چھوٹے پارکوں کے گرد بنایا گیا ہے۔ تم شام کو وہاں جاکر لکھنؤ کے خاص انداز کے دوکانداروں کو ضرور دیکھنا جو پھل، شربت اور گجرے وغیرہ بیچتے ہیں۔

حضرت گنج لکھنؤ کا نیا بازار ہے۔ وہاں تم صرف رئیس لوگوں یا یونیورسٹی کے طالبعلموں کو پاؤ گے جو یا تو صاف ستھری، چوڑی سڑک پر موٹر چلاتے ہوں گے یا سڑک کے کنارے پھرتے ہوں گے یا کسی ریسٹورانٹ یا کافی ہاؤس میں بیٹھے کچھ کھاتے پیتے ہوں گے۔

ایک امام باڑا

سب سے آخر میں تم چڑیا گھر دیکھنا۔ وہاں تمھیں بڑی تعداد میں عجیب وغریب جنگلی جانور اور پرند نظر آئیں گے۔ تم انھیں بہت پسند کروگے اور حیرت میں پڑجاؤ گے کہ ان کو پکڑ کر قابو میں کس طرح لایا گیا۔

لکھنؤ دیکھ کر تمھیں اودھ کی اس شان و شوکت کا کچھ اندازہ ہوجائے گا جس کی دلچسپ کہانیاں تم اپنی کتابوں میں پڑھ چکے ہو۔
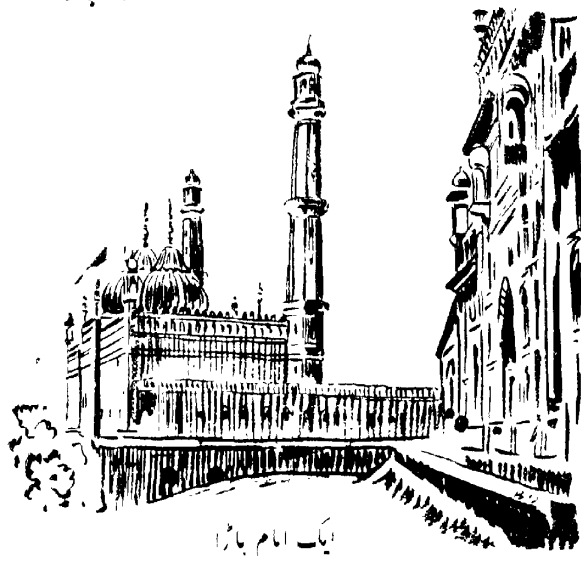
قازقستان

از محمد اسلم

قازقستان بہت ہی خوبصورت جگہ ہے۔ یہ ملک وسطی ایشیا میں آباد ہے۔ اس کا رقبہ کافی ہے لیکن آبادی بہت کم ہے۔ قازق ترکی نسل سے ہیں۔ دیکھنے میں وہ منگول نسل والوں سے ملتے جلتے ہیں۔ ان کا حلیہ یہ ہوتا ہے۔ میانہ قد چھوٹے چھوٹے سیاہ بال، ترچھی آنکھیں چوڑی اور چپٹی ناک، گالوں کی ہڈیاں ابھری ہوئی اور چھوٹے چھوٹے ہاتھ پاؤں، یہ گھوڑے کی سواری کے بہت شوقین ہوتے ہیں اور بھیڑ بکریاں اور اونٹ پالتے ہیں۔

قازقوں کی تاریخ بہت پرانی ہے ان کا ذکر ایران کے مشہور شاعر فردوسی نے بھی کیا ہے۔ کسی زمانے میں قازقستان چنگیز خاں کے قبضے میں تھا۔ لیکن روس کے ساتھ ملنے کے بعد ہی قازقوں کو کچھ اہمیت حاصل ہوئی ۱۷۳۱ء میں انھیں روسی قوم میں شامل کر لیا گیا۔ کافی عرصے تک روسیوں اور قازقوں کے درمیان کوئی تمدنی یا اقتصادی رشتہ قائم نہ ہوا۔ لیکن جب سے ریلیں بنیں یہ دونوں ایک دوسرے کے قریب ہو گئے۔ سنہ ۱۹۲۰ء میں قازقوں کو ری پبلک ملی اور ۱۹۳۶ء میں یہ سوویٹ یونین میں شامل ہو گئے۔

قازقستان میں معدنیات کی کثرت ہے۔ یہاں کے پہاڑی علاقوں سے کافی مقدار میں کوئلہ، تیل، جست، تانبا، نکل اور معدنی نمک نکلتے ہیں۔

سوویٹ یونین کا دو تہائی سیسہ، آدھا جست اور ایک تہائی تیل اور کوئلہ، قازقستان ہی سے نکلتا ہے۔ قازقستان کی صنعتی ترقی کا بڑا سبب کوئلہ ہے۔ آبادی کا بڑا حصہ کانوں میں کام کرتا ہے۔ جگہ جگہ تانبا پگھلانے، آٹا پیسنے اور کپڑا بننے کے کارخانے کھل گئے ہیں۔ اس کے علاوہ گوشت سکھانے، چمڑا رنگنے اور اون کے کارخانے بھی ہیں۔

زراعت میں بھی بہت ترقی ہوئی ہے۔ اب کسان الگ الگ کھیتی نہیں کرتے بلکہ یہ کام حکومت نے اپنے ذمے لے لیا ہے۔ پرانے ہلوں کی جگہ نئی مشینوں نے لے لی ہے اور بہت بڑی مقدار میں غلّہ پیدا ہونے لگا ہے۔ قازقستان میں دو قسم کے درختوں کا بھی پتہ چلا ہے۔ جن سے ربڑ بنایا جاتا ہے۔

صنعت اور کھیتی باڑی کی ترقی کے ساتھ ساتھ ذرائع آمد و رفت بھی بہت بڑھ گئے ہیں۔ یہاں چار بڑی ریلوے لائنیں ہیں اور ۶۰۰ میل لمبی ایک سڑک ہے جو اکثر صنعتی شہروں کو ایک دوسرے سے ملاتی ہے۔ قازقستان کے دارالخلافہ الما عطا اور ماسکو کے درمیان ہوائی راستہ کھل

گیا ہے۔ اور ملک کے اندر بھی ہوائی لائنیں ہیں۔ تعلیم بھی بہت تیزی سے پھیل رہی ہے۔ ۱۱۶ صنعتی سکول اور ۲۱ کالج ہیں ۱۹۳۴ء میں الما عطا کے مقام پر ایک قومی یونیورسٹی قائم ہوئی جو اب تعلیم کا مرکز ہے۔

قازقستان کی قومی زبان ترکی سے ملتی ہے۔ تمام ملک میں ایک ہی زبان بولی جاتی ہے اور اس میں غیر ملکی الفاظ نہیں ہیں پرانا ادب زیادہ تر زبانی ہی ایک نسل سے دوسری تک پہنچتا تھا۔ انیسویں صدی کے آخر میں تحریری ادب کا رواج ہوا۔ قازقستان کے جدید ادب پر خاص طور سے ناول اور کہانیوں پر روسی ادب کا بہت گہرا اثر پڑا ہے۔

قازقوں نے فلم بنانے میں بھی بہت کامیابی حاصل کی ہے۔ یہ فن انھوں نے روسیوں سے سیکھا ہے۔ صرف روس ہی ایسا ملک ہے جہاں فلمی صنعت

کی یونیورسٹی ہے۔ حال ہی میں قازقستان کے مشہور شاعر ابائی کنانبایف کی زندگی کو فلمایا گیا ہے۔ یہ فلم ۱۹۴۵ء میں شاعر کی برسی کے موقع پر دکھائی گئی تھی۔

قازقستان میں ۴۰ تھیٹر ہیں جو سال میں ....، تماشے دکھاتے ہیں۔ قازقستان کے لوگ آرٹ کے بہت قدردان ہیں اور آرٹسٹوں اور شاعروں کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ مشہور شاعر جمبول جمبایف کا یہ گیت یہاں کے بچے بچے کی زبان پر ہے۔

میں تیروں کا گیت گاتا ہوں،
میرا نشانہ کبھی خطا نہیں ہوتا،
دشمن خوش نہ ہوں کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔
میرا دل تو ابھی جوان ہے۔

بوجھو تو یہ کیا ہیں

کالے کالے پنکھوں والی سر پر پھولا تاج
آم کے پیڑ پہ بیٹھی بیٹھی کرتی ہے وہ راج

روکھی سوکھی روٹی کھائے
خوش رہے اور موج اڑائے

لمبی لمبی ٹانگیں ہیں اور قینچیوں کی چونچ
آنکھیں اس کی ایسی جیسے کھاتی ہو لیموں

دیکھو پھرتی سی ... .!
اور کوے موٹے کہتے ہیں

چڑیا کہیں یہ دیکھ جو پائے
مار جھپٹا لے اڑ جائے

نونہال

یہ کیوں آج مسرور ہوں میں جناب
کوئی مجھکو بتلادے اس کا جواب
لے آیا ہے چٹھی رساں 'نونہال'
ہوا ہے خوشی سے برا میرا حال
سر ورق پر ہے بنا اک جہاں
مگر سامنے ہی ہے ہندوستان
رسالہ کی میں کیا لکھوں خوبیاں
کہاں تک ہوں اوصاف اسکے بیاں
ہزاروں مضامین کیا خوب ہیں
مجھے صدق دل سے وہ محبوب ہیں
مجھے اک مہینے سے تھا انتظار
ہوا آج ہوں اس سے میں ہمکنار
الٰہی ابد تک رہے 'نونہال'
بڑھے رفتہ رفتہ ہو تیز اسکی چال

اقبال الدین حیدر سیتاپور

لطیفے

ماسٹر صاحب:- (لڑکے سے) بتاؤ! اگر گائے روزانہ دو سیر دودھ دیتی ہے تو تمہارا باپ دو دن میں کتنا دودھ فروخت کریگا؟

لڑکا:- آٹھ سیر

ماسٹر صاحب:- افسوس کہ تم حساب سے بالکل ناواقف ہو۔

لڑکا:- اور آپ دودھ بیچنے کے طریقے سے بالکل ناواقف ہیں۔

سید محمد خورشید۔ گیا

زاہد صاحب کو مچھر بہت ستا رہے تھے انھوں نے عارف سے کہا کہ روشنی گل کر دو تا کہ مچھر مجھے نہ دیکھ سکیں روشنی گل کر دی گئی۔

اتفاق سے ایک جگنو کمرے میں آگیا زاہد صاحب چلائے روشنی کر دو روشنی کرو۔

عارف نے پوچھا کیا بات ہوئی؟

زاہد نے جواب دیا دیکھتے نہیں مچھر ٹارچ لے کر کمرے میں مجھے ڈھونڈھنے گھس آئے ہیں —

عبدالمالک۔ دہلی

ایک بوڑھی عورت چلی جا رہی تھی۔ اس کے پیچھے دو گدھے بھی جا رہے تھے۔ ایک ظریف نے بہ آواز بلند کہا گدھوں کی اماں سلام۔ اس نے جواب دیا بیٹا جیتے رہو۔

نور محمد

گاتا درخت، بولتی چڑیا اور سونے کا پانی

کسی زمانے میں فرانس میں ایک بادشاہ تھا۔ جب وہ مرا تو اس کے تین اولادیں تھیں ۔ دو لڑکے لوئی اور رین، اور ایک لڑکی میری۔ ان کی ماں یعنی ملکہ بہت دنوں سے بیمار تھی۔ دنیا کے تمام ہوشیار ڈاکٹر یکے بعد دیگرے اس کا علاج کر چکے تھے۔ لیکن کسی کی دوا سے فائدہ نہیں ہوا اور بیچاری ملکہ کی حالت روز بروز خراب ہوتی گئی۔

ایک دن ایک مسافر شہر میں آیا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ ملکہ ایک عجیب و غریب بیماری میں مبتلا ہے تو اس نے اسے دیکھنے کی اجازت مانگی۔ دیکھ کر اس نے کہا: "صرف ایک طریقے سے آپ کا علاج ہو سکتا ہے۔ بادِ شمالی کے ملک میں بیانک نامی ایک شخص رہتا ہے۔ اس کے پاس جادو کی تین چیزیں ہیں۔ گاتا درخت، بولتی چڑیا، اور سونے کا پانی۔ آپ یہ تینوں چیزیں حاصل کر لیں۔ گاتا درخت عجیب و غریب چیز ہے۔ اس کی پتیوں میں سے سریلے گانے نکلتے ہیں۔ بولتی چڑیا دن رات حیرت انگیز کہانیاں کہتی رہتی ہے۔ اور سونے کا پانی ہر قسم کے مرض کے لئے اکسیر ہے اور ہر جادو کا کاٹ ہے۔ کسی کو بھیج کر یہ چیزیں منگوا لیجئے۔ جس گھڑی یہ چیزیں آپ کے دربار میں آ جائیں گی، آپ اچھی ہونے لگیں گی۔ لیکن ایک بات اور بتا دوں۔ ان قیمتی چیزوں کو حاصل کرنا بہت مشکل ہے۔"

ملکہ نے اجنبی کا شکریہ ادا کیا۔ اور اس مشورے کے بدلے اسے بہت دولت دی۔ اس کے بعد وہ سوچنے لگی کہ یہ تین حیرت انگیز چیزیں کیسے حاصل کی جائیں۔ اس کے دربار کے بڑے بڑے افسروں کو بلایا لیکن کوئی بھی یہ مہم سر کرنے کے لئے تیار نہ ہوا۔ آخر اس کے بڑے لڑکے لوئی نے کہا: "چونکہ کوئی راضی نہیں ہوتا۔ اس لئے میں اکیلا ان چیزوں کی تلاش میں جاؤں گا۔ میں کل روانہ ہو جاؤں گا۔ اگر میں تین مہینے کے اندر واپس نہ آ جاؤں تو سمجھ لینا کہ میرے اوپر کوئی مصیبت آن پڑی ہے۔"

دوسرے دن لوئی نے اپنی تلوار لی، جیب میں کافی روپیہ رکھا اور اپنے بہترین گھوڑے پر سوار ہو کر بادِ شمالی کے ملک کی طرف روانہ ہو گیا۔ ہر رات جب وہ ہوٹل میں ٹھہرتا تھا تو اس بات کا یقین کر لیتا تھا کہ وہ ٹھیک راستے پر جا رہا ہے یا نہیں! ایک ہفتے کے بعد وہ ایک ریگستان میں پہونچا۔ وہاں نہ درخت تھے، نہ مکان، نہ کوئی جھونپڑا۔ دور چٹانوں کی ایک لکیر کے سوا کچھ بھی نظر نہ آتا تھا۔ لیکن اس کے چاروں طرف ہنسنے اور مذاق اڑانے کی آوازیں آ رہی تھیں جو کہہ رہی تھیں: "شہزادے لوئی۔ تمہارے سفر سے کیا فائدہ؟

تم کبھی واپس نہ آؤ گے۔ کیا فائدہ؟ کیا فائدہ؟۔

ان بری آوازوں سے گھبرا کر شہزادے نے اپنے گھوڑے کو چابک لگایا اور چٹانوں کی طرف بھاگا۔ آوازوں نے اسکا پیچھا کیا۔ وہ کہتی جاتی تھی "کیا فائدہ! کیا فائدہ!!"

اچانک اسے اپنے پیچھے دوسرے گھوڑے کے سرپٹ بھاگنے کی آواز سنائی دی۔ اس نے بڑی تیزی سے گھوڑا دوڑاتے ہوئے پیچھے مڑکر دیکھا تو ایک بوڑھا آدمی نظر آیا جس کی ڈاڑھی کمر تک لٹکی ہوئی تھی۔

"کیا ہے بڑے میاں؟" اس نے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ میں صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ تم اس ریگستان میں اتنی تیزی سے کہاں بھاگے جارہے ہو؟"

"میری ماں، ملکۂ فرانس بیمار ہے۔ میں بادشمالی کے ملک جارہا ہوں تاکہ بھیانک سے وہ تین چیزیں لاؤں جو میری ماں کا علاج کرسکتی ہیں۔ ایک گاتا درخت ہے۔ دوسری بولتی چڑیا اور تیسرا سونے کا پانی۔"

"نوجوان! تمہارا کام بہت خطرناک ہے۔ سامنے جو چٹانیں نظر آرہی ہیں وہ سب سپاہی ہیں جو تمہاری طرح ان قیمتی چیزوں کی تلاش میں گئے تھے لیکن کچھ پانے کے بجائے پتھر کے ہوگئے۔ بہرحال تم سے ملکر مجھے خوشی ہوئی اس لئے میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ میں جو کہتا ہوں اسے یاد رکھنا۔ جب تم پتھر کے ان سپاہیوں کے پاس پہونچو تو کوئی نام لے کر پکارے گا۔ جواب مت دینا۔ کوئی تمہیں مارے گا، یہی نہیں بلکہ تمہارے سامنے سی سی کی آواز بھی نکالے گا۔ کچھ ہو۔ تم پرواہ مت کرنا۔ نہ مڑکر دیکھنا، سیدھے چلے جانا۔ اگر تم نے اس بات کا خیال رکھا تو تم بھیانک کے خزانے کے پاس حفاظت سے پہونچ جاؤ گے۔"

شہزادے لوئی نے بوڑھے کا شکریہ ادا کیا اور اپنی راہ لی۔ ذرا دیر میں وہ چٹانوں کے پاس پہونچ گیا یہاں سے اسکی مشکلوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ "شہزادے لوئی، شہزادے لوئی! تم کہاں جارہے ہو؟" سیکڑوں آوازوں نے پوچھا۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ "شہزادے لوئی، شہزادے لوئی! تم کہاں جارہے ہو؟" کسی نے غصّے سے کہا۔

شہزادے کو بڑا تاؤ آیا۔ وہ چاہتا تھا کہ چیخ کر کہے۔ "تمہیں کیا؟ میں کہیں جارہا ہوں!" لیکن اسے بوڑھے کا مشورہ یاد تھا اس لئے وہ کچھ نہیں بولا۔ آگے بڑھ کر اس نے غصّے اور للکار کی خوفناک آوازیں سنیں۔ اسکے بعد کسی نے جو نظر نہ آتا تھا، اسے مارا، کسی اور نے اسکے منہ کے سامنے نفرت سے سی سی کی آواز نکالی۔ وہ آخر شہزادہ تھا۔ اتنی ذلت کیسے گوارا کرلیتا۔ وہ گھوڑے پر تن کر بیٹھ گیا، غصّے میں گالیاں دیکر اپنی تلوار نکالی اور وار کرنے ہی کو تھا کہ وہ اور اسکا گھوڑا پتھر کا ہوگیا۔

تین مہینے گذر گئے اور لوئی بادشمالی کے ملک سے نہیں لوٹا۔

ملکہ کے روکنے کے باوجود اس کا دوسرا لڑکا رین اپنی ماں اور بہن سے رخصت ہوکر گھوڑے پر سوار ہوا اور لوئی اور ان قیمتی چیزوں کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ پندرہ دن کے بعد وہ بھی ریگستان میں پہونچا۔ اپنے بھائی کی طرح اس نے بھی چاروں طرف سے آوازیں سنیں: "شہزادے رین۔ کیا فائدہ؟ کیا فائدہ؟" لیکن وہ ان آوازوں کی پرواہ کئے بغیر گزر گیا۔ آخر اسے بھی بوڑھا آدمی ملا اور اس نے اس سے بھی کہا کہ چٹان کے قریب پہونچ کر نہ پیچھے مڑکر دیکھے نہ کچھ بولے۔ رین بہادری سے بڑھتا گیا۔

"شہزادہ رین، شہزادہ رین! تم کہاں جارہے ہو؟"

رین نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"شہزادے رین، شہزادے رین! تم کہاں جارہے ہو؟"

اس دفعہ بڑے غصّے میں سوال ہوا۔ بڑی دیر تک شہزادہ ہر ذلت کو برداشت کرتا رہا اور کچھ نہ بولا۔ آخر اسے تاؤ آہی گیا اور اپنے بھائی کی طرح سزا دینے کے لئے مڑا ہی تھا کہ پتھر کا ہو گیا۔

وقت گذرتا گیا اور رین بھی واپس نہیں آیا تو محل میں سب لوگ رنجیدہ ہو گئے۔ تین مہینے ختم ہونے کے بعد شہزادی میری نے جانے کی خواہش ظاہر کی۔ اس کی ماں نے اسے بہت سمجھایا کہ وہ یہ خیال دل سے نکال دے۔ وہ ڈرتی تھی کہ کہیں اپنی آخری اولاد کو بھی نہ کھو دے۔ لیکن میری اتنی اچھی لڑکی تھی کہ اسنے ان قیمتی چیزوں اور اپنے بھائیوں کو لانے کا تہیّہ کر لیا۔

اصطبل میں صرف ایک گھوڑا باقی تھا۔ میری نے غریب لڑکیوں کا سا لباس پہنا اور اس گھوڑے پر سوار ہو کر بادشمالی کے ملک کی طرف روانہ ہو گئی۔ رات وہ ر ہ میں پڑنے والے کھیتوں کے اصطبلوں میں بسر کرتی تھی۔ اور گھاس پھوس پر سو رہتی تھی۔

تین ہفتے میں میری ریگستان پہونچ گئی۔ اسے بھی آوازیں سنائی دینے لگیں "بھولی شہزادی۔ تمہارے سفر سے کیا فائدہ؟ کیا فائدہ؟ کیا فائدہ؟"

اسے بھی بوڑھا آدمی ملا۔ اور اسنے ہدایت کی کہ چاہے کچھ ہو جائے میری کو نہ بولنا چاہئے نہ پیچھے مڑ کر دیکھنا چاہئے۔ میری نے اس بات کا وعدہ کر لیا اور روانہ چٹانوں کی طرف بڑھنے گئی۔

ہزاروں نامعلوم آوازوں نے اس کی توہین کی۔ انھوں نے اسے مارا، اس پر پتھر پھینکے، اس کے منہ کے سامنے نفرت سے سی سی کی آواز بھی نکالی۔ وہ آخر شہزادی تھی۔ اسے بڑا غصّہ آیا۔

اسکا بہت جی چاہا کہ وہ پوچھے کہ ایک خاتون سے ایسی بے رحمی کا برتاؤ کیوں کیا جا رہا ہے۔ لیکن اسے اپنی بیمار ماں یاد آ گئی اور خیال آ گیا کہ اس کا واپس جانا کتنا ضروری ہے۔ اس لئے اس نے ان باتوں کی بالکل پرواہ نہ کی اور بغیر کچھ کہے سنے یا پیچھے مڑے آگے بڑھ گئی۔ بہت جلد اس نے چٹانوں سے گذر کے ریگستان پار کر لیا۔ اب وہ جس راستے پر چل رہی تھی وہ جنگل کی طرف جاتا تھا۔ وہاں اسے پھر بوڑھا آدمی ملا۔ اس نے مسکرا کر میری کو گاتے درخت، بولتی چڑیا اور سونے کا پانی حاصل کرنے کی ترکیب بتا دی۔

"یہ سونے کے پانی کا چشمہ ہے۔ اس کا پانی اپنی بوتل میں بھر لو اور جا کر پانی کا ایک قطرہ چٹانوں پہ چھڑک دو۔ پھر دیکھو کیا ہوتا ہے۔ گاتے درخت میں ایک پنجرہ ٹنگا ہے اس میں بولتی چڑیا ہے۔ اس درخت کی ایک شاخ کاٹ لو اور لے جا کر اپنی ماں کے باغ میں لگا دو۔"

اسکے بعد بوڑھا آدمی رخصت ہوا اور میری شاخ، پنجرا، اور سونے کا پانی لینے کے لئے روانہ ہوئی۔

جب وہ چٹانوں کے پاس واپس پہونچی اور سونے کے پانی کا ایک ایک قطرہ ہر چٹان پر چھڑکا تو وہ تمام شہزادے، گھوڑے اور لوگ جنھیں بھیانک نے پتھر کا بنا دیا تھا، پھر زندہ ہو گئے۔ انھوں نے آزاد ہو کر خوشی کا نعرہ بلند کیا۔ وہ سب

میری کے گرد جمع ہو گئے اور بار بار بہادر شہزادی کا شکریہ ادا کیا۔

لوئی اور رین نے بڑی محبت سے اسے پیار کیا اور اپنی پیاری ماں کی خیریت پوچھی۔ اس کے بعد سب نے خوشی خوشی گھر جانے کی تیاری کی۔

میری اپنے ساتھ جو جادو کی چیزیں لائی تھی۔ ان کی مدد سے ملکہ اچھی ہونے لگی۔ ایک تو بولتی چڑیا نے اتنی عمدہ کہانیاں سنائیں کہ ملکہ کا جی بہلنے لگا۔ دوسرے گاتے درخت کے گیتوں سے اسے میٹھی میٹھی نیند آنے لگی۔ اس کے علاوہ اور صبح سونے کے پانی کا ایک قطرہ پیتی تھی۔ اس کی وجہ سے اس کی صحت ٹھیک ہو گئی۔

سب لوگوں نے یہ بات مان لی کہ میری دنیا کی سب سے زیادہ عقلمند لڑکی ہے۔

ایک سال کے بعد بادِ شمالی کا بوڑھا آدمی میری کے گھر آیا اور عجیب بات ہوئی کہ وہ ایک نوجوان اور حسین شہزادہ ہو گیا۔ اس کی شادی میری کے ساتھ ہو گئی اور دونوں ہنسی خوشی رہنے لگے۔

اقوالِ زرّیں

(از سوامی پارس ناتھ دیا ساگر)

جب تک تمکو اپنے فائدہ میں اور دوسروں کے نقصان میں خوشی حاصل ہوتی ہے تب تک تم نقصان ہی اٹھاتے رہو گے۔

جب تک تمکو اپنی تعریف اور دوسرے کی ندامت پسند آتی رہے گی تب تک تم قابلِ ندامت بنے رہو گے۔

جب تک تم کو اپنی عزت اور دوسرے کی بے عزتی پسند آتی رہے گی تب تک تم بے عزتی ہی حاصل کرتے رہو گے۔

جب تک تم کو اپنے واسطے آرام کی اور دوسر کے واسطے تکلیف کی چاہ ہے تب تک تم تکلیف ہی اٹھاتے رہو گے۔

جب تک تم کو اپنے عیب دکھلائی نہیں دیتے اور دوسرے کے عیب دکھلائی دیتے ہیں تب تک تم عیب دار ہی رہو گے

ٹوٹے تارے کی کہانی ——— بقیہ صفحہ ۸

ایک اور جگہ ٹوٹے تارے نے دیکھا کہ لوگ فاقوں مر رہے ہیں اس کی وجہ یہ تھی کہ جو تنکا روہ گھیر کر لاتے سفید کوا اسے بھگا دیتا تھا۔ ٹوٹے تارے نے بھینس کا بھیس بدلا اور کوے کو اپنے سینگوں میں پھنسا لیا۔ پھر اس کی سب بری طاقتیں چھین کر آگ پر الٹا لٹکا دیا۔ دھوئیں سے کوے کا دم گھٹنے لگا اور اس کے حلق سے سوائے کائیں کائیں کے کچھ نہ نکلا۔ جب کوے کے پر دھوئیں سے سیاہ ہو گئے تو ٹوٹے تارے نے اسے چھوڑ دیا۔ اسی وقت سے کوّے کے پر کالے ہو گئے ہیں اور وہ سوائے کائیں کائیں کے اور کوئی آواز نہیں نکال سکتا۔

ایسے اور بہت سے کمال کرنے کے بعد ٹوٹا تارا غائب ہو گیا۔ لیکن جب کبھی اسکے ننہیال والوں کو اس کی ضرورت ہوتی ہے وہ مدد کے لئے آ جاتا ہے۔

نئی کتابیں

۱- تارا کا ڈنڈا	۲۴ صفحے	قیمت	۳ر
۲- بولنے کا بٹوا	۲۴ "	"	۳ر
۳- انار راجہ	۲۴ "	"	۳ر
۴- پری کی چھڑی	۳۲ "	"	۴ر
۵- لیلیٰ شہزادی	۳۲ "	"	۴ر
۶- پرستان کی سیر	۲۴ "	"	۳ر

یہ کہانیاں بچّوں کے مشہور ادیب مولوی شفیع الدین نیّر کی لکھی ہوئی ہیں یہ بہت چھوٹے بچّوں کے لئے ہیں۔ ان کے پلاٹ تو بہت دلچسپ نہیں ہیں۔ لیکن ان میں ایک خاص خوبی یہ ہے کہ بہت سے لفظ اور جملے بار بار دہرائے گئے ہیں تا کہ بچّوں کو زبان سیکھنے اور اسکا استعمال سمجھنے میں آسانی ہو۔

۷- بندریا شہزادی	۴۰ صفحے	قیمت	۴ر
۸- لاڈلا شہزادہ	۴۸ "	"	۵ر
۹- طلسمی کھلونہ	۴۸ "	"	۵ر

مندرجہ بالا کہانیاں یکتا امروہوی کی لکھی ہوئی ہیں ان کے پلاٹ نئے نہیں ہیں۔ لیکن لکھنے والے نے انھیں بڑے دلچسپ انداز میں بیان کیا ہے کہانیاں سبق آموز ہیں۔

۱۰- پہلا سبق۔ از یکتا امروہوی وغیرہ	۳۲ صفحے	قیمت	۴ر
۱۱- لڈّے شاہ۔ از بیگم نصیر سبزواری	۲۴ "	"	۳ر
۱۲- تاج میاں۔ از نصیر بانو "	۲۴ "	"	۳ر
۱۳- تین شرطیں۔ " "	۲۴ "	"	۳ر
۱۴- جادو کا شیشہ۔ از معراج الدین دہلوی	۲۴ "	"	۳ر
۱۵- شہزادی حور بانو " "	۲۴ "	"	۳ر

مندرجہ بالا سب کہانیاں دلچسپ اور سبق آموز ہیں اور آسان اور صاف زبان میں لکھی گئی ہیں۔ لکھائی چھپائی اور گٹ اپ وغیرہ بہت معمولی۔ کتابیں رائل ایجوکیشنل بک ڈپو۔ دہلی سے منگائی جاسکتی ہیں۔ (ع-ا)

پہیلیاں

(۱)

چار پرندے چار ہی رنگ
پنجرے میں جائیں تو ایک رنگ

(۲)

ایک پیڑ میں نے دیکھا جٹے کالے پتّے
ہر جگہ وہ پیڑ ملے دانا بوجھنے والے

(۳)

زرد رنگ کا اک گھر دیکھا جس میں تھیں کچھ پریاں
پریوں نے جب پردں کو کھولا نکلیں سب بن بھریاں

منصور قیصر - لاہور

---

(۱) ۵ بیسیں
(۸) ۱۲۳۴۵۶۷۸
(۱) ۹۵

عجیب و غریب پرندہ

ایک بڑا کارگ لو اور اس میں دو لمبی کیلیں گڑدو ۔ اب ایک اور چھوٹا اور گول سا کارگ لو اور اس
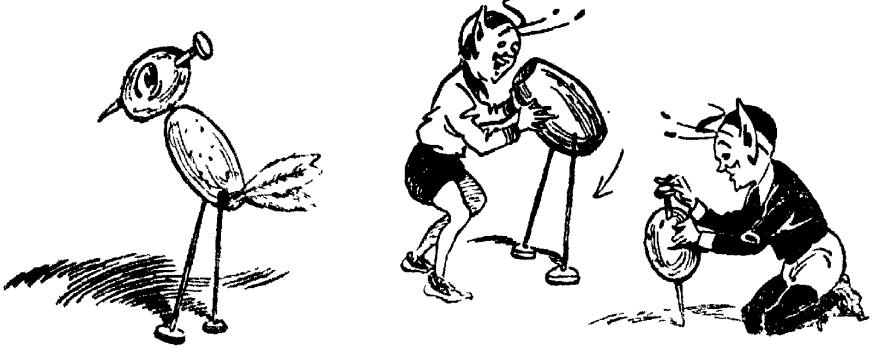
میں ایک اور کیل اسطرح لگاؤ جیسا کہ تصویر میں دکھایا ہے ۔ دم کی جگہ دو پر لگادو ۔ اور سیاہی سے آنکھیں بناکر ایک بغیر سرے والی کیل سے دونوں کارکوں کو جوڑ دو ۔

پرندہ تیار ہے

پیالے اور چمچے

یہ کھیل نہایت تیزی کے ساتھ کھیلا جاتا ہے ۔ بچے دو لائنیں بناکر بیٹھ جاتے ہیں دونوں لائنوں کے درمیان دو گز کا فاصلہ ہوتا ہے اور کھلاڑیوں کی تعداد برابر ہوتی ہے ۔ پہلا کھلاڑی پیالہ بنتا ہے، دوسرا چمچہ، تیسرا پیالہ ۔ اسی طرح لائن ختم ہوجاتی ہے ۔ لائن کا پہلا اور آخری کھلاڑی چمچہ ہو۔ پیالے اپنے ہاتھوں کو جوڑکر پیالے کی شکل کا بنالیتے ہیں ۔ دونوں لائنوں کے شروع میں سیب ۔ بٹن ۔ پتھر ۔ پھلیاں ۔ یا کچھ ایسی ہی چیزیں رکھ دیتے ہیں ۔ انکی تعداد بھی برابر ہی ہونی چاہئے ۔

جب امپائر سیٹی بجائے تو دونوں لائنوں کے شروع کا کھلاڑی ایک چیز اُٹھاکر برابر والے پیالے کے ہاتھ میں دے دیتا ہے ۔ پیالے کے برابر کا کھلاڑی اسے اُٹھاکر اپنے برابر والے پیالے میں رکھ دیتا ہے اس طرح چیز آخر تک پہنچ جاتی ہے ۔ آخری کھلاڑی اُسے زمین پر رکھ دیتا ہے ۔

پہلے کھلاڑی کو چاہئے کہ پہلی چیز برابر والے پیالے میں رکھتے ہی تیزی سے دوسری اٹھاکر رکھے اور پھر تیسری یہاں تک کہ سب چیزیں ختم ہوجائیں ۔

جس لائن کی چیزیں پہلے دوسرے سرے تک پہنچ جائیں وہی جیت جاتی ہے ۔ لیکن یہ خیال رہے کہ ایک وقت میں ایک ہی چیز اُٹھائی جائے